ادبیاتِ فارسی

میں

ہندوؤں کا حصّہ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج
حال صدر شعبۂ دائرہ معارف اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی

مجلس ترقّیِ ادب
کلب روڈ ۔ لاہور

ادبیاتِ فارسی

میں

ہندوؤں کا حصّہ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج
حال صدر شعبۂ دائرہ معارف اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی

مجلس ترقّی ادب
کلب روڈ ۔ لاہور

جملہ حقوق محفوظ
طبع دوم : نومبر ۱۹۶۷ء
تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور
مطبع : شفیق پریس ، ۲۵ کبیر سٹریٹ ، لاہور
طابع : ایس - ایم - شفیق

میں اس ناچیز کوشش

کو

مغل تہذیب و شائستگی

کے نام

معنون کرتا ہوں

جس کے آثار و برکات کی شاندار داستان کا

ایک باب اس کتابچے

میں

بیان ہوا ہے

مصنف کا دیباچہ

(طبع ثانی کے لیے)

میری کتاب ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے دوبارہ چھپ رہی ہے - اس کا متن کاملاً وہی ہے جو طبع اول میں تھا - میری آرزو تھی میں کچھ اضافہ کروں ، کچھ ترمیم کروں ، کچھ انداز بیان اور عبارتوں میں تبدیلیاں کروں - اس کا متن ۳۶-۱۹۳۵ع کے قریب قریب تیار ہوا تھا - اب کئی جگہ بیان اکھڑا اکھڑا معلوم ہوا اور چوں کہ بات کہنے میں قلم کو نسبتاً آسانی بھی ہو گئی ہے اس لیے مناسب تھا کہ میں اس سہولت طبع سے فائدہ اٹھاتا ، مگر افسوس ہے کہ میں کچھ کر نہ سکا - مصروفیت ، طبیعت کی بےرنگی بلکہ بدرنگی ، زمانے کے نشیب و فراز ، روز و شب کی گردش ، ایک نہیں بے شمار رکاوٹیں سامنے آ گئیں اور میرے ارادے کو بٹھا بٹھا گئیں - غرض یہ کہ کچھ نہ ہو سکا اور اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں -

اس کتاب کو دوبارہ چھپوانے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد اس کی افادیت کم نہیں ہوئی ، زیادہ ہو گئی ہے - ہندو ہم سے الگ ہو گئے اور ہم ان سے الگ - مگر ایک بڑا زمانہ ایسا بھی تاریخ میں ہے جسے مسلمانی تہذیب کا زمانہ کہتے ہیں - آج کل کے دانشور اس تہذیب کو نہیں ماننا چاہتے نہ مانیں لیکن اس کے گہرے اور وسیع اثر کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ ہندو انشاپرداز اور ادیب مسلسل کئی صدیوں تک ہماری تہذیبی زبان میں بات کرتے رہے - وہ اپنی تحریر کو بسم اللہ سے شروع کرتے ، وہ خوشی کے موقع پر الحمدللہ کہتے اور مصیبت میں اناللہ کا ورد کرتے - ہماری طرح سوچتے اور ہماری

ہی طرح لکھتے ، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا : ع

کہ ہندو می زند شمشیر اسلا

میں اب بھی محبت کے تعویذ کو بڑی مؤثر شے مانتا ہوں ، اگر اہل ہند کو کبھی گزشتہ تاریخ پڑھنے کی اجازت دی گئی — اور تعصبات نے ان کے ذہن کو آلودہ نہ کیا تو وہ اس دور کو اپنی تاریخ کے بہترین ادوار میں شمار کریں گے —

——— اور ادھر پاکستان میں روٹھے ہوئے دانش وروں کو اس تذکرے سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ مسلمانی تہذیب کو محض نقش باطل یا دعویٰ لا طائل نہ سمجھیں گے ۔ ان پر اسی ایک صورت حال سے ثابت ہو جائے گا کہ قوموں کا تہذیبی غلبہ صحیح افکار اور مسلسل عمل پر موقوف ہے اور اس میں محبت کی قاہری کا بڑا حصہ ہوتا ہے ۔

کتاب کے دوبارہ چھپوانے کا یہ عذر اگر مسموع ہے تو سبحان اللہ ، ورنہ بارک اللہ ۔ میں ہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں ۔

میں مجلس ترقی ادب کے ناظم سید امتیاز علی تاج اور مجلس کے ارکان (بالقابہم) کا بھی شکر گزار ہوں ۔ فقط

سید عبداللہ
المأمن ۔ اردو نگر
ملتان روڈ ، لاہور
یکم جولائی ۱۹۶۷ع

دیباچہ

(طبعِ اول)

'ہندوؤں کا فارسی ادب' میرے اس مقالے کا موضوع تھا جو میں نے انگریزی میں ڈی لٹ کی ڈگری کے لیے لکھا تھا ۔ موجودہ کتاب اسی کا ملخص ترجمہ ہے ۔ ہندوستان میں جو فارسی ادب پیدا ہوا ، اس کی تاریخ ہنوز نہیں لکھی گئی ۔ یہ کتاب جو اس وقت ناظرین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے ، اس وسیع تاریخ کا ایک باب ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ ہمام کوشش ہندوستان کی فارسی ادبیات لکھنے والے کو اس مشکل اور طویل کام میں کچھ مدد دے سکے ۔

یہ کتابچہ ہندوؤں کی ذہنی ترقیوں اور علمی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے ۔ اس کے ساتھ ہی اس سے مغلوں کی ترق پزیر ، رواداراانہ طرز حکومت پر بھی روشنی پڑتی ہے جس کے سایۂ عاطفت میں ہندوؤں کو اپنے دماغی جوہر دکھانے کا موقع ملا اور جس نے ان کے ذہن کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتے ہوئے ان میں نئی زندگی پیدا کی ۔ اس سرگزشت سے ہمیں بعض تمدنی اور معاشرتی مسائل کے حل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ وہ ہندو قوم جسے علامہ البیرونی نے حد 'تفرد پسند' اور 'خود پسند' کہتا ہے ، جس کے نزدیک وید مقدس کے علاوہ کوئی کتاب الہامی اور آسمانی نہیں اور جو اپنے علوم ، اپنے کلچر اور اپنی روایات پر اس قدر نازاں ہے کہ اپنے سوا سارے عالم کو 'ناشایستہ' تصور کرتی ہے ، اب اس کے افراد 'مرزا' اور 'میاں' کہلانے پر فخر کرتے ہیں ۔ شنکر اور کپیلا ، تلسی داس اور رامانج کے اقوال کے بجائے وہ سعدی اور حافظ ، خیام اور رومی کے کلمات و اشعار سے اپنے کلام کو آراستہ کرتے

ہیں ۔ تقریباً ہر ہندو مصنف اپنی تحریر کو 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' سے شروع کرتا ہے اور طلب توفیق پر ختم کرتا ہے ۔ اسلامی مہینوں کی تعظیم کرتا ہے اور مسلمانوں کے طریقوں اور رسموں کی عزت کرتا ہے ۔ یہ حقیقت میں ایک محیرالعقول انقلاب تھا جس کی ذمے دار بڑی حد تک فارسی زبان کی تعلیم تھی ، جس کی بے نظیر سادگی ، بے مثل رنگینی ، دل‌آویز شیرینی اور حقائق سے لب ریز بلاغت نے آہستہ آہستہ دماغوں کو متاثر کیا اور ہندوستان میں 'اسلامی ہندی کلچر' کا ایک ایسا 'آمیزہ' تیار ہوا جس کی نظیر دنیا میں کم ملتی ہے ۔

ہندوؤں نے تین سو سال تک مساجد اور مکاتب میں مسلمان طالب علموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر علوم حاصل کیے ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ یہ ہندو شائقین علم ، مسلمان طالب علموں سے گوے سبقت لے گئے ۔ آج سے ایک صدی قبل آرنلڈ صاحب نے جب پنجاب کی تعلیمی حالت کی رپورٹ لکھی تو انھیں معلوم ہوا کہ 'مکاتب قرآنیہ' میں مسلمانوں کی بہ نسبت ہندو طلبہ زیادہ داخل ہوتے ہیں ۔ یہی مکتبوں کا رشتہ دونوں قوموں کے درمیان رابطۂ اتصال کا کام دیتا تھا ، جس نے انھیں باہم شیر و شکر بنا دیا تھا اور جس کی بدولت صدیوں تک ہندو مسلمان بھائیوں کی طرح رہتے سہتے رہے ۔ ہمارے پرانے تعلقات کی یہ خوش‌گوار داستان شاید موجودہ دور میں عجیب سی معلوم ہوتی ہو مگر ہندوستان کی مختلف اقوام نے اس 'متحدہ کلچر' ہی کو اندرونی اتحاد و یگانگت کا ذریعہ بنایا تھا ۔

سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ مغلوں کا راج 'کاغذی راج' تھا ۔ انھوں نے اس راج کے انتظام کے لیے ایک وسیع 'بیت‌الانشا' قائم کیا جس کے مختلف فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں ہندو اہل قلم اور ادبا ، مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے ۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ ہندوؤں کے فارسی ادب کی سرگزشت

حقیقت میں 'مغلوں کے طرز حکومت' پر کچھ لکھنے کے لیے ایک وقیع اور صحیح ماخذ کا کام دے گی۔

راقم‌السطور کو اس کتابچے کی ترتیب میں جامع اور بے عیب تحقیق کا دعویٰ نہیں ۔ عاجزانہ طور پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس مضمون کو اس شکل میں استیعاب کے ساتھ پیش کرنے کی سعی اس سے پہلے نہیں کی گئی ۔ جب ۱۹۲۸ء میں میرے مخدوم پرنسپل محمد شفیع صاحب اور استاد محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب نے 'الفرڈ پٹیالہ اسکالر' کی حیثیت سے اس مضمون پر کچھ لکھنے کی مجھے ہدایت کی تو میں دیبی پرشاد سائل کی کتاب 'آثار شعرائے ہنود' کے سوا کسی ماخذ سے واقف نہ تھا ۔ پھر جب اس سلسلے میں میں نے جستجو سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اس موضوع پر ایک طویل سلسلۂ مضامین 'معارف' (۱۹۱۸ء) میں سپرد قلم کر چکے ہیں ، جنھیں میں نے اپنے لیے ایک مستقل ماخذ کے طور پر استعمال کیا ۔ اگرچہ مولانا کے ان مضامین میں مسئلے کے بعض اہم پہلو نظر انداز ہو گئے تھے ، اور تاریخوں اور سنوں کے ضبط و تحریر میں عدم پابندی کے علاوہ ان میں مغلوں سے پہلے کی حالت پر روشنی نہیں ڈالی گئی اور خود کتابوں کی فہرست بہت مختصر اور کتابوں پر تبصرہ و تنقید معمولی ہے ، تاہم اس امر کا اعتراف لازم ہے کہ میں نے ان مضامین سے بے حد مدد لی ، جس کے لیے میں جناب سید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ ان دو ضروری مآخذ کے علاوہ میں نے بعض اور مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا ہے ۔ ۱۸۷۱ء میں مسٹر بلوخمن نے کلکتہ ریویو میں 'مغلوں کے ہندو ملازمین' کے عنوان سے مضمون لکھا تھا جس میں مجملاً اس بحث کے متعلق بھی کچھ اشارات ملتے ہیں ۔

'ہندوستان کی کہانی اپنے مؤرخوں کی زبانی' مرتبہ ایلیٹ و ڈاؤسن میں بھی ہندو مؤرخین کے عمدہ اور مفصل حالات ملتے ہیں جن سے پوری پوری مدد لی گئی ہے ۔ میں نے اس کتابچے کی

ترتیب میں جن صدھا قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے مدد لی ہے آن کی مفصل فہرست کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہے تاکہ مفصل مطالعہ کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہو سکے ۔

میرا کتابچہ چھ ابواب پر مشتمل ہے ؛ لٹریچر کا ذکر تیسرے باب سے شروع ہوتا ہے ۔ پہلے باب میں مغلوں سے پہلے کی حالت اور دوسرے باب میں اکبری عہد کی کیفیت بیان کی گئی ہے ۔ ہر باب کی ابتدا میں ادب کے ذکر سے پہلے تاریخی تمہید لگا دی گئی ہے جس میں مختلف مغل بادشاہوں کی علمی سرپرستیوں اور ہندوؤں کے ساتھ آن کے حسن سلوک کا ذکر ہے ۔ جو فہرست میں نے یہاں ہندو ادب کی پیش کی ہے اس کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں ۔ بہت ممکن ہے کہ دور افتادہ گوشوں کو ٹٹولنے یا گمنام کتب خانوں کو کھنگالنے سے مزید کتابیں بھی مل جائیں ، لیکن اب تک مجھے جو کچھ مل سکا میں نے اس کا ضروری حصہ شامل کر لیا ہے ۔ میں نے ہر کتاب پر تنقید نہیں کی ۔ صرف چیدہ اور اہم تصنیفات پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ حوالے نہایت پابندی کے ساتھ دیے گئے ہیں تاکہ رجوع میں دقت نہ ہو ۔ اس سے قبل اس کتاب کے بعض حصے اورینٹل کالج میگزین اور بعض اور رسائل میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ اب میں ان سب کو یکجا کرتے ہوئے ایک نئی ترتیب کے ساتھ اہل ملک کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ آمید کہ میری غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے میری سعی و کوشش کی داد دی جائے گی ۔

گر ہمہ بر زدہ بینی خط من عیب مکن
کہ مرا محنت ایام ہمہ بر زدہ است

دیباچے کو ختم کرنے سے پہلے میں اپنے مخدوم پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم ۔ اے (کینٹب) ، استاد محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب ایم ۔ اے ، پی ایچ ۔ ڈی اور استاد مکرم حافظ محمود خان صاحب شیرانی سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کا

شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ایما سے میں نے اس کتاب کو شروع کیا اور آن کی توجہ ، افادہ اور رہنمائی سے تکمیل تک پہنچایا - نیز قبلہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اردو کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتابچے کو انجمن کی مطبوعات میں شامل کرنے کی منظوری عطا فرمائی -

سید محمد عبداللہ

۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ع

فہرست

پہلا باب
عہد مغلیہ سے قبل

عنوان			صفحہ
ہندوؤں کی تفرد پسندی	...	...	۲۰
پٹھانوں کی فارسی سے نفرت	...	...	۲۱

دوسرا باب

عہد اکبری—ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا آغاز

تیسرا باب

از عہد جہانگیری ۱۰۱۴ھ تا جلوس فرخ سیر ۱۱۲۴ھ

عنوان ... صفحہ

چوتھا باب

مغلوں کا انحطاط (از ۱۱۲۴ھ تا ۱۲۲۱ھ)

عنوان	صفحہ

عنوان			صفحہ

پانچواں باب

مغل تہذیب کا دم واپسیں (از ۱۲۲۱ھ تا عہد حاضر)

چھٹا باب

نظرِ بازگشت

عہد مغلیہ سے قبل

ہندوستان اور ایران کے تعلقات ۵۰۰ قبل مسیح سے چلے آئے ہیں - ایرانی بادشاہوں میں سے دارا نے سب سے پہلے سندھ کو فتح کیا تھا اور قدیم ایرانیوں کی حکومت سندھ پر ۳۲۵ ق م تک رہی - موورین حکومت کے زمانے میں ایران کا ہندوستان پر گہرا اثر پڑا - چناں چہ رسوم و رواج اور دیگر اوضاع زندگی میں خاصی مماثلت نظر آتی ہے - اسلام سے قبل عربوں کے بھی ہندوستان کے سواحلی علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے ، لیکن عرب اور ہندوستان کا سیاسی تعلق اسلام کے بعد قائم ہؤا -

سندھ پر عربوں کی حکومت

محمد بن قاسم نے ۷۱۲ — ۷۱۱ع میں ہندوستان پر حملہ کیا - اس کے بعد تین صدیوں تک سندھ پر عربوں کی حکومت رہی اور یہ علاقہ مسلمانوں کی عظیم الشان حکومت کا جزو بنا رہا جس کا مرکز پہلے دمشق اور پھر بغداد تھا - یہ وہ زمانہ تھا جس میں سندھیوں اور عربوں کے مابین سیاسی اور معاشرتی اختلاط ہؤا[1] -

عباسیوں کے زمانے کی عربی کتابوں میں سندھ کے اہل علم و ارباب قلم کے نام ملتے ہیں - مسلمان سندھیوں کے علاوہ ہندو علما ، فضلا ، حکما اور اطبا دربار بغداد میں اعلیٰ مناصب پر فائز

---

۱ - 'عرب و ہند کے تعلقات' از سید سلیمان ندوی -

تھے ، جہاں وہ ترجمہ اور طب[1] کی خدمات انجام دیتے تھے - یہ علمی تعلقات اس وقت منقطع ہوئے جب ہندو فلسفہ و حکمت کی جگہ یونانی علوم نے لے لی اور سندھ پر خلافت کے اقتدار کے کم ہونے کی وجہ سے باہمی معاشرتی اور سیاسی روابط میں بھی کمی واقع ہو گئی -

صفّاریوں کا حملہ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ، سندھ کا ملک بہت جلد خلافت سے منقطع ہو کر خود مختار ہو گیا - اگرچہ شمال کی طرف سے وقتاً فوقتاً حملے ہوتے رہتے تھے تاہم گیارھویں صدی عیسوی تک یہاں آزاد اسلامی حکومتیں اور ریاستیں قایم رہیں - تیسری صدی ہجری (۱۱ ص ع) میں صفّاریوں نے سندھ کو فتح کر لیا - یہ ایرانی تھے - گویا ان کے حملے نے عہد اسلامی میں سب سے پہلے ہندوؤں کو ایک فارسی بولنے والی قوم سے میل جول کا موقع دیا - ابن حوقل[2] اور اصطخری کے قول کے مطابق صفّاریوں کے زمانے میں ملتان اور منصورہ کے لوگ عربی اور سندھی بولتے تھے اور مکرانی لوگ فارسی اور مکرانی زبان بولتے تھے -

سندھ میں ۳۲۹ھ کے قریب ایک شاعرہ پیدا ہوتی ہے جس کا نام رابعہ بنت کعب القصداری ہے - قصدار یا تزدار ،

---

۱ - زخاؤ (Sachau) ، البیرونی 'انڈیا' دیباچہ : ایلیٹ - تاریخ ہندوستان جلد ۵ ، صفحہ ۵۸۲ -

۲ - ابن حوقل ، صفحہ ۲۳۲ ؛ اصطخری (ایلیٹ ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹) - ایلیٹ نے یوں ترجمہ کیا ہے :

''ملتان کے لوگ شلواریں پہنتے ہیں اور سندھی بولتے ہیں -''

علاقہ توران[1] (جسے اب بلوچستان کہتے ہیں) کا دارالخلافہ تھا - یہ امر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اُس زمانے میں سندھ اور بلوچستان میں فارسی کا اچھا خاصا رواج تھا اور قیاس غالب ہے کہ ہندو لوگ اس رواج عام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ہوں گے، اگرچہ اس قیاس آرائی کے لیے ہمارے پاس کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں -

محمود غزنوی سے لے کر اکبر کے زمانے تک

ہندوستان میں اہم اسلامی فتوحات کا سلسلہ درحقیقت محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ شروع ہوتا ہے - اُس وقت سے لے کر اکبری دور تک (یعنی تقریباً چھ سو سال) بجز چند مستثنیات کے ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا عام رواج نہیں ہؤا - ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان تخت حکومت پر متمکن ہوتا چلا آتا ہے، لیکن تاریخ کے اوراق اس اہم بحث پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں اور یہ تمام دور اس معاملے میں تاریکی اور عدم واقفیت کا دور معلوم ہوتا ہے - بعض دلائل کی بنا پر جن کا ذکر آگے چل کر کریں گے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طویل زمانے میں ہندوؤں نے فارسی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی - البتہ بعض حکومتوں نے اپنے اپنے عہد میں اس اہم سیاسی ضرورت کی جانب کچھ نہ کچھ التفات کیا اور شاید ہندوؤں میں ایک قلیل سی جماعت ہر زمانے میں ایسی موجود رہی جو فارسی سے واقف تھی - مثلاً اسلامی درباروں میں ہندو ملازمین اور منصب دار فارسی ضرور جانتے ہوں گے - اس عہد کے ہندی لٹریچر میں فارسی الفاظ اور محاورات کی کافی آمیزش ہے - خیال، ریختہ، جنگلہ (زنگولہ) وغیرہ اصطلاحات

۱ - لی سٹرینج - لینڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ، صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۳ -

ہندی موسیقی میں آسی زمانے میں شامل ہوئیں ۔ بعض مسلمان بادشاہوں نے اپنے زمانے میں ہندوؤں میں فارسی کو رواج دینے کی خاص کوششیں کیں جن کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔

غزلوی عہد

اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محمود کے کردار اور اس کے طرز حکومت کے متعلق بعض امور کی طرف اشارہ کیا جائے ۔ محمود کو عموماً 'بت شکنی' کے لیے بدنام کیا جاتا ہے ، لیکن اس کے عہد میں مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے بعض ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں جن سے انکار کرنا مشکل ہے ۔ محمود ایک فاضل شخص تھا اور اس کے دربار میں ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگ امن و احترام کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ البیرونی کو لیجیے، یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی عمر کا معتدبہ حصہ ہندوؤں کے علوم سیکھنے اور آن کے بعض عقاید کی توضیح و تشریح میں بسر کیا لیکن محمود آس کی سرپرستی سے دریغ نہیں کرتا ۔ ڈاکٹر زخاؤ[1] لکھتا ہے کہ ''اگر سلطان متعصب ہوتا تو البیرونی کی سرپرستی اور قدرافزائی کبھی نہ کرتا ۔''

محمود اور اس کے جانشینوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے درباروں میں ایک زبردست ہندو عنصر نظر آتا ہے ۔ فرشتہ[2] لکھتا ہے کہ اس زمانے میں غزنی ہندوستان کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی اس لیے کہ ہندو وہاں بہ کثرت موجود تھے ۔ بیہقی[3] اپنی تاریخ میں کئی جگہ ہندو افواج اور ہندو افسروں کا ذکر

---

۱ ۔ البیرونی : انڈیا (زخاؤ) صفحہ ۲۵۰ ، ۲۶۹ ۔
۲ ۔ فرشتہ ، صفحہ ۲۸ ۔
۳ ۔ بیہقی صفحہ ۵۰۳ ۔

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ غزنی کے وزیر نے ان ہندوؤں یا ہندوستانیوں کے ساتھ معاملات کی آسانی کے لیے ایک ترجمان مقرر کیا[1]۔ محمود کی وفات پر مسعود اور محمد کے درمیان جو جنگ چھڑی اس میں مسعود نے ناتھ نامی ایک ہندو افسر کو ایک باغی سردار کی سرکوبی کے لیے متعین کیا[2]۔

تلک بن جے سین حجام

غزنوی عہد کے ایک ہندو افسر کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو بہ لحاظ علم و فضل اور بہ اعتبار شہرت و قابلیت اپنے سب ہم مذہبوں سے گوے سبقت لے گیا تھا۔ یہ تھا تلک[3] بن جے سین جو دراصل حجام تھا مگر ذاتی خوبیوں کی وجہ سے خواجہ احمد حسن میمندی کا پرائیویٹ سکریٹری بن گیا۔ وہ حسین و جمیل آدمی تھا، خدا نے اسے گفت گو کی استعداد بخشی تھی اور تحریر لکھنے میں بھی مشاق تھا۔ کہتے ہیں کہ ہندی کے علاوہ فارسی بھی اچھی طرح لکھ لیتا تھا۔ امیر مسعود نے اسے ہندی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ اس کے دروازے پر نوبت بجتی تھی اور اسے اعزاز کے طور پر 'شاہی خرگاہ' حاصل تھی۔ بیہقی[4] لکھتا ہے کہ تلک

۱۔ بیہقی صفحہ ۵۰۳۔ فرشتہ صفحہ ۴۰۔ بدایونی نے (جلد ۱، صفحہ ۲۰) سندر نامی ایک جرنیل کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ ایلیٹ جلد ۲، صفحہ ۶۰۔

۳ طبقات اکبری میں اس کا نام ملک بن جے سین لکھا گیا ہے۔ نیز ایلیٹ جلد ۲، صفحہ ۶۰۔ بعض کتابوں میں تولک بن حسین لکھا ہے۔ نیز دیکھو لین پول، میڈیول انڈیا۔

۴۔ بیہقی صفحہ ۵۰۳۔

نے کشمیر میں سحر کی تعلیم حاصل کی تھی - وہ بہت ذکی اور ہوشیار آدمی تھا اور اپنے فرائض دبیری و ترجمانی کو نہایت عمدگی سے انجام دیتا تھا -

قیاس کہتا ہے کہ تلک فارسی سے بہ خوبی واقف ہوگا کیوں کہ اسے 'دبیری' اور 'ترجمانی' کے فرائض بجا لانے پڑتے تھے جس کے لیے زبان پر قدرت اور تحریر میں مہارت کی بے حد ضرورت تھی -

اسی طرح غزنوی دربار کے اور ہندو منصب دار مثلاً سندر، بیجے رائے، ناتھ اور دیگر ہزارہا سپاہی اور ملازم فارسی میں بول چال کی قدرت ضرور رکھتے ہوں گے -

شمالی ہند پر فارسی کے اثرات

اس عام اختلاط کا نتیجہ یہ ہؤا کہ غزنوی عہد میں ہی شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کا اچھا خاصا چرچا ہو گیا اور اسی زمانے میں فارسی کے اچھےاچھے شاعر پیدا ہونے لگے - عوفی اپنے تذکرۂ لباب الالباب[۱] میں غزنی اور لاہور کے شعرا کے ذکر کے لیے ایک مستقل فصل مخصوص کرتا ہے - بلا شبہ شعرا کی اس فہرست میں ہمیں کسی ہندو شاعر کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکمران قوم کی اس علمی زبان کا عوام پر ضرور اثر پڑا ہوگا - اسی زمانے میں ایک ایسی 'زبان' پیدا ہوتی ہے جو آگے چل کر مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ زبان بنتی ہے - اس نئی زبان کی سرپرستی اور ترقی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نام دوش بدوش نظر آتے ہیں - مسلمانوں میں ہندی کا پہلا شاعر مسعود سعد سلمان[۲] بھی غزنوی دور میں گزرا ہے، جس

---

۱ - لباب الالباب جلد ۲، باب ۱۰ -

۲ - لباب الالباب، صفحہ ۲۴۷ - خزانۂ عامرہ، صفحہ ۱۴، ۱۵ - پنجاب میں اردو، صفحہ ۳۷ -

نے ھندی ، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں ایک ایک دیوان چھوڑا ہے ۔

آج مسعود سعد سلمان کا ھندی دیوان موجود نہیں اس لیے ھم اس 'ھندی' کی صحیح کیفیت اور اس میں فارسی کی آمیزش کے متعلق بالیقین کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ البتہ غوریوں کے عہد کی ایک تصنیف بہت بگڑی ہوئی صورت میں اب تک محفوظ ہے ۔ اس کا نام پرتھوی راج راسا[1] ہے ۔ بہ قول ٹاڈ (Todd) یہ پرتھوی راج کی تاریخ ہے جس کا مصنف 'چاند کوی' تھا ۔

محققین میں اس کتاب کی صحت کے متعلق زبردست اختلاف موجود ہے ۔ اُستاد محترم پروفیسر شیرانی نے اس کے جعلی ہونے کے بارے میں قوی دلائل پیش کیے ھیں ۔ جو کتاب ھمارے پاس موجود ہے اس کی زبان بے حد مشکل اور ناقابل فہم ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کا کوئی صحیح اور مکمل ترجمہ نہیں ھوسکا ۔ سر چارلس لائل[2] کے نزدیک (جو راسا کو جعلی نہیں مانتے) اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کے آبا و اجداد لاھور کے رہنے والے تھے جو ایک سو ستر سال سے اسلامی حکومت کا مرکز چلا آتا تھا ۔ چوں کہ یہاں فارسی زبان کا عام رواج تھا ، بنا بریں چاند کی ھندی میں فارسی کی اچھی خاصی آمیزش ہے۔ چنانچہ فارسی سے ناواقف مترجمین کو اس کے سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ھیں ۔

---

۱ - گریرسن 'لٹریچر آف ھندوستان ' لیکن پروفیسر شیرانی اس کتاب کے اصلی ہونے سے انکار کرتے ھیں ۔ دیکھیے 'پنجاب میں اردو' صفحہ ۱۲ ، نیز پروفیسر صاحب کے مضامین اورئینٹل کالج میگزین میں ۔ اب یہ مضامین کتابی صورت میں چھپ گئے ھیں ۔

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ ، صفحہ ۴۸۳ ۔

سکندر لودھی کی کوششیں

غزنوی عہد کے بعد ہم براہ راست سکندر لودھی کے زمانے میں آ جاتے ہیں ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں ہندوؤں میں فارسی تعلیم کی ترویج کی پہلی مؤثر کوشش ہوئی ۔ افسوس ہے کہ ہمیں اس اہم اور نتیجہ خیز واقعے کے مفصل حالات معلوم نہیں جو ہمارے موجودہ نقطۂ نگاہ سے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔

مؤرخ فرشتہ[۱] کا بیان ہے کہ ''ہندوؤں نے اس عہد میں فارسی کی جانب توجہ منعطف کی ۔ آس سے قبل انھوں نے اس کی طرف اقدام نہیں کیا تھا ۔''

کاش فرشتہ یا کوئی اور مؤرخ اس انقلاب انگیز سانحے یا واقعے کے اسباب و اثرات پر کچھ بحث کرتا ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہندوؤں میں ایک فارسی داں طبقہ پیدا ہوگیا تھا جن میں سے بعض صحیح معنوں میں علم و فضل کے مالک تھے ۔ مثلاً بدایونی[۲] نے برہمن نام ایک ہندو شاعر کا ذکر کیا ہے جو اس عہد میں فارسی ، عربی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا اور فارسی زبان میں شعر کہا کرتا تھا ۔ اس کا ذیل کا شعر اس کی سخنوری کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے :

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گم نشدے ، زلف تو ابتر نشدے گر

۱- فرشتہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۸۷ -

۲- جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۳ - کہتے ہیں کہ اس ہندو شاعر کا کا نام پنڈت ڈونگر مل تھا ۔

بعض اُردو[۱] کتابوں میں سکندر لودھی کی اس اسکیم کے متعلق ایک کہانی بھی درج ہے - لکھا ہے کہ ایک دفعہ سکندر لودھی کو کچھ ہندو ملازمین کے تقرر کا خیال آیا - اُس نے ہندوؤں کو اپنے حضور میں بلایا اور پوچھا تم میں سے کوئی فارسی جانتا ہے ؟ سب نے نفی میں جواب دیا - اُس نے برھمنوں کو حکم دیا کہ وہ فارسی زبان سیکھیں لیکن اُنھوں نے انکار کیا - پھر اُس نے راجپوتوں کو یہی حکم دیا - اُنھوں نے بھی اس سے پہلوتہی کی - علیٰ ھذالقیاس ویش بھی آمادہ نہ ہوئے - ہندوؤں میں صرف کایستھ نکلے جنھوں نے سلطان کے ارشاد کی تعمیل کی اور فارسی میں مہارت حاصل کرتے ہوئے سرکاری مناصب پر فائز ہوگئے - معلوم نہیں یہ قصہ کس حد تک درست ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ مغلوں کے زمانے میں شاہی ملازمتوں میں کایستھوں کا غلبہ تھا اور ہندو مصنفین میں بھی اس قوم کے لوگوں کی اکثریت تھی مگر یہ بات صحیح نہیں کہ سکندر لودھی سے پہلے ہندو سرکاری ملازمتوں میں موجود نہ تھے -

سلطان زین العابدین اور برھمنانِ کشمیر

کشمیر کی ہندو سلطنت رتنجو شاہ کے عہد میں جس نے بلبل شاہ کی تلقین سے اسلام قبول کر لیا تھا ، ختم ہوگئی - سلطان سکندر کے زمانے میں ہندوؤں کو کچھ مصائب کا سامنا کرنا پڑا - 'سیاہ بٹ' نامی ایک ہندو وزیر کے ایما پر سکندر نے برھمنوں کو بہت ایذائیں دیں جس کی وجہ سے اس کا نام 'بت شکن' پڑ گیا - جب سکندر کے بجائے شاہی خان نے عنان حکومت ہاتھ

۱- 'امرائے ہنود' ، صفحہ ۱۳۵ - 'تاریخ ذکاء اللہ'، جلد ۲ - صفحہ ۳۷۸ - 'معارف' ۱۹۱۸ء -

میں لی تو ہندوؤں کے حق میں ایک خوش گوار تبدیلی واقع ہوئی ۔ یہی وہ عظیم الشان اور نامور بادشاہ تھا جو تاریخ میں سلطان زین العابدین[1] کے نام سے مشہور ہے (تخت نشینی ۸۲۰ھ= ۱۴۲۷ع) وہ نیک دل ، فیاض ، صاحب علم اور اہل کمال کا قدر دان تھا ۔ اس کے دربار میں ہندو اور مسلمان علما کا ہجوم رہتا تھا جن سے وہ اکثر علمی مضامین پر مبادلۂ خیال کیا کرتا تھا ۔ اسے موسیقی کے ساتھ خاص دلبستگی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دربار میں ہندوستان کے اطراف و اکناف سے اچھے اچھے موسیقی دان جمع ہوگئے تھے ۔ اس نے بہت سے تعمیری کام کیے اور علم و ادب کی بہت سی خدمات انجام دیں ۔ اس کے حکم سے بہت سی سنسکرت کتابوں کے ترجمے کیے گئے ۔ اس کی رواداری اور بے تعصبی کا یہ عالم تھا کہ اس نے 'سیاہ بٹ' کے ظلم و ستم سے تکلیف اٹھائے ہوئے تمام ہندوؤں کی استمالت اور دل جوئی کی اور خارج از وطن ہندوؤں کو واپس بلایا ۔ اس نے حکم دیا کہ کسی شخص کو بر بنائے مذہب تکلیف نہ دی جائے ۔ چناں چہ اس حکم کی عام تعمیل ہوئی ۔

کشمیری برہمن اور فارسی

سلطان زین العابدین کے احکام اور واقعات سلطنت میں یہ امر خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے کشمیر کے ہندوؤں میں فارسی زبان کو رائج کیا ۔ پنڈت کاچر کی کتاب مجمع التواریخ[2] میں ایک عجیب قصہ درج ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین نے ایک ہندو فقیر کی کرامت سے متاثر ہو کر

۱- طبقات اکبری ، صفحہ ۶۰۳ - فرشتہ ، جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۴ - آئین اکبری صفحہ ۵۸۳ -

۲- مجمع التواریخ (قلمی،پنجاب یونیورسٹی لائبریری) ق ۸۱ -

ہندوؤں کے ساتھ معاشرتی رشتہ مضبوط کرنا چاہا ، جس کے لیے سلطان نے یہ تدبیر نکالی کہ ہندوؤں کو فارسی زبان سے روشناس کیا جائے تاکہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک مضبوط تعلق قائم ہو جائے۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں ہندو فارسی زبان سے واقف ہوگئے ۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ اس عہد سے وہ ہندو جو اپنی درویشی اور مذہبی دیانت کے لیے مشہور تھے ، علوم فارسی میں طاق ہونے لگے ۔ اس کے علاوہ فارسی کی ایک اور کتاب مہاتمئی[۱] کشمیرہ منڈل میں بھی اس قسم کا واقعہ درج ہے ، لیکن یہ سب قصے تاریخ کے نقطۂ نگاہ سے لائق استناد نہیں ۔

سپرو

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کشمیری ہندوؤں کی کس جماعت نے فارسی کی جانب توجہ کی ۔ مہاتمئی کشمیرہ منڈل کے بیان کے بہ موجب 'سپرو' پنڈتوں نے پہلے پہل اس میدان میں قدم رکھا ۔ سپرو دو الفاظ سے مرکب ہے ۔ 'سب پرو' جس کے معنی 'سبق پڑھا' ۔ یعنی 'فارسی کا سبق پڑھا' ۔ لارنس (مصنف اقوام کشمیر) کے بیان کے مطابق سلطان پنڈتوں نے پہلے پہل 'سلاطین' اسلام کے ساتھ تعلقات قائم کیے جس کی وجہ سے ان کا نام 'سلطان' پڑگیا ۔ یہ دلیل وزنی نہیں کیوں کہ بعض اور ذاتیں بھی ایسی ہیں جن کے نام اسلامی اثرات کی حامل ہیں ۔ مثلاً کارکن ، رازدان ، منشی ، فوطہ دار وغیرہ ۔ بہر حال یہ مسلّم ہے کہ سلطان زین العابدین (بڈ شاہ) کے زمانے میں کشمیر کے ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا آغاز ہؤا ۔

---

۱ ۔ مملوکہ پروفیسر شیرانی ، اب کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی؛ نیز گلزار کشمیر از کرپا رام ، صفحہ ۱۶۷ ۔

کشمیر کے بعض اہل علم

قرین قیاس یہ ہے کہ کشمیر میں پنڈتوں نے سب سے پہلے اقدام کیا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں کوئی قابل ذکر مصنف نہیں پیدا ہؤا - البتہ 'بٹ' قوم میں ہمیں ایک شخص ملتا ہے جو صاحب تصنیف مانا جاتا ہے - یہ شخص 'بودی بٹ' تھا جو 'فرشتہ' کے بیان کے مطابق 'شاہ نامہ' کا حافظ تھا اور اسے نہایت خوش الحانی سے پڑھ سکتا تھا - 'بودی بٹ' نے 'زین' نام ایک کتاب علم موسیقی میں لکھی جو سلطان زین العابدین کی طرف منسوب ہے - یہ یقین نہیں کہا جاسکتا کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا کسی اور زبان میں ؟ لیکن لفظ زین سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید فارسی ہی میں ہوگا کیوں کہ بودی بٹ فارسی میں کافی مہارت رکھتا تھا - کہتے ہیں کہ اس نے شاہ نامے کا ہندی میں ترجمہ کیا ، اگرچہ اس بیان کی تصدیق کسی مستند تاریخ سے نہیں ہوتی -

اسی زمانے میں 'سوم' نامی ایک اور مصنف تھا جو 'ہندوی' اور کشمیری میں اشعار کہتا تھا - اس نے سلطان کے زمانے کی ایک تاریخ لکھی جس کا نام 'زین چرتر' تھا - غالباً اس کتاب کی زبان فارسی نہ تھی[1] -

بہر حال کشمیری ہندوؤں نے سلطان زین العابدین کے زمانے سے فارسی کی طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ ان کا درجہ کایستھوں کے برابر ہوگیا - چناں چہ مغلوں کے زمانے میں کشمیری بھی اپنے اعلیٰ کلچر ، فارسی دانی اور تہذیب کے لیے بہت مشہور ہوئے -

---

۱- مولانا محمد دین فوق سے معلوم ہؤا کہ 'زین چرتر' فارسی میں نہیں -

سکندر لودھی کے بعد

اب ہم پھر ہندوستان کی ادبی سرگرمیوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ سلطان سکندر لودھی نے اپنے عہد سلطنت میں جس ذہنی انقلاب کی داغ بیل ڈالی اس کا نقش ہندوؤں کے ذہن و فکر پر بہت گہرا پڑا۔ بلوخمن[1] اس واقعے پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''فارسی زبان ۱۶ صدی عیسوی تک ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات میں بھی پھیل گئی تھی'' ۔ لیکن فارسی میں ان کی دست رس بول چال اور معمولی تحریر و تقریر تک ہی محدود معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اکبر کے زمانے سے پہلے ہمیں ہندوؤں کی کوئی فارسی تصنیف نہیں ملتی۔

گورو نانک

گورو نانک[2] لودھیوں کے آخری زمانے کے بزرگ ہیں۔ 'آدی گرنتھ' (محلۂ اول) میں جو گورو نانک کی تصنیف ہے ، فارسی کی آمیزش ہے۔ یہ مسئلہ کہ گورو نانک فارسی جانتے تھے یا نہیں ، متنازعہ فیہ ہے لیکن 'آدی گرنتھ' کی فارسی سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فارسی کے عالم تو نہ تھے لیکن مسلمان علما و فضلا کے ساتھ عام میل جول کی وجہ سے اور اس عہد میں عوام کی بولی میں فارسی کی بہ کثرت آمیزش کی بنا پر ان کی ہندی (یا پنجابی میں) فارسی الفاظ بہ افراط موجود ہیں۔ گرنتھ صاحب میں ہمیں کچھ اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جو فارسی آمیز ہیں۔ آن سے اتنا ہی پتا چلتا ہے کہ گورو نانک فارسی سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتے تھے۔ لیکن عالمانہ واقفیت

۱- کلکتہ ریویو (۱۸۷۱ع) صفحہ ۳۲۱ -

۲- اس موضوع پر اورئینٹل میگزین ۱۹۲۸ع میں میں نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے (دیکھیے اس کتاب کا ضمیمہ الف)۔

کا ان اشعار سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایک دو اشعار یہاں اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ گرنتھ صاحب کے اس قدیم حصے کی زبان کی حالت پر کچھ روشنی پڑ سکے :

صدق کـر سجدہ مـن کـر مقصود
جیدھـر دیکھـا تیدھـر مـوجـود

قـدرت ہے قیمت نـہ پـائے
جـا قیمت پـائے کہی نـہ جـائے

پیر پیکمبر سالک صادق شہدے اور شہید
شیخ مشائخ قاضی ملا اور درویش شہید

گرنتھ صاحب (محلۂ اول) کے یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ گورو نانک کے زمانے میں عوام کی زبان میں عربی فارسی الفاظ کی خاصی آمیزش ہو چکی تھی ۔ کبیر اور دوسرے ہندی شعرا کا کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے[۱] ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر لودھی کے بعد ہندوؤں کے ایک گروہ میں فارسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ اکبر کے زمانے تک مسلسل جاری رہا ۔ چناں چہ جب اکبر کے عہد میں راجا ٹوڈرمل نے ہندی کی بجائے فارسی کو دفتری زبان بنا دیا تو اس تبدیلی پر ہندوؤں میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہؤا ۔ حالاں کہ اس اقدام عمل سے ہندوؤں کے مفاد کو نقصان پہنچا تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ایک جماعت ضرور موجود ہوگی جس نے فی الفور اس

۱ ۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر تارا چند کی انگریزی کتاب : Influence of Islam on Indian Culture نیز ملاحظہ ہو ایشوری پرشاد کی انگریزی تاریخ : Short History of Muslim Rule in India.

تبدیلی سے فائدہ آٹھایا اور ہندی کی بجائے فارسی میں کام کرنا شروع کر دیا - ٹوڈرمل خود بھی فارسی میں مناسب استعداد رکھتا تھا - وہ اکبر کا درباری بننے سے پہلے شیر شاہ کا ملازم تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوریوں کے زمانے میں بھی ہندوؤں کے ایک طبقے میں فارسی کی تعلیم موجود تھی -

اسلامی معاشرت کا اثر ہندوؤں کی زبان اور معاشرت پر

شمالی ہندوستان میں مغلوں سے پہلے کی تاریخ میں ہمیں صرف اتنی ہی شہادتیں دست یاب ہو سکی ہیں جن سے ہم ہندوؤں میں فارسی تعلیم کی حالت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں ، لیکن یہ مستثنیات ہیں اور یہ کہنا غلط نہیں کہ ہندوؤں نے بہ حیثیت مجموعی مغلوں سے پہلے فارسی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی - اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندو مسلمانوں میں معاشرتی اور مذہبی میدانوں میں بہت بڑی حد تک اختلاط پیدا ہو گیا تھا - ہندو مسلمان مذہبی رنگ میں مذہبی پیشواؤں کا باہمی اثر قبول کر رہے تھے اور ہندو باقاعدہ مسلمان بادشاہوں کی فوجوں اور درباروں میں ملازم ہوتے تھے - مورخ فرشتہ[1] کا بیان ہے کہ محمد تغلق کے زمانے سے پہلے ہندو مسلمانوں کی ملازمت قبول نہ کیا کرتے تھے ، لیکن یہ قول صرف برہمنوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر صادق آتا ہے - باقی ہندوؤں کو اس سے مستثنیٰ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اوائل عہد اسلام سے مال گزاری کا محکمہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا - چوں کہ اس معاملۂ خاص میں مسلمانوں نے ہندو طرز انتظام کی پیروی کی تھی ، اس لیے تمام مالیاتی کام ہندی میں انجام پاتا تھا اور اس محکمے کے بعض عہدہ داروں کے پرانے نام اب تک قایم ہیں ، مثلاً پٹواری وغیرہ (مور لینڈ ، اگریرین سسٹم آف

---

۱ - جلد ۱ ، صفحہ ۲۸۷ -

دی مغلز ، به حوالۂ الڈکس) - عہد غزنویہ کے ہندو سپہ سالاروں اور جرنیلوں کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے - امیر خسرو نے 'قران السعدین' میں راوت ، پایک اور دھانک کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے جو ہندو ملازموں کے ہندوانہ القاب ہیں - جنگ رنتھنبور میں سلطان علاؤ الدین خلجی[1] کی جان ایک جاں نثار ہندو ہی نے بچائی تھی - ابن بطوطہ نے رتن نامی ایک حساب دان ہندو کا ذکر کیا ہے جس کی فہم و فراست کی وہ بہت تعریف کرتا ہے - خان جہان (باپ اور بیٹا دونوں اس لقب سے ملقب تھے) فیروز تغلق کے معتمدین خاص میں سے تھے اور یہ بھی اصلاً ہندو تھے - بابر[2] جب ہندوستان میں وارد ہوتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ ہندوستان میں تمام عامل ، مستاجر ، تاجر اور کارگزار ہندو ہیں - شیخ عبد القدوس گنگوہی[3] اپنے ایک خط میں بابر سے درخواست کرتے ہیں کہ اس صورت حالات کا خاتمہ کیا جائے ، یعنی ان ملازمتوں میں کچھ حصہ مسلمانوں کو بھی دیا جائے - سلطان اسلام شاہ سور[4] کے زمانے میں گکھڑوں نے فوج کو بہت تکلیفیں دیں ، سپاہی ان مصائب کو برداشت کرتے جاتے تھے اور از راہ خوف اسلام شاہ کے سامنے اپنا حال نہ بیان کرتے تھے - شاہ محمد فرملی جو اپنے زمانے کے خوش طبع اور ظریف تھے ، بادشاہ کے پاس گئے اور سارا قصہ ان الفاظ میں کہہ سنایا ''اے بادشاہ ! میں نے تین تھیلیاں آسمان سے اترتی دیکھی ہیں ، ایک میں سونا تھا ، دوسری میں کاغذ اور تیسری میں خاک تھی - سونا ہندو کاغذ دفتریوں کے قبضے میں چلا گیا ، خاک سپاہ کے حصے میں آئی اور

---

۱ - برنی ، صفحہ ۲۸۲ ، ۲۸۳ -
۲ - بابر نامہ ، صفحہ ۲۰۴ - (ارسکن ، صفحہ ۲۳۲)
۳ مکتوبات -
۴ - بدایونی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸ -

حکومت کے خزانے میں محفوظ ہو گئے۔'' اس گفتگو سے بادشاہ بہت متاثر ہؤا اور اس نے صورت حالات کو بہتر بنانے کا وعدہ کیا ۔ اس حکایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد میں دفاتر میں ہندو بہت بڑی تعداد میں موجود تھے ، لہٰذا مسلمانوں کی ملازمتوں میں ان کی موجودگی سے انکار کرنا تاریخی حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے ۔

سلاطین دکن اور ہندو

اب دکن کی طرف آئیے ؛ وہاں بھی شاہی ملازمتوں میں ہندو بہ کثرت موجود تھے۔ گربل 'تاریخ دکن' (جلد ۱، صفحہ۲۲) میں لکھتا ہے :

''کہتے ہیں گانگو پہلا برھمن تھا جو مسلمانوں کے حلقۂ خدمت میں شامل ہؤا ۔ یہ بیان صحیح ہو یا غلط ، یہ بات یقینی ہے کہ یہ آخری ہندو نہ تھا جو مسلمان درباروں میں شامل ہؤا ، کیوں کہ آنے والی دو صدیوں کےاندر دکن‌میں یہ ایک دستور زسا بن‌گیا تھاکہ بادشاہ اور آمرا برھمنوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا کرتے تھے ۔ سیاسی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ دانش مندانہ تجویز تھی کیوں کہ اس کے ذریعے حکومت اور رعایا کے باھمی روابط مستحکم ہوتے تھے اور راعی اور رعیت ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے جاتے تھے ۔'' عادل شاھیوں کے زمانے میں ہندی اور ہندوستانیت کی طرف میلان اسی قسم کے روابط کا پتا دیتا ہے اور دکن ہی وہ ملک ہے جہاں اردو (ریختہ یا دکنی) کی شاعری سب سے پہلے قبول عام پاتی ہے ۔

معاشرتی تعلقات کی اس طویل داستان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا یہ اختلاط خاصا عام تھا ۔ اس کا اثر زبان اور عادات پر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا ۔ فارسی اگرچہ

کاروباری زبان نہ تھی تاہم مسلمانوں کی زبان تھی ۔ بس ضرور ہے کہ ہندوؤں نے اس کی طرف توجہ کی ہوگی ۔

ابن بطوطہ کی ایک روایت

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں ایک عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے جسے حرفاً و لفظاً صحیح سمجھا جائے تو اس زمانے کے متعلق ہمارے خیالات میں ایک زبردست انقلاب کا پیدا ہو جانا یقینی ہے : ''ایک ہندو بیوہ ستی ہونے کے لیے آگ کے شعلوں کے پاس کھڑی ہے ۔ وہ لوگوں سے بگڑ کر کہتی ہے 'ما را می ترسانی از آتش ۔ ما می دانیم او آتش است ۔ رہاکنی ما را ۔'' یہ فارسی جملے کچھ اس طریق سے عربی عبارت میں واقع ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی عورت کی زبان سے نکلے ہیں ۔ اگر اس روایت کو بالکل درست سمجھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ فارسی زبان کو اس عہد میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی سمجھ اور بول سکتی تھیں ۔

خلاصۂ مباحث

گزشتہ سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں سے پہلے ہندوؤں میں فارسی دان کچھ زیادہ نہ تھے مگر یہ امر سخت موجب حیرت ہے کہ اتنے طویل عرصے کے لیے ہندوؤں نے کیوں اس زبان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی ۔ گویا فارسی کی شیرینی اور اسلامی تمدن کی گیرائی ہندوؤں کے قلوب کو اپنی طرف مایل کرنے میں کچھ ناکام رہی ۔ یہ معما اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرتی اتحاد اور میل جول کے وسائل بھی وسیع پیمانے پر موجود تھے ، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ قانون قدرت کے عمل اور ردعمل نے اس معاملے میں اپنا کام کیوں نہیں کیا ۔ ذیل کی سطور میں ان اسباب پر روشنی ڈالی

جاتی ہے جو ان نتائج کے ذمہ دار ہیں ۔

فارسی کا دنیاوی مفاد سے خالی ہونا

ایک زبردست اور مؤثر سبب یہ تھا کہ اسلامی حکومت کی ابتدا سے مال گزاری کا محکمہ ہندوؤں کے قبضے میں تھا جس کی زبان ہندی تھی ۔ پس ظاہر ہے کہ فارسی تعلیم حاصل کیے بغیر ہندوؤں کو ملازمتیں مل سکتی تھیں ۔ بلوخمن نے لکھا ہے[1] کہ ''ریونیو کے محکمے میں ملازمت مل جانے کی آسانی نے ہندوؤں کو فارسی تعلیم سے روکے رکھا ۔'' سچ یہ ہے کہ بلوخمن کے اس خیال کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب راجا ٹوڈرمل نے ہندی کی جگہ فارسی کو دفتری زبان بنا کر اس کو حصول ملازمت کے لیے ضروری ذریعہ قرار دیا تو ہندوؤں نے فی الفور فارسی پڑھنی شروع کر دی اور تھوڑی ہی مدت میں وہ اس زبان کے اچھے خاصے ماہر ہو گئے ۔

جبری تعلیم کا نہ ہونا

اس سلسلے میں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ہندوستان کی بیشتر آبادی شہروں کی بجائے دیہات میں بستی ہے اور بستی تھی ۔ دیہاتی پنچائتیں[2] ہندوستان قدیم سے چلی آتی ہیں ۔ یہ پنچائتیں 'دیسی حکومت' (لوکل سلف گورنمنٹ) کا درجہ رکھتی تھیں ۔ اس دیہی نظام میں معلم یا آستاد کو معزز حیثیت حاصل تھی ۔ مرکزی حکومت بجز اطاعت و وفاداری یا بغاوت یا سرکشی کے ، اس نظام کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیتی تھیں ۔ جب مسلمانوں کی حکومت آئی تو انھوں نے بھی اس پرانے نظام کو برقرار رکھا ۔ دہلی کی مرکزی حکومت سوائے مالیہ وغیرہ کے ان لوگوں کے اندرونی معاملات میں بہت کم مداخلت کرتی تھی ۔

۱ ۔ کلکتہ ریویو (۱۸۷۱ع) صفحہ ۳۲۱ ۔

۲ ۔ متھائی ، ویلیج گورنمنٹ ان برٹش انڈیا ، صفحہ ۵ ۔

جب تک ٹیکس باقاعدہ ادا ہوتے رہتے تھےاُس وقت تک ان لوگوں کی داخلی آزادی اور خودمختاری قایم رہتی تھی - تعلیمی معاملات میں بھی ان کی حکمت عملی یہی تھی - جبری تعلیم کا مسئلہ مذہبی آزادی کے مسلک کے منافی تھا - مسلمانوں نے ان لوگوں پر اپنے علوم کو بہ جبر ٹھونسنے کی کبھی کوشش نہیں کی - سیاسی نقطۂ نظر سے یہ پالیسی صحیح ہو یا غلط ، اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت کی جانب سے بھی ہندوؤں میں فارسی تعلم عام کرنے کی کوئی جد و جہد عمل میں نہ آئی -

ہندوؤں کی تفرد پسندی

ان اسباب کے علاوہ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات بھی علیحدگی پسند اور قدامت پرست تھے - علامہ البیرونی[1] نے ، جنھوں نے ہندوستان میں رہ کر ہندوؤں کی عادات و طبیعت سے پوری واقفیت حاصل کی تھی ، یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندو بیرونی دنیا سے اس لیے میل ملاپ نہیں رکھتے کہ ان کے دلوں میں تمام اجنبیوں کے خلاف نفرت ہے - وہ انھیں ملیچھ (ناپاک) کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کے ساتھ روابط و تعلقات قایم کرنے کو ناپسند کرتے ہیں - جب مسلمان اس ملک میں آئے تو وہ اجنبی ہونے کے علاوہ حکمران بھی تھے ، اس لیے ہندوؤں کے دل میں اُن کے متعلق بہت بیگانگی تھی - اس کے علاوہ البیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوؤں کو اپنے علوم اور اپنی گزشتہ شان و شوکت کے متعلق بھی مبالغہ آمیز 'حسن ظن' ہے - وہ اپنے ملک کو بہترین ملک ، اپنی قوم کو بلند ترین قوم اور اپنی شایستگی کو بہترین شایستگی سمجھتے ہیں -

---

۱ - الہند البیرونی (ترجمہ زخاؤ) جلد ۱ ، صفحہ ۱۷ -

ہندی کا رواج عام

، بارھویں صدی عیسوی تک کا زمانہ مذہبی دعوت و اصلاح اور تصوف کی تحریکوں کے عروج کا زمانہ تھا ۔ اس زمانے میں نئے نئے فرقے اور نئی نئی جاعتیں ظہور میں آئیں ۔ ان سب مصلحین کا روئے سخن عموماً عوام کی جانب تھا ۔ انھوں نے اس غرض کے لیے عوام کی بولیوں کو اختیار کیا ، کیوں کہ انھی میں آسانی کے ساتھ تبلیغ کی جا سکتی تھی ۔ مسلمان صوفیوں نے بھی فارسی کی بجائے ہندی کو زیادہ مؤثر ذریعۂ تبلیغ خیال کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں ہندی کے بڑے بڑے مصنف مسلمان ہی تھے[۱] ۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی جیسے بزرگ ہندی میں شعر کہا کرتے تھے ۔ ان کا تخلص 'الک داس' تھا ۔ اسی طرح محمد جائسی ، قطبن ، کبیر اور دوسرے متصوفین و مصلحین نے ہندی ہی کو ذریعۂ اظہار خیالات قرار دیا ۔ قدرتی طور پر ہندی کے اس رواج عام نے اس عہد میں فارسی کے قبول عام کو نقصان پہنچایا ۔

پٹھانوں کی فارسی سے نفرت

افغانوں اور بیجا پور کے سنی حکم رانوں کے عہد میں فارسی زبان کو اور بھی نقصان پہنچا ۔ بیجاپور کے عادل شاہیوں میں سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے حکم ران ہو گزرے ہیں ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض حکم ران ہندی کی سرپرستی کرتے رہے اور بعض فارسی کے حامی تھے ۔ یوسف عادل شاہ (۸۹۵ - ۹۱۰ھ) فارسی کا بڑا حامی تھا ، لیکن اس کے ہوتے

---

۱ ۔ ڈاکٹر تارا چند کی انگریزی کتاب 'اسلام کا اثر ہندوستانی تمدن پر' ۔ نیز ' اردو کی تعمیر میں صوفیائے کرام کا حصہ ' از مولانا عبدالحق ۔

ابراہیم عادل (۹۴۱ھ - ۹۶۵ھ) نے فارسی کو ہٹا کر ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا ۔ چناں چہ خافی خاں لکھتا ہے :

''ابراہیم عادل شاہ نے اپنے باپ اور دادا کے طریقے کے خلاف فارسی کی جگہ ہندی کو جاری کیا اور بڑے ذمہ داری کے عہدوں اور انتظامی اسامیوں پر برھمنوں کو فائز کیا'' (جلد ۳ ، صفحہ ۳۰۷) ۔

اس کے بعد عادل شاہ (۹۶۵ھ - ۹۹۸ھ) نے سریر آرائے سلطنت ہو کر پھر ہندی کو منسوخ کر دیا ، لیکن جب علی عادل کا زمانہ آیا تو ہندی کو پھر اقبال نصیب ہؤا ۔ 'بساتین السلاطین' کا مصنف ابراہیم زبیری لکھتا ہے :

''علی عادل شاہ کے عہد مبارک میں فارسی کے بعض اچھے شاعر پیدا ہوئے لیکن خود بادشاہ ہندی کو پسند کرتا ہے ، اس لیے اس کے دربار میں ہندی شعرا کی کثرت ہے ۔'' (صفحہ ۱۴۰)

خافی خاں 'منتخب اللباب' میں اس بیان کی تائید کرتا ہے ۔

استاد بزرگ پروفیسر محمود خاں شیرانی[1] شمالی ہندوستان میں پٹھانوں کے عہد میں فارسی کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے تقریباً اسی نتیجے پر پہنچے ہیں ۔

میں نے ہندوؤں میں فارسی تعلیم کے نہ پھیل سکنے کے جو اسباب پیش کیے ہیں ، وہ اگرچہ یقینی اور قطعی نہیں ، لیکن ان اسباب و عوامل کا اثر فارسی کی رفتار ترقی پر ضرور پڑا ہوگا ۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں سے پہلے ہمیں ہندوؤں میں تو درکنار ، خود مسلمانوں میں فارسی کے متعلق وہ ادبی کارنامے نہیں ملتے جو دور مغلیہ کا طرۂ امتیاز ہیں ۔

۱ - پنجاب میں اُردو ، صفحہ ۳۰۵ ۔

عہد اکبری
ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا آغاز

نئے دور کا آغاز

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اکبر نے اپنی حکومت کے آغاز ہی سے اس سیاسی ضرورت کو بھانپ لیا تھا کہ ہندوؤں کی تالیف قلوب ہونی چاہیے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہندوستان کے ایک بادشاہ کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ حکمران اقلیت کے علاوہ ملک کی ایک بہت بڑی اکثریت کے معاملات میں بیش از بیش دلچسپی لے۔ اس کے خیال میں تخت و تاج کا استحکام ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ وفاداری پر منحصر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مغلوں کے لیے اپنے موطن اصلی یعنی آبا و اجداد کے ملک کی طرف جانا کسی حد تک ناممکن ہے۔ ہمایوں کے ساتھ افغان رعایا نے جو بدسلوکی کی تھی اس سے وہ ناواقف نہ تھا، اس لیے اس نے اپنے دل میں اپنی حکومت کو محکم بنیادوں پر قایم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مآثرالامرا[1] کے مصنف کا بیان ہے کہ صفوی بادشاہ ایران نے ہمایوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان کی حکومت تب ٹھہر سکتی ہے کہ وہاں کا حاکم افغانوں کو تجارت اور دوسرے پُر امن مشاغل میں لگا دے اور راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات

---

۱ - دربار اکبری، صفحہ ۶۱ -

قایم کرے ۔ ھاپوں کو اتنی عمر نصیب نہ ہوئی کہ وہ اس اصول کو جامۂ عمل پہنا سکتا اور نہ کوئی تاریخی شہادت ایسی موجود ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ نصیحت اکبر کے کانوں تک پہنچی ۔ غالباً یہ لطیفۂ غیبی اور فیض ربانی ہی تھا یا اکبر کی فراست اور دانشمندی کہ اس نے بعینہٖ یہ حکمت عملی اختیار کی اور اس اصول کو آزمایا جس کو آزمانے کا موقع اس کے نامور باپ کو نہ حاصل ہو سکا تھا ۔

یہاں یہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ اکبر کی حکمت عملی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا اگرچہ ہمارے مبحث سے بالکل خارج ہے تاہم یہاں ان جزئیات کا ذکر کیا جائے گا جن کا تعلق خاص طور پر ہندوؤں کی تعلیم سے ہے ۔ ان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہی امور مجموعی حیثیت سے ہندوؤں میں فارسی کی ترویج و ترقی میں مد و معاون ہوئے ۔

اکبر کی حکمت عملی کے اصول ثلاثہ :

اکبر کے اصول سلطنت نے علم کو عموماً اور فارسی تعلیم کو خصوصاً زیادہ وسعت دی ۔ اُس کی یہ حکمت عملی تین اہم اصولوں پر مبنی تھی ، یعنی (۱) عام رواداری (۲) عام تعلیم (۳) علوم و فنون خصوصاً ہندو علوم و فنون کی قدر افزائی ۔

ہندوؤں کی طرف میلان : جہاں تک عام رواداری کا سوال ہے ، اکبر کے متعلق یہ مسلم ہے کہ وہ حکومت کے حاصل کرنے سے پہلے بھی زیادہ متقشف نہ تھا ۔ وہ تصوف کی طرف طبعی میلان رکھتا تھا ۔ مسلمان صوفیوں سے اسے خاص عقیدت تھی ۔ ان لوگوں کے طفیل اس کو ہندو جوگیوں سے بھی اُنس اور نیاز مندی پیدا ہوگئی تھی ۔ اس نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دور میں جزیہ منسوخ کردیا تھا اور ہندو زیارت گاہوں پر سے محصول اُٹھا دیا تھا ۔ اسی زمانے میں اس نے ہندوؤں سے شادی بیاہ کے تعلقات بھی قایم کرلیے اور اس طریق سے راجپوت ہندوؤں کو سلطنت کے زیادہ

قریب لے آیا ۔ ابتدائے حکومت ہی سے ہندوؤں کو بعض اعلیٰ مناصب عطا کیے اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی سلطنت میں دخیل بنایا ۔

مذہبی معاملات میں وہ بہت زیادہ آزاد تھا ۔ اس نے پادری اکوا کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے لڑکوں کو حسب مرضی مذہب قبول کرنے کی اجازت دے رکھی ہے ۔ اس نے عبادت خانے میں مختلف مذاہب کے علما کے درمیان ایک مباحثے کی مجلس قایم کی جس میں ہندو علما بھی برابر شریک ہوتے تھے ۔ ایک برہمن اکبر سے اس کے حرم میں ملاقات کرتا اور اس کے سامنے وید منتر پڑھا کرتا تھا ۔ آخری زمانے میں ہندوؤں کی رسوم و عبادات کی طرف اتنا میلان پیدا ہو گیا تھا کہ آن کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیاں بھی کر بیٹھتا تھا ۔ وہ مسلمان علما کی طرح ، بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ ، ہندو علما کی خاطر داری کیا کرتا تھا۔ ہندو علما اور ماہرین فن کو بھی میاں ، مرزا یا خان کا لقب دیتا تھا ۔

ہندو علوم کی قدر افزائی : ہندو علما و فضلا انعام و اکرام سے کبھی محروم نہیں کیے گئے ۔ اُمرائے دربار بھی اکبر کی دیکھا دیکھی ہندو ارباب فن پر نوازشیں کیا کرتے ۔ خان خاناں نے ایک موقع پر رام داس کلاونت کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا[1]۔ اس قسم کی فیاضیوں کا حال اگرچہ فیروز تغلق کے زمانے میں بھی ملتا ہے ، لیکن مسٹر نرندرا ناتھ نے درست لکھا ہے کہ اکبر کا زمانہ اس لحاظ سے بہترین زمانہ تھا[2] ۔

ایسی فیاض اور قدر دان حکومت کے ماتحت علوم و فنون بے حد ترقی پاتے ہیں ۔ چناں چہ اکبر کے زمانے میں ہر قسم کے

---

۱ ۔ بداؤنی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲ ۔

۲ ۔ نرندرا ناتھ لا ، پروموشن آف لرننگ ، صفحہ ۱۵۱ ۔

علم و فن نے ترقی پائی ۔ فارسی جو گزشتہ زمانے میں زوال پزیر ہو رہی تھی اب پھر بڑھنے لگی ۔ اکبر کا عہد فارسی ادب کے لیے نشو و ترقی کا زمانہ تھا[۱]۔ اس لیے کہ اسی زمانے میں فارسی میں بہترین تاریخیں مرتب ہوئیں اور اور زبانوں کی کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ ہوا۔ غرض ہر طرح کی تصنیفات کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا ۔ ہندی نے بھی اکبری دور میں وسعت حاصل کی[۲] ۔ اکبر خود بھی ہندی میں شعر کہا کرتا تھا اور 'اکبر رائے' تخلص کیا کرتا تھا ۔ خان خاناں کی زبان دانی سب کے نزدیک مسلم ہے ۔ 'رحیم ست سئی' نام ایک کتاب اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے ۔ ہندی کا مشہور شاعر تلسی داس اسی زمانے میں تھا ؛ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ اس نے کبھی اکبر سے ملاقات بھی کی یا نہیں ۔ اس کی تصنیف 'رام چرتر مانس' یا رامائن نہایت مقبول ہے ۔ حقیقت میں وہ ''ہندی کے باغ کا بہترین نہال ہے[۳]''۔

ہندی کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اکبر ہندوؤں کے قدیم ادب کا بھی نہایت مداح تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ قدیم سنسکرت کی کتابوں میں آج کل کی نسبت تصنع ، تکلف اور آورد کم تھی[۴]۔ اس نے ہندو علوم کے ہر شعبے میں دل چسپی لی ۔ چناں چہ مختلف علوم مثلاً شاعری ، فلسفہ ، ریاضی ، الجبرا وغیرہ کی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ۔ پہلی اسلامی حکومتوں میں بھی اگرچہ فارسی کتابوں کے تراجم کا حال ملتا ہے مگر اکبر نے اس کی طرف ان سے زیادہ توجہ کی ۔

---

۱ ۔ اس کے لیے پروفیسر عبدالغنی کی انگریزی کتاب 'فارسی ادب مغلوں کے زمانے میں' ملاحظہ ہو ۔

۲ ۔ گریرسن (دیباچہ)، ونسنٹ اسمتھ : اکبر، صفحہ ۴۲۱ ۔

۳ ۔ ونسنٹ اسمتھ : اکبر، صفحہ ۴۱۷ و مابعد ۔

۴ ۔ بداؤنی ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۰ ۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ۹۸۲ھ میں 'سنگھاسن بتیسی' کا ترجمہ کیا۔ اس کا نام 'خرد افزا' رکھا[1]۔ ۹۸۳ھ میں بھاون نام ایک پنڈت دکن سے آ کر مسلمان ہو گیا۔ ملا بدایونی نے اس کی معاونت سے 'اتھر وید' کا ترجمہ شروع کیا، لیکن اس کو پورا نہ کر سکا۔ پھر شیخ فیضی اور حاجی ابراہیم تھانیسری نے یہ خدمت اپنے ذمے لی، لیکن یہ بھی اس کام کو ختم نہ کر سکے[2]۔

ملا بدایونی نے ۹۹۷ھ میں رامائن[3] کا اور ۹۹۹ھ میں تاریخ کشمیر کا ترجمہ ختم کیا[4]۔ ۱۰۰۰ھ میں متعدد علما کی متفقہ کوششوں سے 'مہابھارت' کا ترجمہ کیا گیا۔ اس پر فیضی نے دیباچہ لکھا[5]۔ ان کے علاوہ لیلاوتی، نل دمن، تاجک اور هری بنس کے تراجم ہوئے[6]۔

عام تعلیم کا اصول: اکبر 'عام تعلیم' کو رائج کرنے والوں کا امام تھا۔ اس کی سلطنت کا اس سلسلے میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں عام مکولوں کا رواج ہوا۔ اسی کے زمانے میں مشترکہ سکولوں کا افتتاح ہوا اور مختلف طلبہ کے لیے نصاب تعلیم مقرر ہوا۔ چناں چہ ہندوؤں کے لیے بھی خاص نصاب مقرر کیا گیا۔ اس بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے[7]:

''اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی،

---

۱ - بدایونی، جلد ۲، صفحہ ۱۸۳ -
۲ - بدایونی، جلد ۲، صفحہ ۲۱۳ -
۳ - بدایونی، جلد ۲، صفحہ ۳۶۶ -
۴ - پروموشن، صفحہ ۱۴۷ -
۵ - بدایونی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۹ -
۶ - پروموشن، صفحہ ۱۴۷، و مابعد -
۷ - آئین اکبری، جلد ۱، صفحہ ۲۰۲ -

الہی ، تاریخ مرتبہ مرتبہ اندوزد و از ہندی علوم بیا کرن ، نیائے ، بیدانت ، پا تنجل برخواند و ہرکس را از بایست وقت در نگزارند ۔''

ابوالفضل لکھتا ہے کہ اس قسم کے قوانین نے مکاتب اور مدارس کو ایک خاص رنگ دے دیا اور ان سے مدارس کو بے حد رونق حاصل ہوئی ۔ ابوالفضل فخریہ لکھتا ہے[1] :

''ازیں طرز آگہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت ۔''

اس مقام پر ہم مسٹر نرندر ناتھ لا کی کتاب 'مسلمانوں کے عہد میں علمی[2] و تعلیمی ترقی' سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں :

''غرض یہ اکبر کی دانش مندانہ اور منظم حکمت عملی تھی کہ اس کے ذریعے ہندو علوم کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ۔ اس نے ہندو نوجوانوں کی تعلیم کا ان کی اپنی تہذیب کے مطابق بندوبست کیا اور پھر مدرسوں میں ہندو اور مسلمان طالب علموں کی مشترکہ تعلیم کو رائج کیا ۔ عبادت خانے میں ہندو علما کے ساتھ بحث و مناظرے کا سلسلہ جاری کیا ۔ اس نے ہندوؤں کی پرانی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا جس سے ہندو تہذیب کی قدر دانی ، نیز اس کی اشاعت کے لیے جوش و خروش کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے ، اور سب سے زیادہ یہ کہ اس نے ممتاز علما و فضلا کی جو فنون لطیفہ مثلاً موسیقی اور مصوری میں خاص شہرت رکھتے تھے ، شاہانہ سرپرستی کی ۔''

اس حکمت عملی کا اثر ہندو ذہنیت پر :

اکبر نے ان طریقوں سے ہندوؤں کو یقین دلایا تھا کہ آپ

---

۱ ۔ آئین اکبری ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۲ ۔

۲ ۔ پروموشن ، صفحہ ۱۷۱ ۔

ان کے مذہب ، ان کی روایات ، ان کی تہذیب ، ان کے تمدن کے ساتھ خاص لگاؤ اور دل چسپی ہے ۔ اپنی رعایا کے فوائد عامہ کے ساتھ اس گہری ہمدردی نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کیے ۔ اس طرز عمل نے پس ماندہ اقوام کی مدتوں کی خوابیدہ ذہنی قوتوں کو حرکت دی اور ہر شعبۂ عمل میں ایک خاص بیداری ، ایک خاص زندگی محسوس ہونے لگی ۔ اس کے زمانے میں ہر جگہ امن و امان کا دور دورہ تھا اور جیسا کہ ہر امن ایام میں ہوا کرتا ہے ، زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی تحریکیں پیدا ہو گئیں ۔

راجا ٹوڈر مل کا فرمان :

ان حالات میں راجا ٹوڈرمل نے اپنی شہرۂ آفاق اصلاحات کو ۱۵۹۰ء[1] میں رائج کیا ۔ ان اصلاحات میں سے ہمیں صرف ایک فرمان سے سروکار ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمام مملکت کے طول و عرض میں یہ حکم دیا کہ تمام دفتری کام فارسی زبان میں انجام دیا جائے ۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس سے قبل دفاتر کا کام ہندی زبان میں انجام پاتا تھا ۔ ٹوڈرمل کی اصلاحات کے نفاذ پر ہندوؤں کی طرف سے ناراضی کا اظہار موجب تعجب نہ ہوتا ، اس لیے کہ اس تجویز کے ذریعے ہندوؤں کے مفاد کو سخت نقصان پہنچا تھا لیکن تھوڑی بہت بے اطمینانی کے علاوہ کسی گوشے سے شدید برہمی کا مظاہرہ نہیں ہوا[2] ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اس تغیر حالات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ تھے ۔ ہم نے اکبر کی جس معتدل حکمت عملی کا ذکر کیا ہے وہ ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیے کافی تھی ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کی ہر تحریک کو رعایا لبیک کہنے کے لیے تیار رہتی تھی اور

---

۱ ۔ آئین (ترجمہ بلوخمن ، صفحہ ۳۵۲) ۔

۲ ۔ آئین (ترجمہ بلوخمن ، صفحہ ۳۵۲) و جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۷۱ع ستمبر ، صفحہ ۱۲۸ ۔

اس موقع پر بھی ہندوؤں نے بہ ظاہر رضا و تسلیم کا شیوہ اختیار کیا ۔ اس خاموشی اور رضامندی کی ایک اور وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں کے بعض خاندان سکندر لودھی کے زمانے سے فارسی زبان سے آشنا چلے آتے تھے ۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان فارسی داں طبقات نے ہندی کی بجائے فارسی کے رواج کو اپنے مفاد کے لیے چنداں نقصان دہ نہ سمجھا ہوگا ۔ ان لوگوں کے علاوہ باقی ہندوؤں کے لیے یہ فرمان فارسی کے حق میں ترغیب دینے والا ثابت ہوا اور فارسی تمام ہندوستان کی سیاسی اور دفتری زبان قرار پائی ۔

فرمان کی حیثیت اور اس کا اثر :

غالباً یہ اقتصادی مجبوری تھی جس نے ہندوؤں کو فارسی کی طرف زیادہ متوجہ کیا[۱]۔ اس فرمان کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ تاوقتیکہ وہ ملک کی شاہی زبان کو حاصل نہ کرلیں گے اس وقت تک انھیں ملازمت نہ مل سکے گی ۔ راجا ٹوڈرمل نے یہ بات محسوس کرلی تھی کہ فارسی سے نا آشنا ہو کر اس کے ہم مذہب ملک کے معاملات میں صحیح طور پر حصہ لینے کے قابل نہیں ہو سکتے ۔ اس فرمان کے رواج و نفاذ کے بعد ہندوؤں نے فارسی سے پوری دلچسپی کا اظہار کیا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں ہندو فارسی میں مسلمان ہم وطنوں کے برابر ہو گئے تھے[۲]۔ اگر یہ زبردست اختلاط کی صورتیں اور اسباب پیدا نہ ہوتے تو کسے معلوم ہے کہ اردو زبان کا کیا حال ہوتا ؟ جہاں راجا ٹوڈرمل ہندوؤں میں فارسی زبان کو رواج دینے والوں کا پیشوا ہے وہاں اسے اردو زبان کے ترقی دینے والوں میں بھی شمار کرنا چاہیے ۔

۱ ۔ ایضاً ہیول (ایرین رول ، صفحہ ۳۸۸) ۔
۲ ۔ آئین (باوخمن ۔ صفحہ ۳۵۲) ۔

یہ اُن اسباب کا سرسری سا خاکہ ہے جس نے ہندوؤں کو ایک نئی شاہ راہ پر قدم رکھنے کے لیے مجبور کیا۔ یعنی اب فارسی۔اجنبیوں کی زبان۔ عام ہندوؤں کے ہاں پڑھائی جانے لگی۔ اس امر کو باور کرنے کے لیے ہمارے پاس وجوہ موجود ہیں کہ پہلے پہل کایستھوں نے ہی اس کا استقبال کیا، اس لیے کہ ان لوگوں میں پہلے ہی سے فارسی پڑھنے کا دستور چلا آتا تھا۔ نیز اس لیے کہ ہندوؤں میں صرف یہی لوگ منشی گری کا کام کرتے تھے۔ للہذا جونہی کہ دفاتر کی زبان تبدیل ہوئی انھوں نے معمولی کام کاج میں اپنے آپ کو طاق کر لیا ہوگا۔ فرمان کے نفاذ سے زیادہ بے چینی پیدا نہ ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی خواندہ اور انشا پیشہ جماعتوں میں فارسی کی معمولی نوشت و خواند ضرور موجود تھی۔

اس زمانے کا ادب بہت کم ہے، فنون لطیفہ کو خاصی ترقی ہوئی:

اگرچہ ہندوؤں نے اس زمانے میں فارسی کو کمال شوق سے پڑھنا شروع کر دیا تھا مگر کوئی خاص نتائج کتابوں کی صورت میں برآمد نہیں ہوئے۔ ہمیں ہندوؤں میں کوئی اعلی پایے کا مصنف نظر نہیں آتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں نے ابھی تک زبان پر قدرت حاصل نہیں کی تھی جو تصنیف و تالیف کے لیے ضروری تھی۔ لیکن اکبر کی شاہانہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی نے ہندو قوم کے اندر جو زندگی پیدا کی وہ فنون لطیفہ مثلاً موسیقی، مصوری اور خوش خطی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

مصوری: اس زمانے میں مصوری کا 'ہندی ایرانی دبستان' ترقی پذیر ہوا۔ اکبر کے درباری مصورین میں بہت سے ہندو تھے۔ مثلاً ابو الفضل نے آئین[1] میں جن لوگوں کو گنایا ہے ان کے نام

۱۔ آئین (جلد ۱، صفحہ ۱۱۷)۔

یہ ہیں :— دسونت ، بساون ، کیسو، لال مکند ، مادعو ، جگن ، مہیش ، کھیم کرن ، تارا ، سانولہ ، ہری بنس ، رام ۔ ابوالفضل کے مطابق ہندوؤں کی بنائی ہوئی تصویریں بہت ہی نفیس ہوتی تھیں اور ساری دنیا میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کرسکتے تھے ۔

بانکی پور لائبریری[1] میں 'تاریخ خاندان تیموریہ' کا ایک نسخہ موجود ہے جو مصور ہے اور جس میں ان درباری مصورین میں سے اکثر کے 'عمل' موجود ہیں ۔ پرسی براؤن لکھتا ہے[2] کہ اس ہندی ایرانی دبستان کے امام تو عبدالصمد اور میر سید علی ہیں ، لیکن باقی اکابر تمام تر ہندوؤں میں سے ہیں ۔ یہ لوگ دربار میں کتابوں کو مصور کرنے کے لیے رکھے جاتے تھے ۔

موسیقی: اس عہد میں موسیقی نے بھی بہت ترقی پائی ۔ ابوالفضل لکھتا ہے[3] کہ اکبر کے دربار میں ہندو ، ایرانی ، تورانی ، کشمیری ، عورتیں اور مرد موسیقی دان تھے ۔ یہ لوگ سات گروہوں میں منقسم تھے ۔ ہر گروہ کے لیے ہفتے کا ایک ایک دن مقرر تھا جس دن آسے اپنا فرض بجا لانا پڑتا تھا ۔ نرندرناتھ لا بحولۂ بالا کتاب میں لکھتے ہیں[4] :

''موسیقی کے میدان میں اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ ہندو اور مسلمان کب سے اور کس طرح ایک دوسرے سے استفادہ کرتے رہے ؟ اور ہر قوم دوسری قوم کے ذخیرۂ فن میں کس طرح اضافہ کرتی رہی ؟ اسلامی حکومت کی ابتدا ہی سے ہم اس معاملے میں بے حد تعاون و تناصر پاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ سلطان حسین شرقی نے 'خیال' ایجاد کیا ، لیکن

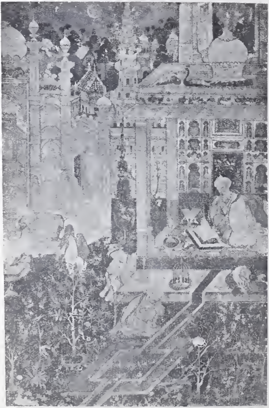
---

۱ ۔ فہرست بانکی پور لائبریری ، جلد ۷ ، صفحہ ۳۰ ۔

۲ ۔ پرسی براؤن : انڈین پینٹنگز ، صفحہ ۶۳ ۔

۳ ۔ آئین ، بلوخمن صفحہ ۶۱۲ ۔

۴ ۔ پروموشن ، صفحہ ۱۵۷ ۔



عہداکبری کے ہندو مصورین کی مصوری کا نمونہ (از تاریخ خاندان تیموریہ)

اب وہ ہندو موسیقی کا جزو ہے - آدھر 'دھرپد' جو خالصۃً ہندو موسیقی کا جزو تھا اب 'مسلم موسیقی' کا جزو لاینفک بن گیا ہے - موسیقی کی موجودہ حالت صدیوں کے اختلاط اور خلط ملط کا پتا دیتی ہے - یہ اختلاط اکبر کے دربار میں کمال تک پہنچا -''

میاں تان سین جو پہلے ہندو تھا اور بعد میں شاید مسلمان ہو گیا تھا ، اس زمانے کا بہترین موسیقی دان تھا[1] - رام داس علم موسیقی میں تان سین سے دوسرے درجے پر تھا - ابوالفضل[2] نے دربار اکبری کے ۳۶ ماہرین موسیقی کی جو فہرست پیش کی ہے ، ان میں آگرے کا اندھا شاعر 'سور داس' بھی شامل ہے - اکبر کے زمانے میں علم موسیقی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچا اور یہ نہایت مدلل طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس فن کے کمال میں ہندوؤں کا کافی حصہ ہے -

خوشخطی : خوشخطی کو مسلمانوں نے نہایت قدیم زمانے سے فن لطیف کی حیثیت سے ترقی دی - پریس کی ایجاد سے پہلے یہ فن اشاعت کتب اور ترویج علوم کا واحد ذریعہ تھا - اکبر نے ادھر بہت توجہ کی اور خط کی مختلف انواع و اقسام میں غیر معمولی دل چسپی لی[3] - چوں کہ یہ فن زیادہ تر فارسی کے پڑھنے اور جاننے پر موقوف ہے ، اس لیے اس وقت تک جب کہ ہندوؤں میں فارسی کا ابھی عام رواج نہیں ہوا تھا ، ہندو خوش نویس بہت کم ملتے ہیں - بہر حال رائے منوہر اور راجہ ٹوڈرمل جن کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے نہایت اچھے خوش نویس تھے -

---

۱ - پروموشن ، صفحہ ۱۵۵ -
۲ - آئین ، بلوخمن ، صفحہ ۶۱۲ -
۳ - آئین، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲ ، ۱۱۳ - بلوخمن، صفحہ ۹۹ -

ہندوؤں میں فارسی ادب کے ابتدائی آثار :

ہندوؤں کے خالص فارسی ادب کا اس زمانے میں کوئی نام و نشان موجود نہیں ۔ تحقیق کے جدید و قدیم مآخذ کی تلاش کے باوجود کسی کتاب کا سراغ نہیں مل سکا ۔ تاریخوں اور ہندوستان اور یورپ کی فارسی فہرستوں کی ورق گردانی کی گئی ، لیکن اس عہد میں کسی ہندو کی کوئی فارسی تصنیف نہیں مل سکی ۔ البتہ کچھ فارسی دانوں کا حال معلوم ہوتا ہے جن کا ہندوؤں میں فارسی ادب کے ابتدائی آثار کے طور پر ذکر کرنا چاہیے ۔

عہد اکبری کے فارسی داں ہندو :

(۱) **راجا ٹوڈر مل :** اس ضمن میں ہم راجا ٹوڈرمل کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہندوؤں میں ایک بڑی حد تک فارسی کو رواج دینے والا تھا ۔ ہمیں یہاں اس کی زندگی کے تفصیلی حالات سے کوئی سروکار نہیں ؛ اس مقصد کے لیے ناظرین کو دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اس کی زندگی کے موٹے واقعات یہ ہیں[1] کہ وہ لاہر پور میں پیدا ہوا ۔ (نہ کہ لاہور میں جیسا کہ مآثرالامرا کے مصنف نے لکھا ہے ۔) اس نے اکبر کے ماتحت پہلا ذمہ داری کا عہدہ ۱۸ سال جلوس اکبری میں حاصل کیا ۔ ۲۲ سن جلوس میں وہ وزیر مقرر ہوا ۔ ستائیسویں سال جلوس میں وہ دیوان مقرر ہوا اور ۹۹۸ھ میں فوت ہو گیا ۔

راجا ٹوڈرمل کی فارسی قابلیت[2] کے متعلق کوئی ٹھیک بیان نہیں

---

۱ - آئین ، بلوخمن ، صفحہ ۳۲، ۳۳۳، ۳۵۲ نیز خلاصۃ التواریخ ۴۰۹ و ما بعد - دربار اکبری ۵۱۹ و مابعد ۔ مآثرالامرا ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۳ : تفریح العمارات قلمی (مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) اکبرنامہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۶۹ ۔

۲ - برہمن کی کتاب چہار چمن میں اکبر کے ایک درباری شاہبازخان کی رائے راجا ٹوڈرمل کے متعلق اچھے الفاظ میں درج ہے ۔ (ملاحظہ ہو ورق ۱۰۶ قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

دیا جا سکتا - اس نے بعض اہم اصلاحات رائج کیں اور فارسی کو دفاتر کی زبان قرار دیا - ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ آسے فارسی میں اچھی خاصی قابلیت حاصل تھی ، کیونکہ فارسی نہ جاننے کی حالت میں راجا اپنے ذمہ‌داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکتا - لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے کہ راجا فارسی سے اچھی طرح واقف تھا - تذکرۂ خوش نویساں[1] کے مصنف کا بیان ہے کہ : ''ٹوڈرمل از طایفۂ کھتری، نویسندۂ چابک دست و خطوط بخوش‌خطی و نمکی می نوشت ، بوسیلۂ مظفرخان برتبۂ وزارت اکبری رسیدہ ... الخ''

خلاصۃالتواریخ[2] مصنفہ منشی سجان رائے میں راجا ٹوڈرمل کی قابلیت کا حال ان الفاظ میں درج ہے :

''در دقایق سیاق و حقایق حساب بے نظیر، در علم محاسبات موشگاف، ضوابط و قوانین وزارت و تنظیم احکام سلطنت و بندوبست امور مملکت و آبادی و معموری رعیت و دستورالعمل کارھاے دیوانی و قانون اخذحقوق سلطانی و افزونی خزانہ و امنیت مسالک و تادیب سرکشاں و تسخیر ممالک و دستور مناصب امرا و مواجب سپاہ دوامی پرگنات و تنخواہ جاگیر ازو یادگار است -''

مگر ابوالفضل راجا کو تعصب کا الزام دیتا ہے اور اگرچہ راجا کے تدبر، جرأت، ہوشیاری اور بے نفسی کی تعریف کرتا ہے، مگر راجا کی فارسی دانی کے کم و کیف کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہتا -

ٹوڈر مل کی تصنیفات : خازن اسرار (؟)

شمس‌العلما مولوی محمد حسین آزاد دربار اکبری[3] میں لکھتے

---

۱ - تذکرۂ خوش نویساں ، صفحہ ۸۸ - ۲ - خلاصۃ التواریخ صفحہ ۳۰۹ - ۳ - دربار اکبری صفحہ ۵۳۰ - انڈیا آفس لائبریری (عدد ۲۳۲) میں راجا ٹوڈرمل کی طرف ایک کتاب منسوب کی گئی ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ھیں : ''کشمیر اور لاھور کے کہن سال لوگوں میں کتاب 'خازن اسرار' اس کے نام سے مشہور ہے، مگر کمیاب ہے - میں نے بڑی کوشش سے کشمیر میں جا کر پائی، لیکن دیباچہ میں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ۱۰۰۵ھ کی تصنیف ہے حالانکہ خود ۹۹۸ھ میں مر گیا تھا - شاید اس کی یاد داشت کی کتاب پر کسی نے دیباچہ لگا دیا ...... الخ''

خوش قسمتی سے خازن اسرار[1] کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ؛ اس کی ابتدائی سطور یہ ھیں :

''سپاس بیقیاس حضرت مالک الملکی کہ خانۂ نہ در وجود انسان را بچراغ عقل منور گرانید و بنور انصاف و معرفت بہرہ وری شعاع انوار بخشید ...... راجا ٹوڈرمل از دیریاز رہ گم کردۂ خارستان جہل و نادانی بود، برھبری کرم عمیم خویش، راھنمائے گلستان معرفت گردانید -''

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف ٹوڈرمل نامی کوئی شخص تھا - دیباچے میں اکبر کی مدح بھی موجود ہے - کتاب نہایت دشوار اور فاضلانہ انداز میں لکھی گئی ہے - قرآن مجید کی آیات اور عربی ضرب الامثال اور اصطلاحات

(گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ) جس کا نام 'دستورالعمل' ہے - اینھی کے نزدیک کتاب کے بعض حصے ایسے ھیں جن کا مصنف ٹوڈرمل نہیں ہوسکتا - مثلاً ق ۵۱ پر شاہجہان آباد کا ذکر ہے جو شاہ جہان کے عہد میں تعمیر ہوا - ابوالفضل نے راجا کی 'چند فصل' کا ذکر کیا ہے جن میں بعض مالی تجاویز مرقوم تھیں مگر ان کا کہیں بھی پتا نہیں چلتا (اکبرنامہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۸۱) - بہت ممکن ہے کہ یہ وھی دستورالعمل ہو اور کچھ ابواب الحاق ہوں - لیکن ھم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے -

۱- خازن اسرار (قلمی ، ق ۱) -

عدیہ کی اتنی فراوانی ہے کہ مصنف کی علمیت کا سکہ دل پر بیٹھتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ یہ اکبری عہد کے کسی ہندو کی تصنیف نہیں ہوسکتی، خواہ وہ ٹوڈرمل ھی کیوں نہ ہو - یہ بالکل روشن ہے کہ تصنیف (بلحاظ انشا) کسی اچھے انشا پرداز کی ہے، لیکن یہ معاکس طرح حل ہو کہ مصنف کا نام اور اکبر کی مدح جیسے ناقابل تردید شواہد بھی موجود ہیں -

ٹوڈر انند : اتفاقاً ہندی کی کتابوں میں تلاش کے بعد ایک کتاب دستیاب ہوئی جس کا نام ٹوڈرانند ہے اور راجا ٹوڈرمل کی طرف منسوب ہے - 'مصر بندھو ونود' [۱] کے بیان کے مطابق اس کے تین اجزا ہیں :

(۱) دھرم شاستر (۲) جوتش اور (۳) طب - ہر جزو بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں پر منقسم ہے - بیکانیر سنسکرت لائبریری[۲] کی فہرست کے بیان کے مطابق یہ ایک سنسکرت کتاب ہے -

مندرجہ بالا کتاب کا اگر خازن اسرار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان دونوں کتابوں میں ایک مشابہت موجود ہے - ہماری رائے میں خازن اسرار شاید 'ٹوڈر انند' کا ترجمہ ہے، لیکن ٹوڈر مل خود مترجم معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کا ترجمہ کسی اچھے انشا پرداز کے ہاتھوں عمل میں آیا ہے - مضامین میں کچھ فرق موجود ہے، لیکن تراجم میں اضافہ اور تخفیف دونوں کا ہونا ممکن ہے - سنسکرت کتاب تین حصوں میں منقسم ہے اور خازن اسرار 'چار منازل' پر مشتمل ہے - افسوس ہے کہ ٹوڈر انند کا کوئی نسخہ یہاں موجود نہیں ورنہ اس نظریے کو ہم زیادہ یقین کے ساتھ پیش کر سکتے - بہرحال ہم 'خازن اسرار' کو (بعینہا) ٹوڈر مل کی تصنیف نہیں مان سکتے -

---

۱ - مصر بندھو ونود ، صفحہ ۲۹۵ -

۲ - فہرست بیکانیر سنسکرت لائبریری ، صفحہ ۳۳۵ ، ۳۴۹ ، عدد ۷۴۸ -

بھگوت پران : کہتے ھیں کہ راجا ٹوڈر مل نے بھگوت پران کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا[1] ، لیکن کسی تاریخی شہادت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی اور نہ اس کے کسی نسخے کا ذکر کہیں موجود ھے ۔

رسالۂ حساب : 'یک رسالہ در فن سیاق' بھی راجا کی طرف منسوب[2] ھے ، لیکن معلوم نہیں کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا ھندی میں ۔ کوئی عجب نہیں کہ فارسی میں ھی ھو ۔

اکبری تراجم میں ھندوؤں کا حصہ :

اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ھے کہ اس میں سنسکرت کتابوں کے ترجمے کا کام نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شروع ھوا ۔ بدایونی کے بیانات پر غور کرنے سے معلوم ھوتا ھے کہ ان کاموں میں پنڈتوں سے بہت مدد لی گئی تھی ۔ اتھر وید کا ترجمہ بدایونی کے سپرد کیا گیا تھا اور امداد کے لیے ایک پنڈت بھی مقرر کیا گیا تھا ۔ اسی نوع کی اور کئی مثالیں بھی موجود ھیں جن سے ثابت ھوتا ھے کہ ان فارسی تراجم میں ان برھمنوں کی کوششوں کو بھی بہت حد تک دخل ھے ۔ گویا وہ فارسی کتابیں مسلمان فضلا اور برھمنوں کے مشترک کارنامے ھیں ۔

مرزا منوھر توسنی : یہ چیز بڑی عجیب ھے کہ اکبر کے زمانے میں ھم ایک ایسے ھندو شاعر کو دیکھتے ھیں جسے فارسی کے ساتھ بے نظیر شغف اور واقفیت ھے ۔ اس کے خیالات اسلامی تخیل میں ڈوبے ھوئے ھیں اور اس کی زبان شستہ اور واضح ھے ۔ یہ ھندو قوم کا سب سے پہلا فارسی شاعر 'رائے محمد منوھر توسنی'

---

۱ ۔ گریرسن (A Lit. History of India, P. 36 N.) صفحہ ۳۵ ۔

۲ ۔ دربار اکبری ، صفحہ ۵۲۹ ، آسرائے ھنود، صفحہ ۱۳۶ ۔

تھا ۔ بدایونی اس کے حالات میں لکھتا ہے[1] :

''منوہر نام دارد ۔ ولد لون کرن راجۂ سانبر است که در نمکزار مشہور است ۔ و این ہمہ نمک در سخن او تاثیر این سر زمین است ۔ صاحب حسن غریب و ذہن عجیب است ۔ اول او را محمد منوہر می خواندند ، بعد ازاں میرزا منوہر خطاب یافت ۔ و پدرش با وجود کفر بشرف و افتخار و مباہات ہمیں محمد منوہر می‌گفت ۔ ہر چہ مرضئ طبع بادشاہی نبود ، طبع نظمی دارد ۔ ازو ست :

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر
مست حسن دوست را با کفر و ایماں کار نیست
بے عشق تو در جگر لبالب نار است
بے درد تو در سرم سراسر خار است
بت خانۂ و کعبہ ہر دو نزدم کفر است
ما را بہ یگانگئی ایزد کار است

زمانے کہ تخلص بوسے دادند این چند بیت گفتہ کہ :

شربت آشاما میا در بزم ما دردی کشان
کز جگر در کف کباب و خون دل در ساغر است
ننگ مردانست حرف از جان و دل گفتن بعشق
دل چو خون سخت بستہ جاں چو باد صرصر است
توسنی بردہ سمند شوق در میدان عشق
می رسی ایمن بمقصد رہبرت چون اکبر است

از ہندوے چون این قدر طبع شعر و حالت غریب بود ، ثبت نمودہ آمد ۔''

طبقات اکبری[2] میں لکھا ہے :

---

۱ ۔ بدایونی ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۰۱ ۔

۲ ۔ طبقات اکبری ، صفحہ ۳۸۸ ۔ منوہر توسنی کے مفصل حالات کے لیے دیکھو سفینۂ خوشگو (قلمی) (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

''رائے منوہر بن لون کرن از صغر سن در حجرۂ شفقت حضرت الہی نشو و نما یافتہ ، در خدمت شہزادۂ کامگار سلطان سلیم بزرگ شدہ خط سواد پیدا کردہ ، سلیقۂ شعر ہم رسانیدہ میگوید و کوسی[1] (کذا) تخلص دارد ۔''

تزک جہانگیری میں لکھا ہے : (نیز ملاحظہ ہو ترجمہ راجرز جلد ۱ ، صفحہ ۱۷) ۔

''منوہر کہ از قوم کچوائیان سیکھاوٹ است و پدر من در خورد سالی باو عنایت بسیار می کردند ۔ فارسی زبان بودہ ۔ بآنکہ ازو تا بہ آدم ادراک فہم بہ ہیچ یکے از قبیلۂ او نمی‌توان کرد خالی از فہمے نیست و شعر فارسی می گوید ۔ این بیت ازوست :

غرض ز خلقت سایہ ہمیں بود کہ کسے
بنور حضرت خورشید پاے خود ننہد''

صاحب مآثرالامرا[2] نے یہ شعر انتخاب کیا :

یگانہ بودن و یکتا شدن ز چشم آموز
کہ ہر دو چشم جدا و جدا نمے نگرند

انیس العاشقین زخمی میں منوہر کی ایک مثنوی کا ذکر موجود ہے جس کے کچھ اقتباسات مخزن الغرائب میں درج ہیں مثلاً :

الہی سینہ کن با عشق دمساز دلے دہ معدن گنجینۂ راز
بدل داغ محبت جاوداں دہ نشان مہر خود بر ورق جان دہ

(گرشتہ صفحے کا باقی حاشیہ) جلد ۲ ، ورق ۹۳ ۔ گل رعنا (فہرست بانکی پور لائبریری ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰) ۔ اکبر نامہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۲ از کلکتہ ریویو ۱۸۷۱ع اپریل نمبر ٦ ۔ امراے ہنود ، صفحہ ۳۴۳، مخزن‌الغرائب احمد علی سندیلوی (قلمی پروفیسر شیرانی)۔

۱ ۔ صحیح توسنی ۔

۲ ۔ جلد ۳ ۔ صفحہ ۱۱٦ ، ۱۱۷ ۔

امید من ز تو انعام عام است که نومیدی ز درگاهت حرام است
نمی‌دانم خدایا کفر ودین چیست گرفتار کمند این و آن کیست

حضرت علیؓ کی مدح میں لکھا ہے :

تعالی اللہ عجائب بارگاہست که غیر از کعبه و بت خانه راہست
علیؓ بگزیدۂ لطف اللہ است به محشر مہربان را عذر خواہ است
نه گنجد وصف حیدر در بیانہا بود در منقبت قاصر زبانہا

تذکرۂ خوشنویساں میں لکھا ہے :

''از صغر سن در حجرۂ شفقت حضرت خلیفۂ الٰہی نشو و نما یافته در خدمت شاہزادۂ کامگار سلطان سلیم خط و سواد پیدا کرد سلیقۂ شاعری و خوشخطی بہم رسانیده۔''

نشتر عشق میں لکھا ہے :

'' فکر شعر بروانی و سلاست می‌فرمود ۔ او اول شعراے ہنود است که نامش تا ایران زمین رسیده ۔ میرزا صائبا مرحوم از کلام او این بیت را که می آید ، پسندیده داخل بیاض خود نموده ۔ باوجود ظلمت سرشتی خود را بمہ منور می‌نامد........
ازاں خوش مقال است :

از اثر یک نگه اوست مست ہم بت وہم بتکده ہم بت پرست
زاہدا کعبه پرستی تو و ما دوست پرست
تو باین عقل مسلمانی و من برہمنم''

۳ - **کوشنا داس :** برٹش میوزیم لندن کی مطبوعه کتابوں کی فہرست میں ہمیں ایک کتاب ملی ہے جو کوشنا داس اکبری کی لکھی ہوئی ہے ۔

یه کتاب مختصر سی ہے یعنی ۱۵۷ مصرعوں میں فارسی سنسکرت کی ایک لغت تیار کی گئی ہے جس کی تیاری کا حکم خود شہنشاہ اکبر نے دیا تھا ۔ اگر برٹش میوزیم کی اطلاع صحیح ہے تو یه مختصر سا مجموعه ہمیں اس زمانے کے ترجمے کی سرگرمیوں کے سلسلے میں کچھ مفید معلومات دے گا ۔

تیسرا باب

از عہد جہانگیری ۱۰۱۴ھ تا جلوس فرخ سیر ۱۱۲۴ھ)

[اس باب میں آن ہندو فضلا کا ذکر ہوگا جو ۱۰۱۴ھ سے لے کر ۱۱۲۴ھ تک مشہور ہوئے (یعنی نورالدین جہانگیر کی تخت نشینی سے لے کر عہد فرخ سیر تک) ۔ ہندوؤں نے اس عہد میں بہت سا کارآمد اور عمدہ لٹریچر پیدا کیا اورعلم و فضل کی تقریباً تمام شاخوں میں نام پیدا کیا ۔ لیکن ان علما و فضلا کے تفصیلی ذکر اور آن کے تحلیلی و تنقیدی مطالعے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر آس ماحول کا ذکر کیا جائے جس میں یہ لٹریچر پیدا ہوا ۔]

جہانگیر کی حکمت عملی :

نورالدین جہانگیر اگرچہ اپنے نامور باپ سے ذہنی طور پر کم درجے پر تھا ، تاہم اس کی طبیعت میں علمی مذاق موجود تھا ۔ ہندوؤں کے ساتھ آس کی روا داری اور بے تعصبی اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھی ۔ آس نے ہندوؤں کو اپنے عہد حکومت میں ذمہ دار عہدے دیے اور نہایت اہم مناصب آن کے سپرد کیے ۔

رائے گھنسور جہانگیری عہد میں دیوان کے منصب پر فائز تھا[1] ۔ اس زمانے کی تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

۱ ۔ تزک جہانگیری (طبع سرسید) صفحہ ۱۸ ۔ اقبال نامۂ جہانگیری صفحہ ۳۰۶ ۔

جہانگیر نے سیاسی اور تعلیمی حکمت عملی کے نفاذ میں اکبر کی پوری پوری پیروی کی ۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہندوؤں کو جبراً مسلمان نہ بنائے[1] ۔ اس کے عہد میں بعض بڑے بڑے مندر ، مثلاً متھرا میں گوبند دیوی کا مندر ، تعمیر ہوئے ۔ جہانگیر ہندوؤں کی اکثر تقاریب میں بنفس نفیس شامل ہوتا تھا ۔ دیوالی کے تیوہار پر باقاعدہ دربار منعقد کرتا تھا[2] ۔ شوراتری پر ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کو بلاتا ، سلونو کے موقع پر اپنے ہاتھ پر ہندوؤں کی طرح راکھی باندھتا تھا[3] ۔

بادشاہ کو جوتک رائے منجم[4] کے فیصلوں میں بہت اعتقاد تھا ۔ چناں چہ یہ منجم کئی دفعہ سونے کے ساتھ تولا گیا ۔ راجا سورج سنگھ نے ایک دفعہ ایک ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا جس نے ایک ہندی نظم پڑھی ۔ بادشاہ اس نظم سے اس قدر محظوظ ہوا کہ اس نے شاعر کو ایک ہاتھی بخش دیا ۔

جہانگیر تزک میں جد روپ سنیاسی[5] کی ملاقات کا واقعہ خود بیان کرتا ہے ۔ یہ ملاقات پورے چھ گھنٹے تک ممتد رہی ۔ جہانگیر اس سنیاسی کے فضل و کمال ، اس کی خدا رسی اور دانش مندی کا بہت معترف تھا ۔ چناں چہ لکھتا ہے :

''طریق زیست و زندگانی او بریں نہج است کہ نوشتہ شد ۔ خواہان ملاقات مردم نیست لیکن چوں شہرت تمام یافتہ مردم بدیدن او می روند ۔ خالی از دانش نیست ۔ علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد خوب ورزیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ سخنان خوب مذکور ساخت ، چنانچہ خیلے در من اثر کرد ۔ ۔ ۔ ۔ الخ''

---

۱ ۔ تزک (ترجمہ راجرز) صفحہ ۲۰۵ ۔ ۲ ۔ تزک (سرسید) صفحہ ۱۱۹ ۔ ۳ ۔ ایضاً ۔ ۴ ۔ تزک (سرسید) صفحہ ۲۸۵ ، ۳۲۹ ۔ ۵ ۔ تزک (سرسید) صفحہ ۱۸۵ ، ۱۸۶ ۔ بینی پرشاد جہانگیر ، صفحہ ۲۷۶ ۔ اقبال نامۂ جہانگیری ، صفحہ ۹۵ وغیرہ ۔

اسی طرح تزک میں رودر بھٹاچارج[1] کی ملاقات کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کی علمیت اور فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :

''درین ایام رودر بھٹا چارج نام برھمنے کہ از دانش وران این گروہ مطالب عقلی و نقلی را خوب ورزیدہ و در فن خود تمام ست ۔ ۔ ۔ الخ''

جب خان عالم[2] کو سفیر بنا کر ایران روانہ کیا گیا تو اس کے ساتھ بشن داس مصور کو بھی بھیجا تاکہ شاہ عباس کی تصویر اُتار کر لائے ۔ یہ بشن داس اس زمانے کا بلند پایہ مصور تھا جس کے فن کو جہانگیر کی معارف پروری نے ضرور ترقی دی ہوگی ۔

عہد اکبری کے بیان میں ہم نے ایک شاعر کا ذکر کیا ہے جس کا نام مرزا محمد منوھر توسنی تھا جس نے زیادہ تر جہانگیر کی رفاقت میں تربیت پائی ۔ جہانگیر کا سلوک اپنی بادشاہی کے زمانے میں اس کے ساتھ بہت حد تک مربیانہ رہا ۔ خود تزک میں اس کی شاعری اور قابلیت کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کرتا ہے ۔

شاہ جہان :

اگرچہ شاہ جہان صاحبقران کا سب سے بڑا کمال اس کی تعمیری سرگرمیوں میں پنہاں ہے ، تاہم تعلیمی ترقی اور علمی احیا و ترویج میں بھی وہ اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا ۔ اس کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ امن اور خوش حالی کا زمانہ تھا اور مکاتب و مدارس کی بہتات ، علوم و

---

۱ ۔ تزک ، صفحہ ۳۲۹ ۔

۲ ۔ تزک (ترجمہ راجرز ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۱۶) ۔ تاریخ ذکاءاللہ ، جلد ۶ ، صفحہ ۲۶۸ ۔

فنون کی کثرت اور علما و فضلا کا اجتماع عظیم صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اس ہنگامۂ عمل میں اس بیدار مغز بادشاہ کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ شاہ جہاں نامہ اور عمل صالح کی ان فہرستوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے جن میں شعرا ، فضلا ، علما اور ارباب فن کا تذکرہ کیا گیا ہے تو ہمیں یہ زمانہ علمی لحاظ سے ایک زریں عہد معلوم ہوتا ہے ۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ برنیر نے اس عہد کی تعلیمی پستی اور علم کی کم رواجی کی افسوس ناک طور پر خلاف واقعہ تصویر کھینچی ہے تو ہمیں تعجب ہوتا ہے ۔ ہمیں رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برنیر کا بیان سراسر غلط اور باطل ہے ، اور شاہ جہاں کے زمانے کی علمی بلندی کے پیش نظر بہتان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ۔ علمی سرپرستی کے علاوہ شاہ جہاں موسیقی کا بہت بڑا قدرداں تھا ۔ اس کے دربار میں مہاپاتر اور رام داس دو بہت بڑے موسیقی داں تھے ۔ اس بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں میں علی‌العموم اور ہندوؤں میں علی‌الخصوص انشا ، شاعری اور تاریخ کو جو ترقی حاصل ہوئی وہ اس بادشاہ کی علم دوستی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے ۔

دارا شکوہ :

دارا شکوہ[1] شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا ۔ اس کی طبیعت تصوف اور فلسفے کی طرف مائل تھی ۔ وہ عربی ، فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت کا بھی بہت بڑا فاضل تھا ۔ عمر کے آخری حصے میں دارا کی طبیعت میں ویدانت کی طرف بہت میلان پیدا ہو گیا تھا ۔ باپ کے عہد حکومت میں جب آپ بنارس کا گورنر

---

۱ ۔ دارا شکوہ کے حالات کے لیے دیکھو سرکار : تاریخ اورنگ زیب ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹۳ ، ۳۰۲ : دیباچہ مجمع‌البحرین (طبع کلکتہ) وغیرہ ۔ جہاں پرانے مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے مفصل حالات دیے گئے ہیں ۔

بنایا گیا تو اس نے بڑے بڑے فاضل برھمنوں کو ویدوں کے ترجمے کے لیے بلایا ۔ اس کے ذھن پر ھندو علوم کا گہرا اثر موجود تھا ۔ اپنشد کو وحدانیت اور سر الٰہی کا منبع خیال کرتا تھا ۔ اس کی انگشتری پر 'پربھو' کا لفظ کندہ تھا ۔ وہ ملا شاہ بدخشی کا مرید باصفا تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا ۔ دارا نے سفینۃالاولیا کے نام سے اولیا و اصفیا کا ایک ضخیم تذکرہ لکھا ھے ۔ اس کے علاوہ اس نے ھندو علوم کی چند کتابوں کے ترجمے فارسی میں کیے یا کرائے ھیں ۔ اپنشد کا ترجمہ 'سر اکبر' یا سرالاسرار کے نام سے بہت مشہور ھے ۔ کہا جاتا ھے کہ اس نے بھگوت گیتا[1] اور یوگ و ششتا کا ترجمہ بھی کرایا ۔ دارا کی کتاب مجمع‌البحرین جس کو حال ھی میں پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے شایع کیا ھے، ھندو اور اسلامی فلسفے کے مقامات اتصال سے بحث کرتی ھے اور اس موضوع پر بہترین کتاب ھے ۔ دارا شکوہ کو ھندو علما اور منشیوں سے بہت انس تھا اور وہ ان کی حوصلہ افزائی سے کبھی دریغ نہ کرتا تھا ۔

اورنگ زیب عالمگیر:

عام طور پر خیال کیا جاتا ھے کہ عالمگیر ایک متعصب بادشاہ تھا جس نے ھندو رعایا کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ اورنگ زیب کی سیاسی حکمت عملی کچھ بھی ھو ، ھمیں اس سے بحث نہیں ؛ ھم یہاں صرف اس کی تعلیمی سرگرمیوں کو مد نظر رکھیں گے جو ھندوؤں کی ترقی و تنزل پر بہت حد تک اثر انداز ہو سکتی تھیں ۔ ۱۰۸۲ ھ میں اس بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا

---

۱ - پرنسپل محمد شفیع صاحب نے اس بیان میں یہ ترمیم کی ھے کہ برٹش میوزیم کے نسخوں میں گیتا کا ترجمہ ابوالفضل کی طرف منسوب ھے ۔

که هندو عاملوں ، تعلقه داروں ، منشیوں اور متصدیوں کو برطرف کیا جائے اور اُن کی جگه دفاتر میں مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے ۔ چناں چه خافی خان[1] لکھتا ہے :

''صوبه داران و تعلقه داران پیشکاران و دیوانیان هنود را برطرف ساخته مسلمانان مقرر نمایند و کروری محالات خالصه مسلمان می نموده باشد ۔''

علامه شبلی[2] 'عالمگیر پر ایک نظر' میں لکھتے ہیں که اس فرمان کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی که شعبه مالیات کے اکثر حکام ، جو هندو کایستھ تھے ، رشوت ستانی[3] کے عادی ہو گئے تھے ۔ بادشاہ نے اس بد انتظامی اور بے قاعدگی کے استیصال کے لیے سخت اور مؤثر قدم اُٹھایا ۔ یہی اصلاحی اقدام تھا جس کی وجه سے سینکڑوں معمولی متصدی ملازمتوں سے برطرف ہوئے اور چوں که ان مظلوموں یا سزا یافته لوگوں میں هندوؤں کی کثرت تھی ، اس لیے اورنگ‌زیب کی بعض دوسری کوششوں سے متاثر ہو کر اس واقعے کو بھی یه آب و رنگ دے دیا گیا ہے ۔ بعینه یه خیال سید ہاشمی صاحب نے ایک مضمون کے دوران میں ظاہر کیا ہے

---

۱ ۔ خافی خان : جلد ۲ ، صفحه ۲۴۹ ۔

۲ ۔ عالمگیر پر ایک نظر ، صفحه ۶۸ ۔

۳ ۔ دستور العمل یوسف میرک ، جو شاہ جہان کے عہد آخر کی تصنیف ہے ، اس بات کی تائید کرتی ہے :

''و این مردم قانون گو که در هر ملک دیده می‌شود ظاهرا که بادشاهان متقدمین همین حرف را بخاطر داشته نصب کرده اند لیکن چون اکثر هندواند و متدین نیستند و درمیان نیز جبراً و قهراً متدین شده نیامده اند عمل آنها برخلاف قانون تدین معلوم می شود...''

(ق ۱۶ ب ، نسخه پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

جو موصوف نے 'حقیقی عالمگیر' کے عنوان سے اسلامک کلچر[1] میں رقم فرمایا ہے۔

اس موقع پر یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ بادشاہ کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے غیر مؤثر ہوا ، اس لیے کہ اس زمانے میں ہندوؤں نے سیاق و انشا اور دیگر امور دیوانی میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ بادشاہ کو اپنے اس حکم پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ چناں چہ حکم ہوا کہ زاں بعد بخشی اور پیشکار آدھے مسلمان ہوں اور آدھے ہندو ۔ چناں چہ خافی خان[2] نے لکھا ہے :

''بعد چناں قرار یافت کہ از جملہ پیشکاران دفتر دیوانی و بخشیان سرکار یک مسلمان و یک ہندو مقرر می نمودہ باشد ۔''

سرکار[3] نے بھی اپنی 'تاریخ اورنگ زیب' میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ۔ یہ حکم پہلے حکم سے تھوڑے دنوں بعد ہی جاری کر دیا گیا تھا اور قیاس کہتا ہے کہ اورنگ زیب کا پہلا حکم ابھی دائرۂ عمل میں آیا ہی نہ ہوگا کہ یہ دوسرا فرمان نافذ ہو گیا ہوگا مگر باوجود اس کے عہد عالمگیری میں ہندو ملازمین کی کثرت اور بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس فرمان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا ۔ مولانا شبلی نے عہد عالمگیری کے متعدد اعلیٰ منصب داروں کی ایک فہرست تیار کی ہے جس میں تمام ان لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جو اس فرمان کے بعد مرہٹوں کے ساتھ برسر جنگ رہے[4]۔

---

۱ ۔ اسلامک کلچر ، اکتوبر ۱۹۲۸ع ، صفحہ ۳۱۵ ۔
۲ ۔ خافی خان : جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۹-۲۵۲ ۔
۳ ۔ سرکار : تاریخ اورنگ زیب ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۵ ۔
۴ ۔ اس سلسلے میں فاروقی کی کتاب ' اورنگ زیب ' بھی ملاحظہ ہو ۔

ہندوؤں کی تعلیم کے سلسلے میں بادشاہ کے ایک اور اقدام کا ذکر بھی عام طور پر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے معابد و مکاتب کو منہدم کروا دیا تھا[1] ۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ بادشاہ کا یہ حکم عام نہ تھا ، بلکہ صرف ان معابد و مدارس کے ساتھ مخصوص تھا جو سیاسی طور پر اس قابل سمجھے جاتے تھے ۔ چنانچہ پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کی معابد شکنی کے واقعات کی جو تاریخی فہرست مرتب کی ہے اس میں ایسے واقعات بھی ہیں جن میں مؤرخ موصوف نے ہندو معبدوں اور مندروں کو امداد دینے کے واقعات کا اعتراف کیا ہے ۔ مولانا شبلی[2] 'عالمگیر پر ایک نظر' میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا یہ حکم صرف اُن مندروں کے لیے تھا جن میں بغاوت اور سرکشی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور جو سازش اور طغیان کا مرکز بن چکے تھے ۔ خافی خان لکھتا ہے کہ بادشاہ نے سنا کہ بعض مندروں اور مکتبوں میں مسلمان لڑکے بھی ہندوؤں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ بادشاہ نے اس کو سراسر خلاف سیاست سمجھتے ہوئے ایسے معابد کے خلاف قدم اُٹھایا ۔ مآثر عالمگیری[3] میں لکھا ہے :

''بعرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھ و ملتان خصوص بنارس برھمنان بطالت نشان در مدارس مترر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند و راغبان و طالبان ہنود و مسلمان مسافت ھاے بعیدہ نموده جهت تحصیل علوم شوم نزد آن جاعه گمراہ می آیند ۔''

بادشاہ کے ان افعال کو قابل ملامت بھی قرار دیا جائے تو

۱ ۔ مآثر عالمگیری ، صفحہ ۸۱ ۔
۲ ۔ عالمگیر پر ایک نظر ، صفحہ ۷۵ ۔
۳ ۔ عالمگیر پر ایک نظر ، صفحہ ۷۵ ۔

بھی اس کی حکمت عملی کا اثر فارسی تعلیم کی اشاعت و ترویج پر مطلق نہیں ہوا ، بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر دکھائیں گے ، اس زمانے میں ہندوؤں نے پہلے سے بھی زیادہ فارسی کی طرف توجہ کی ۔ ان مصنفین میں سے اکثر و بیشتر شاہی ملازم تھے اور اسی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے بہت سی عمدہ تاریخی کتابیں لکھیں ۔

محمد اعظم و محمد معظم :

اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ مغلوں کی شان و شوکت میں بہت کچھ زوال آ گیا ۔ تاہم اورنگ زیب کے دونوں بیٹے محمد اعظم اور محمد معظم ہونہار اور مدبر تھے ۔ مغلیہ قوم کی ہیبت ہر طرف چھائی ہوئی تھی ۔ اورنگ زیب کی وفات پر جانشینی کے لیے جو جھگڑا ہوا ، اس میں محمد معظم کو فتح حاصل ہوئی اور وہی تخت شاہی پر بیٹھا ۔ ذیل کی سطور میں ہمیں ایسے مصنفین کا حال بھی ملے گا جو محمد اعظم کے دربار سے متعلق تھے ، لیکن انھیں اورنگ زیب کے زمانے کے مصنفین میں شمار کرنا چاہیے ۔

تاریخ ارادت خانی[1] میں لکھا ہے کہ محمد معظم ایک تعلیم یافتہ ، سلیم المزاج مہذب بادشاہ تھا ۔ وہ عام طور پر تمام مذاہب و ادیان کے رہنماؤں سے گفتگو میں مصروف رہتا اور فلسفہ و تصوف کی کتابوں کو شوق سے پڑھا کرتا تھا ۔ گوروگوبند سنگھ کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا ۔ وہ مرہٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ بھی مصالحانہ سلوک روا رکھتا تھا ۔ اگر قدرت نے اسے کچھ سال اور زندہ رہنے کا موقع دیا ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ کے ابواب کی صورت موجودہ سے مختلف ہوتی ۔ محمد معظم ۱۱۲۴ھ میں راہگرائے عالم جاودانی ہوگیا ۔

---

۱ ۔ ایلیٹ ، جلد ۷ ، صفحہ ۵۵۲ ۔

دفاتر دیوانی اور ہندو:

ہم نے ان سلاطین کی حکمت عملی کے اُن پہلوؤں کو بےنقاب کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق ہندوؤں کی تعلیم و ترقی سے تھا تاکہ اس بیان سے ہم اس عہد کے فارسی ادب میں ہندوؤں کی کوششوں کے ساتھ اس کا کچھ تعلق دکھا سکیں - یہ حقیقت ہے کہ اکبر کے زمانے میں ہندوؤں نے جس سرعت اور جوش کے ساتھ فارسی کی طرف اقدام کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ بہت تھوڑے عرصے میں دفاتر دیوانی پر چھا گئے ؛ تصنیف و تالیف میں نام پیدا کیا اور باوجود مخالف حالات کے ان کی ترقی اور عروج میں مطلق کوئی فرق نہ آنے پایا - فرشتہ[۱] عہد جہانگیری کے اواخر میں لکھتا ہے :

"...... براهمه ...... قلاوۂ نوکری در گردن نمی انداختند و اول کسے که از فرقه براهمه در دور سلاطین نوکری قبول کرد - کانگو پنڈت بود و تا حال که ۱۰۱۶ ه است ، بخلاف سائر ممالک هند خصوصاً دفتر بادشاهان دکن و نویسندگی ولایات ایشان به برهمنه مرجوع است -"

اس عہد کے ادب کی بعض امتیازی خصوصیات:

اس زمانے میں جو ادب پیدا ہوا ، آسے ہم بلحاظ مدارج تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

۱ - ترجمے کا دور -
۲ - تاریخ و فن انشا کا دور -
۳ - عام تصنیفات کا زمانہ اور فارسی علوم کی اشاعت عام -

اکبری عہد کے ادب کا حال ہم پڑھ آئے ہیں - اکبری زمانے میں ہمیں کوئی خاص قابل قدر کتاب دستیاب نہیں ہوتی -

---

۱ - فرشتہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۷۸

لیکن زیر بحث دور میں ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا ہمہ گیر شوق پیدا ہو چکا تھا ، اس لیے جہانگیر کے عہد میں سب سے پہلی تصنیفات ، جو ہمیں ملتی ہیں ، وہ تراجم ہیں ۔ اس معاملے میں ہندوؤں کی تصنیفات کا آغاز اور اُن کی ترقی کا حال دنیا کی باقی زبانوں سے بہت حد تک مشابہ ہے ۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ تصنیفی قابلیت کے پیدا ہونے سے پہلے عموماً تراجم کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے ۔ بنابریں جہانگیر کے عہد کو 'تراجم کا عہد' کہیں تو بیجا نہ ہوگا ۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں انشا اور تاریخ نگاری کو بہت تقویت حاصل ہوئی ۔ علی الخصوص تاریخ میں ہندوؤں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ اس عہد کی تاریخیں بلحاظ ثقاہت ، جدت و اعتبار تمام زمانوں سے بڑھی ہوئی ہیں ۔ خلاصۃالتواریخ وغیرہ ہنود کی بہترین تاریخیں ہیں جن کا مقابلہ بعد کی کتابیں نہیں کرسکتیں ۔ اورنگ زیب کی حکومت کے اواخر میں ہندوؤں میں فارسی علوم بہت رواج پا گئے تھے ، یہاں تک کہ اورنگ زیب نے جب ہندو متصدیوں کو بر طرف کرنے کا ارادہ کیا تو آسے اپنے اس عزم میں سخت ناکامی ہوئی ۔ یہ ہندوؤں میں فارسی کی اشاعت عام کا زمانہ تھا ۔

اس سلسلے میں بعض اور امور کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ اولاً یہ کہ اس زمانے سے متعلق ہندوؤں کے فارسی ادب کا مطالعہ کرنے سے تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح ایک قوم اس قدر جلد مسلمانوں کے خیالات ، اُن کی تعلیم ، اُن کے طرز بیان سے کلی طور پر واقف ہوگئی ۔ حالانکہ اسے مذہبی طور پر ان علوم کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ تھا ۔ اس صورت حال سے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے علاوہ ہندوؤں میں زمانہ شناسی کا زبردست ملکہ ہے ۔ وہ فطری طور پر جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ تطابق سے کتنی برکات کا نزول ہوتا ہے اور زمانے کی عام روش سے متصادم ہونا کس حد تک

مذموم ہے ۔

دوم : ہندوؤں کا فارسی ادب اور دیگر معاشرتی حالات بتاتے ہیں کہ مغل بادشاہوں نے ان ہندو مصنفین کی ہمیشہ قدر افزائی کی اور انھوں نے عام ہندو رعایا کو مسلمانوں کے قریب تر لانے کی کوشش کی ۔ چہار چمن میں چندر بھان برہمن شاہ جہاں کی آن عنایات کا تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً اس کے حق میں صادر ہوتی رہیں ۔ ولی رام، برہمن اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ دارا شکوہ کی فیاضیوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے ۔ یہ مصنف عموماً بادشاہوں کی ملازمت میں ہوتے تھے ، جہاں انھیں اپنی تاریخی تصنیفات و تالیفات کے لیے اچھا خاصا مواد مل سکتا تھا ۔ نیز یہ لوگ چونکہ اکثر واقعات کے عینی شاہد ہوتے تھے ، اس لیے ان تاریخوں کو جو اعتبار اور صحت حاصل ہو سکتی ہے ، اس سے دوسرے لوگ کہاں بہرہ یاب ہو سکتے ہیں ۔ اس زمانے میں جو تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں ، آن سے پروفیسر جادو ناتھ وغیرہ مصنفین عہد حاضر نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے ۔ اس عہد میں بہت سے نامور ہندو شاعر پیدا ہوئے ۔ ان میں سے دو تین کا درجہ بلند ہے ۔ باقی شعرا میں سے جن کا ذکر آئندہ ابواب میں ہوگا ، معدودے چند ہی ان کے شاعرانہ کمال کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ انشا کی کتابیں نہ بلحاظ ادب بلکہ باعتبار تاریخ کے بھی بہت شہرت رکھتی ہیں ۔ ان اشارات کے ساتھ ہم اس زمانے کے ادب کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں ۔ ہم ہر مضمون کی کتابوں کو علیحدہ علیحدہ گنائیں گے اور پھر ان میں سے جو زیادہ کارآمد اور مشہور ہوں گی، آن کا تذکرہ زیادہ شرح و بسط کے ساتھ کیا جائے گا ۔ کتابوں کی ترتیب زمانی کو خاص طور پر مد نظر رکھا گیا ہے ۔

اس عہد کی تاریخیں اور مؤرخ:

ذیل میں سب سے پہلے لایق ذکر تاریخی کتابوں کی ایک

فہرست دی جاتی ہے - اس کے بعد نامور مؤرخین کا مفصل تذکرہ اور آن کی کتابوں کے متعلق تبصرہ کیا جائے گا - جو کتابیں متوسط درجے کی ہیں ، آن کے متعلق بھی مناسب تفصیل سے کام لیا گیا ہے - سجان رائے بٹالوی، بندرابن داس بہادر شاہی اور نرائن کول عاجز اس عہد کے مشہور مؤرخ ہیں -

تاریخی تصانیف کی فہرست :

۱ - چہار چمن[1]: مصنفہ چندر بھان برہمن (۱۰۵۷ھ)- یہ اگرچہ ایک قسم کی انشا ہے ، لیکن بحیثیت تاریخ کے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے - سر جادوناتھ سرکار نے اس کو شاہ جہاں کی تاریخ کے سلسلے میں استعمال کیا ہے - اس کتاب میں مصنف نے اپنے تفصیلی حالات قلمبند کیے ہیں - شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے امرا و وزرا کے حالات بھی ہیں - شاہ جہاں کی روزمرہ زندگی کا پروگرام بتایا گیا ہے اور آن مواقع کا ذکر کیا ہے جن میں برہمن نے شاہ جہاں کے سامنے اپنی غزلیں پڑھیں - آخرمیں کچھ خطوط بھی ہیں جن میں سے بیشتر منشآت میں موجود ہیں - ملا قوسی نے چہار چمن کے متعلق کہا تھا :

چــار چمن ســاختۂ بــرهمن
می زند از عالم دیگر سخن

۲ - راجاولی : مصنفہ بنوالی داس ولی[2] دارا شکوہی (۱۰۶۰ھ) یہ رسالہ صرف ہندو راجایان قدیم کے حالات پر مشتمل ہے اور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا -

---

۱ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۹۳۵ -

۲ - ولی کے حالات کے لیے دیکھو تذکرۂ حسینی(قلمی) ورق ۲۹۳ - گلزار حال کا دیباچہ ، گل رعنا (بانکی پور) ورق ۲۸۳ - روز روشن ۶۸۷ - راجاولی کے لیے دیکھو ریو جلد ۳ ، خلاصۃالتواریخ صفحہ ۷ -

۳ - **شاہ جہاں نامہ**[1]: مصنفہ بھگونت داس بندۂ درگاہ - یہ رسالہ شاہ جہاں کے زمانے میں لکھا گیا جو ۵۰ 'منظوقوں' پر مشتمل ہے۔ مغلیہ خاندان کا آدم علیہ السلام سے لے کر شاہ جہاں کی تخت نشینی تک کا حال دیا گیا ہے - تاریخ کے اعتبار سے چنداں اہم نہیں -

۴ - **گوالیار نامہ**[2]: مصنفہ منشی ہیرامن ولد گردھر داس (۱۰۷۸ھ) - ہیرامن معتمد خاں گورنر کا منشی تھا - یہ گوالیار کی تعمیر سے لے کر معتمد خاں کی گورنری تک کی تاریخ ہے - کتاب زیادہ تر جلال حصاری کی اسی نام کی ایک کتاب پر مبنی ہے ، بلکہ اس سے ماخوذ ہے اور سوائے معتمد خاں کے عہد نظامت کے حالات کے اس کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں -

۵ - **لب التواریخ** : مصنفہ بندرابن داس بہادر شاہی (۱۱۰۱ھ تا ۱۱۰۵ھ) - (اس کا مفصل حال آگے آتا ہے) -

۶ - **خلاصۃ التواریخ** : مصنفہ سجان رائے بٹالوی (۱۱۰۷ھ) - (اس کا مفصل حال آگے آتا ہے) -

۷ - **فتوحات عالم گیری**[3]، مصنفہ ایشرداس ناگر (تقریباً ۱۱۰۹ھ) - ایشر داس ناگر پٹن ضلع گجرات کا باشندہ تھا - وہ پہلے قاضی عبد الوہاب قاضی لشکر کی ملازمت میں رہا ؛ زاں بعد شجاعت خاں عامل گجرات کے متصدیوں میں شامل ہو گیا - کتاب چار سوانح پر مشتمل ہے - ڈاکٹر جی برڈ نے تاریخ گجرات کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے - سر جادو ناتھ سرکار نے بھی تاریخ اورنگ زیب میں اس سے مدد لی ہے - یہ کتاب مالوہ اور راجپوتانے کے حالات کے متعلق مستند ہے ، لیکن شمالی ہندوستان

---

۱ - پنجاب پبلک لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے -

۲ - ریو: جلد ۱ ، صفحہ ۳۰۳ - معارف ۱۹۱۸ع -

۳ - ریو: جلد ۱، صفحہ ۲۶۹ - معارف ۱۹۱۸ع - سرکار ؛ تاریخ اورنگ زیب جلد ۱ ، دیباچہ جلد ۲ ، صفحہ ۳۰۵ -

کے حالات میں اس سے غلطی سرزد ہوتی ہے - یہ کتاب ایشر داس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے -

۸ - اعظم الحرب[1]: مصنفہ کامراج (۱۱۲۰ھ) - یہ محمد اعظم شاہ کی تاریخ ہے - مصنف محمد اعظم کا ملازم تھا اور یہ تاریخ ان عنایات کے صلے میں لکھی گئی ہے جو مصنف پر شہزادہ موصوف نے کیں -

۹ - عبرت نامہ[2]: مصنفہ کامراج (۱۱۳۱ھ) - یہ گزشتہ تاریخ کی نسبت زیادہ ضخیم ہے اور ۱۱۱۸ھ سے لے کر ۱۱۳۱ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے -

۱۰ - منتخب التواریخ[3]: مصنفہ جگجیون داس (۱۱۲۰ھ) ولد منوہر داس ساکن گجرات - وہ ڈاک کا مہتمم تھا - ۱۱۱۹ھ میں محمد معظم نے اسے وقایع نگار مقرر کیا -

۱۱ - دل کشا: مصنفہ بھیم سین (۱۱۲۰ھ) -

۱۲ - تاریخ کشمیر: مصنفہ نرائن کول عاجز (۱۱۲۲ھ) -

۱۳ - تاریخ مرہٹہ[4]: مصنفہ دھونکل سنگھ منشی (۱۱۲۱ھ) - مصنف رنجیت سنگھ جاٹ والی بھرت پور کا ملازم تھا - یہ کتاب ۱۸۰۳ع سے لے کر ۱۸۰۵ع تک کے حالات پر مشتمل ہے - ان جنگوں میں رنجیت سنگھ جاٹ نے جو کارہائے نمایاں کیے ہیں ، ان کا تذکرہ بہت مفصل ہے -

یہ اس عہد کی تاریخی کتابوں کی مکمل فہرست ہے - ان میں سے ہم خلاصۃ التواریخ (نمبر ۵) ، لب التواریخ (نمبر ۶) ، تاریخ دلکشا (نمبر ۱۱) اور تاریخ کشمیر نرائن کول عاجز (نمبر ۱۲) کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں -

---

۱ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۳۷ -
۲ - انڈیا آفس کیٹلاگ ، عدد ۳۹۱ - ۳ - معارف ۱۹۱۸ع -
۳ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۲۷۱ - ماڈرن ریویو ۱۹۱۹ع (جلد ۲۷) صفحہ ۱۷ - انڈیا آفس ، عدد ۴۴۵ -

بندرابن داس بہادر شاہی

لب التواریخ ہند: لب التواریخ ہند کا مصنف بندرابن داس[۱] ولد رائے بھارا مل تھا ۔ رائے بھارا مل پہلے پہل شاہ جہان کے معمولی منشیوں میں ملازم ہوا لیکن اس کے بعد اپنی بے نظیر ذہانت، دیانت اور قوت عمل سے ترقی کرتے کرتے پنجاب کا دیوان مقرر ہوا ۔ ۲۰ سن جلوس شاہ جہانی میں اس کو دوبارہ پائے تخت میں واپس بلا لیا گیا اور اس کو رائے ہزاری ذات کی عزت سے مفتخر کیا گیا ۔ اس سے پہلے وہ شہزادہ داراشکوہ کے ماتحت دیوان کل کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا ۔

بندرابن داس کا اپنا بیان ہے کہ رائے بھارا مل کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے اسے رائے کا خطاب دیا ۔ محمد معظم بہادر شاہ کی شاہزادگی کے ایام میں ہمارا مصنف بعہدۂ دیوان کام کرتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ بندرابن کو عام طور پر بندرابن داس بہادر شاہی کہا جاتا ہے ۔ مصنف کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ ایلیٹ کا بیان ہے کہ چونکہ مصنف ایسے حالات اور ایسے ماحول کا تربیت یافتہ تھا ۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ اس کے مرتب کردہ حالات بہت حد تک عینی مشاہدات کا مجموعہ ہوں گے ۔

لب التواریخ ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے جو شہاب الدین غوری سے لے کر ۱۱۰۱ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ مصنف نے اسی سال یہ کتاب ختم کی ۔ بعض اور قرائن کے پیش نظر کتاب کی تاریخ تالیف میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لیکن ہر صورت میں کتاب کی تاریخ تصنیف ۱۱۰۱ھ اور ۱۱۰۵ھ کے درمیان تسلیم کرنی پڑے گی ۔

---

۱ ۔ بندرابن داس کے لیے دیکھو ایلیٹ: جلد ۷، صفحہ ۱۶۸ ۔ ریو: جلد ۱، صفحہ ۲۲۸ ۔ امرائے ہنود، صفحہ ۱۱ ۔ خافی خان: جلد ۲، صفحہ ۲۱۲، جلد ۲، صفحہ ۳۰۳، ۳۲۱ ۔

یہ کتاب دس فصول میں منقسم ہے۔ ہر فصل کئی کئی شعبوں پر مشتمل ہے۔ ذیل میں کتاب کی سرسری فہرست مضامین پیش کی جاتی ہے۔

فصل اول : سلاطین دھلی
فصل دوم : (٦ شعبہ) فرمانروایان دکن
فصل سوم : سلاطین گجرات
فصل چہارم: فرماں روایان برھانپور
فصل پنجم : فاروقی سلطنت
فصل ششم : حکام بنگال
فصل ھفتم : شرقی حکومت جونپور
فصل ھشتم : آمرائے سندھ
فصل نہم : فرماں روایان ملتان
فصل دھم : سلاطین و فرماں روایان کشمیر[۲]

بندرابن داس کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ ۱۱۰۱ھ تک اورنگ زیب کی حکومت میں بہت وسعت پیدا ہوگئی تھی ، اس لیے ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ للہذا مصنف نے ایک مختصر رسالہ لکھنے کا عزم کیا جس میں عہد اورنگ زیب کا حال زیادہ وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ لکھا جا سکے ۔ گزشتہ تاریخ کے متعلق مصنف نے زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا ہے جو مصنف کا سب سے بڑا مآخذ تھا ۔ لیکن ۱۰۰۰ھ سے ۱۱۰۰ھ تک کے حالات ذرا تفصیلی ھیں ۔ کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندرابن نے فرشتہ کے علاوہ اکبر نامے اور جہانگیر نامے کو بھی استعمال کیا ہے ۔

خافی خاں منتخب‌اللباب میں اس تاریخ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

''چوں مسموع گردید کہ بندرابن داس بہادر شاھی کہ مدت (مدتے) در ایام بادشاھزادگی متصدّیِ حضرت شاہ عالم بود ،

تاریخ تالیف نموده ، در آن سوانح سی و چند سال را باحاطۂ بیان در آورده است ۔ از استماع آن بغایت مشغوف گشته در بہم رسانیدن آن تاریخ نہایت تفحص بکار برد ۔ بعده که بسعی بسیار آن نسخه را بدست آورده بامید آنکه از خرمن اندوختۂ او خوشه چینی نماید از روی غور من اوله الی آخره بمطالعه در آورده ۔ نصف آنچه راقم الحروف جمع ساخته دریں اوراق باحاطۂ بیان در آورده به نظر نیامد ۔''

ہمارا خیال ہے کہ صاحب منتخب کی رائے ذرا سخت ہے ۔ کتاب کا پہلا حصہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ، محض فرشتہ کا خلاصہ ہے لیکن عصری تاریخ میں لب‌التواریخ خاصی قدر و قیمت رکھتی ہے ۔ صاحب منتخب جو تقریباً ایک صدی کے فاصلے پر ہے ، لب‌التواریخ کی عینی شہادتوں کے مقابلے میں زیادہ وقعت نہیں رکھتا ۔ ایک اور امر جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہ تاریخ ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلی عمومی تاریخ ہے جو ایک ہندو کے قلم سے نکلی ہے ۔ میجر سکاٹ نے 'تاریخ دکن' کی ترتیب میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور ایلیٹ اور ڈوسن نے اس کے بعض اقتباسات کے تراجم اپنی تاریخ ہند میں شامل کیے ہیں ۔

بندرابن کا انداز تحریر سادہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان پر مصنف کو کافی قدرت تھی ۔

سجان رائے بٹالوی

خلاصۃ‌التواریخ : اس تاریخ کا مصنف سجان رائے بٹالوی تھا ۔ وہ ذات کا کھتری تھا اور متصدی پیشہ تھا ۔ غالب گمان یہ ہے کہ اس کے خاندان میں قانون گوئی وراثتاً رائج تھی ۔ مصنف نے اس کتاب میں اپنا نام تک بھی نہیں لکھا ۔ اگرچہ زبان اور بعض اور قرائن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف ضرور کوئی ہندو ہوگا ۔ سجان رائے کو بعض اوقات غلطی سے سبحان رائے ،

سحاب رائے ، سنجان رائے وغیرہ بھی پڑھ دیتے ہیں ۔

خلاصۃ التواریخ[1] سے جو حالات معلوم ہو سکے ہیں وہ صرف اتنے ہی ہیں کہ مصنف بٹالہ میں پیدا ہوا ، کابل کا سفر کیا ، ٹھٹھ اور پنجور کی سیر و سیاحت کی ، خاندانی پیشہ منشی گری تھا ۔

سجان رائے کی ایک اور تصنیف خلاصۃ المکاتیب[2] سے معلوم ہوا کہ سجان رائے کا ایک بیٹا رائے سنگھ تھا ۔ مولانا امان اللہ حسینی جو اس عہد کے ایک بڑے فاضل تھے مصنف کے دوست تھے ۔ سجان رائے ۱۱۱۰ھ تک شاہی ملازمت سے مستعفی ہو چکا تھا ۔

سجان رائے کی تصانیف صرف دو تک ہی محدود ہیں ۔ (۱) خلاصۃ التواریخ (۲) خلاصۃ المکاتیب جو فن انشا و نثر میں ایک مبسوط کتاب ہے اور رائے سنگھ کی خاطر لکھی گئی تھی ۔

ہندوؤں کی تمام تاریخوں میں سے صرف خلاصۃ التواریخ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس پر مشرق اور مغرب کے متعدد فضلا نے اپنی توجہ مبذول کی ہے ۔ غالباً اس کتاب پر سب سے پہلا مضمون میجر نساؤ لینز کے قلم سے نکلا اور جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں طبع ہوا (سلسلہ جدید ، جلد ۳) ۔ ایلیٹ نے 'ہندوستان کی کہانی اس کے اپنے مؤرخوں کی زبانی' میں ایک پر مغز مضمون لکھا ۔ مگر وہ مضمون ذرا جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اور صاحب مضمون نے رائے کے اظہار میں بہت سختی سے کام لیا ہے ۔ ایچ بیورج نے بھی اس کتاب پر ایک بلند پایہ مضمون لکھ کر ایشیاٹک سوسائٹی کے جلسے میں پڑھا ۔ اس مضمون میں اگرچہ بعض اوقات بے معنی تاویلات سے کام لیا گیا ہے ، لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ مضمون بہترین ہے ۔ دوسرے مصنفین میں سے پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اس کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ کیا ہے

۱ ۔ خلاصہ ، صفحہ ۷۱ ، ۸٦ ، ۹٦ : ۳۵ ۔

۲ ۔ خلاصۃالمکاتیب (قلمی) ق ۳ ۳

اور اپنی کتاب 'ہند عہد اورنگ‌زیب میں' میں شامل کیا ہے ۔ استاد بزرگ پرنسپل محمد شفیع کا لکھا ہوا ایک مختصر سا شذرہ 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' میں بھی موجود ہے ۔ ان کے علاوہ برٹش میوزیم لندن اور بانکی پور لائبریری کی فہرست مخطوطات میں کتاب پر اچھی بحث کی گئی ہے ۔

خلاصہ اور مختصر التواریخ :

ایلیٹ [۱] اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ایک شرم ناک سرقہ ہے اور اس کے مطالب ایک اور تاریخ سے ، جس کا نام مختصر التواریخ ہے ، چرائے گئے ہیں ۔ ایلیٹ کی برھمی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سجان رائے نے بہت سی نئی اور پرانی کتابیں اپنے مآخذ میں گنائی ہیں ، لیکن جس کتاب کو وہ حرف بہ حرف نقل کرتا ہے اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتا ۔ اب ذرا اس مختصر کی حقیقت بھی سن لیجیے ۔ ایلیٹ کو ایک نا تمام سی کتاب کہیں سے دست یاب ہوئی جس کا نہ آغاز تھا نہ انجام ۔ اس پر 'مختصرالتواریخ' لکھا ہوا تھا ۔ عبارت بہت حد تک خلاصۃ التواریخ سے ملتی تھی ۔ ایلیٹ کو خیال ہوا کہ یہ کوئی پرانی کتاب ہے جو جہانگیر کے زمانے تک آتی ہے اور سجان رائے نے اس کتاب کو بلا تذکرہ نقل کیا ہے اور یہ ایک 'شرم ناک فعل' ہے ۔ اب اگر اس معمے پر غور کیا جائے تو تین صورتیں دماغ میں آتی ہیں ۔ اولاً ممکن ہے کہ یہ دونوں کتابیں سجان رائے کی ہوں اور مختصر، خلاصۃ التواریخ کا ابتدائی خاکہ ہو ۔

دوم : یہ کہ کسی کاتب نے خلاصۃ التواریخ کو لکھ کر یا اس کا خلاصہ تیار کرتے ہوئے اس پر 'مختصر' کا لفظ لکھ دیا ہو ۔

سوم : ممکن ہے مختصر کے مصنف نے خلاصہ سے سرقہ کیا ہو اور وہ ثانی الذکر سے مؤخر ہو ۔ پہلی صورت کی تائید میں ہم یہ

---

۱ ۔ جلد ۸ ، صفحہ ۱۲-۵ ۔

کہہ سکتے ہیں کہ سجان رائے نے کتاب کو آخری شکل میں ڈھالنے سے پہلے کئی دفعہ لکھا ۔ نیز جہاں وہ اپنی کتاب کی غرض و غایت پر بحث کا آغاز کرتا ہے وہاں وہ اس کو 'نسخہ مختصرے متضمن احوال فرماں روایان ماضیہ'[۱] کے نام سے یاد کرتا ہے ۔ ریو نے برٹش میوزیم مخطوطات کی فہرست میں اس صورت کی تصدیق کی ہے ۔ دوسری شکل وہ ہے جس کا وقوع عام طور پر ہوتا ہے ۔ چناں چہ کاتبوں کی انھی بے پروائیوں سے حافظ ، خیام وغیرہ کے اشعار غلط طور پر دوسرے شعرا کے نام کی طرف منسوب ہو گئے ہیں ۔ تیسری صورت کو بیورج...... نے پیش کیا ہے اور اس کے لیے دلایل بھی پیش کیے ہیں ۔ اب مشکل یہ ہے کہ مختصر کا کوئی اور نسخہ یہاں موجود نہیں، اس لیے ہمیں پہلی دو صورتوں میں سے کوئی ایک قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ۔

ایلیٹ کے مقابلے میں نساؤلینر صاحب نے دوسری انتہا کو اختیار کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ آرایش محفل کے مصنف نے خلاصة التواریخ کے مضامین کا سرقہ کیا ہے ۔ حالانکہ شیر علی افسوس نے اس کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب خلاصہ پر مبنی ہے ۔ افسوس نے بعض بعض مقامات سے اس کی تصحیح بھی کی ہے اور اس کے مضامین پر اضافہ کیا ہے ۔

خلاصہ کے مضامین : یہ تاریخ قدیم زمانے سے لے کر اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ ابتدا میں ایک پر مغز دیباچہ ہے جس میں مصنف ۲۷ ، ۲۸ کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو ترتیب کے وقت پیش نظر تھیں ۔ اس کی تدوین میں دو سال کا عرصہ صرف ہوا اور ۱۱۰۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ اورنگ زیب کی جانشینی کے ساتھ کتاب دفعتاً ختم ہو جاتی ہے ، لیکن بعض قلمی نسخوں کے آخر میں اورنگ زیب کی تاریخ وفات

۱ ۔ خلاصة (ظفر حسن ایڈیشن) صفحہ ۸ ۔

بھی درج ہے جو الحاق معلوم ہوتی ہے -

سب سے پہلے ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات ، ان کے مختلف فرقوں کے حالات ہیں ، پھر شہروں کے حالات ہیں - اس کے بعد ہندوستان کے صوبوں کا جغرافیائی حال ہے - اس کے بعد یدھشٹر سے لے کر عہد اسلامی تک ہندو راجاؤں کے حالات ہیں - پھر سبکتگین سے لے کر بہلول لودھی تک کے واقعات دیے ہیں - آخر میں بابر سے لے کر اورنگ‌زیب تک مغلیہ سلاطین کے حالات دیے ہیں -

ہندوؤں کا عہد کتاب کے ۱/۳ حصے کے برابر ہے - اس میں ہندوستان کی پیداوار ، مشہور شہروں کا حال اور ہندوستان کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں - مصنف پنجاب کا باشندہ تھا ، اس لیے صوبہ لاہور یا پنجاب کا حال زیادہ مفصل ہے - مغلوں سے پہلے جو سلاطین حکمران رہے ان کا حال بہت معمولی ہے اور چنداں وقیع نہیں - زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے - البتہ شیر شاہ کے حالات میں مصنف نے اپنی آزادی رائے کا کافی ثبوت دیا ہے اور اکبرنامہ وغیرہ کا تتبع نہیں کیا - غزنوی سلاطین میں سے صرف سات کا ذکر کرتا ہے - مغل بادشاہوں کے حالات زیادہ مفصل ہیں ، لیکن شاہ جہاں کا عہد بہت حد تک تشنہ ہے اور ناظرین کو وارث کے شاہ جہاں نامے کی طرف متوجہ کیا ہے - شاہ جہاں کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے جو جنگ ہوئی ، اس کا حال زیادہ مفصل ہے - صوبجاتی آزاد حکومتوں کا ذکر مستقل ابواب و فصول میں نہیں کیا ، بلکہ جس بادشاہ کے عہد میں ان کا الحاق مرکزی حکومت سے ہوا ، اس کے ساتھ ہی ضمنی طور پر ان کا بھی مختصر سا تذکرہ کر دیا گیا ہے - تحریر کا انداز یہ ہے کہ نثر کے ساتھ اشعار اور فرد بہ‌کثرت لائے گئے ہیں اور تاریخی عبارتوں میں بعض غیر متعلق مضامین بھی آ جاتے ہیں جو حقیقت

میں بہت مفید معلومات سے مملو ہوتے ہیں ، اگرچہ تاریخ کے نقطۂ نظر سے یہ انداز نگارش زیادہ پسندیدہ نہیں خیال کیا جاتا ۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں بعض اوقات ایسے بیانات آ جاتے ہیں جن کا تعلق بہت بعد کے زمانے سے ہے ۔ مثلاً برٹش گورنمنٹ کا ذکر ، کلکتے کی عمارتوں کا ذکر وغیرہ ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین الحاقی ہیں ۔

خلاصۃ التواریخ کے دو ضمیمے بھی ہیں جن سے ایک تو جے کشن داس مہرہ کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا کسی غیر معلوم مصنف کا ہے ۔ ان دونوں ضمیموں میں ایک صدی بعد تک کے حالات درج ہیں ۔

خلاصہ کی اہمیت : میجر نساؤلینر[1] اس کتاب کے بے حد مداح ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہندوستان کی بہترین اور عمدہ ترین تواریخ میں سے ایک ہے ۔ ایلیٹ[2] اگرچہ اس کتاب کی قدر و قیمت کے قایل ہیں ، لیکن انہیں یہ شکایت ہے کہ یہ سرقہ ہے اس لیے وہ اس کے متعلق کوئی عمدہ رائے نہیں رکھتے ۔ خان بہادر مولوی عبدالمقتدر خان صاحب بانکی پور لائبریری کی فہرست میں کہتے ہیں کہ جو کچھ اس میں ہے وہ فرشتہ میں بھی ہے ۔ نیز ان کا خیال ہے کہ مصنف نے جتنی کتابوں کو مآخذ میں شمار کیا ہے ، ان سب کو نہیں دیکھا ہوگا ۔ بیورج...لکھتے ہیں :

''یہ نا مناسب نہ ہوگا اگر ہم سجان رائے کو 'ہندی ہیروڈوٹس' کہہ کر پکاریں ۔ اس لیے کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں صحیح اور دل کش تاریخ نگاری کے عناصر موجود ہیں اور

---

۱ - جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (سلسلۂ جدید ، جلد ۳) ۱۸۹۴ء ، صفحہ ۷۳۳-۷۶۸ -

۲ - ایلیٹ ، جلد ۸ ، صفحہ ۵-۱۲ -

دونوں غیر جانب دار مؤرخ ہیں ۔ گارسیں دی تاسی اسی لیے اس کتاب کو فرشتہ پر ترجیح دیتا ہے ۔''

لیکن ہم نہ تو سجان رائے کو ہیروڈوٹس کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور نہ فرشتہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں بلکہ سجان رائے کی تاریخ کی اصلی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ سجان رائے نے فرشتہ سے بہت کچھ اخذ کیا ہے ؛ بلکہ اگر یہ کہیں کہ سب کچھ فرشتہ سے ماخوذ ہے ، تو بے جا نہ ہوگا ۔ لیکن سجان رائے کی جغرافیائی معلومات ، شہروں کے حالات ، ملک کی پیداوار اور اس قسم کی باتیں فرشتہ میں نہیں ملتیں ۔ فرشتہ نے صوبجاتی حکومتوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے ۔ سجان رائے نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کی غرض و غایت اس قدر مختلف ہے کہ ان کا مقابلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ سجان رائے میں آزادیٔ رائے اور دیانت کا جوہر معلوم ہوتا ہے ۔ ایک اور چیز جو اس کتاب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے یہ ہے کہ مصنف کے دل میں اپنی قومیت کا زبردست احساس موجود ہے ، جو باوجود ضبط کے نمایاں ہو کر رہتا ہے ۔ شخصی حکومتوں میں اس خود داری کی توقع بہت کم ہوتی ہے ، لیکن ہمارا مصنف اپنی رائے اور رجحانات کا باقاعدہ اظہار کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں کہا تھا کہ بعض امور ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہندو ہے ۔ حالانکہ ایلیٹ لکھتے ہیں کہ کتاب میں کوئی ایسی چیز نہیں (بجز بکرمی سن کے) جو مصنف کے ہندو ہونے پر دلالت کرتی ہو ۔

مذہب کے متعلق جس طریق سے سجان رائے نے اظہار خیال کیا ہے وہ مسلمانوں کے انداز سے مختلف ہے ۔ راجا ٹوڈرمل کا تفصیلی ذکر ، ہندو عہد کا مبسوط تذکرہ ، یہ سب امور ایلیٹ صاحب کی تردید کر رہے ہیں ۔

پروفیسر سرکار[1] نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے ۔ سیر المتاخرین و اخبار محبت کے مصنفین نے اس کتاب کے اکثر حصوں کو بلا اعتراف اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۱۸ع میں مع حواشی و مقدمہ خان بہادر ظفر حسن خان کی کوششوں سے بہ مقام دهلی طبع ہو چکی ہے ۔

خلاصہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ہندو مصنف کی پہلی قابل قدر ، پر از معلومات اور مفید تصنیف ہے[2] ۔ یہ تصنیف ہندوستان کی اچھی تاریخوں میں شمار ہونے کے قابل ہے ۔ مالی جمع خرچ کے جو اعداد سجان رائے نے دیے ہیں ، ان میں سے بعض تو وهی ہیں جو آئین اکبری میں ہیں اور بعض مصنف نے اپنے زمانے کے مطابق لکھے ہیں ۔ الغرض اس لحاظ سے بھی یہ کتاب جدید معلومات کی حامل ہے ۔

اولیا کے حالات میں اور شہروں کے ذکر میں سجان رائے نے بازاری قصوں اور گپوں پر اعتبار کیا ہے ۔ چڑیلوں اور دیوؤں کے حالات دیے ہیں جو سراسر خلاف عقل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ شیرعلی افسوس نے بھی خلاصہ کے اس پہلو پر بہت نکتہ چینی کی ہے ۔

اس کے باوجود معاشرت اور تہذیب و تمدن کے بہت سے اشارات اس کتاب میں دست یاب ہوتے ہیں جو غالباً اور کتابوں میں نہیں ۔ اس کے ساتھ کتاب مختصر اور دل چسپ ہے ۔

سجان رائے کی تحریر سادہ نہیں اور اس عہد کے عام مؤرخین اور منشیوں کی طرح اس کی عبارتوں میں بھی مشکل الفاظ ملتے ہیں ۔ نثر کے ساتھ ساتھ اشعار بکثرت لائے گئے ہیں ۔

۱ - India of Aurangzeb.

۲ - Encyclopaedia of Islam, Article 'Sujan Rai' by Prof. Mohammad Shafi.

خلاصۃالمکاتیب اور موجودہ تاریخ میں بعض ایسے مشترک محاورات اور تراکیب ہیں جن کا بہ کثرت استعمال کیا گیا ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار کی رائے اس کے انداز تحریر کے متعلق اچھی نہیں ، لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں یہی چیز سب سے زیادہ پسندیدہ خیال کی جاتی تھی تو پھر خلاصۃ التواریخ سے خاص طور پر شکایت نہیں رہتی ۔

بھیم سین ولد رگھونندن داس :

تاریخ دل کشا[1] : یہ تاریخ اورنگ زیب کی تخت نشینی سے لے کر شاہ عالم کے زمانے تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب کا مصنف بھیم سین ولد رگھونندن داس بہ مقام برہان پور ۱۰۵۹ء میں پیدا ہوا اور دیانت رائے عالمگیر شاہی کا بھتیجا تھا ۔ جب بھیم سین آٹھ سال کا ہوا تو وہ اورنگ آباد میں اپنے باپ کے پاس چلا گیا ۔ وہاں فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد اپنے باپ کی جگہ بہ طور قائم مقام کام کرتا رہا اور آخرکار مختلف لوگوں کی ملازمت میں رہ کر دلپت رائے بندیلہ کے ہاں ملازم ہوگیا ۔ دکن کی لڑائیوں میں بہت حصہ لیا ۔ یہ دلپت رائے بندیلہ اورنگ زیب کے ملازمین سے تھا اور محمد اعظم اور محمد معظم کی جنگ میں اول الذکر کا حامی تھا ۔

دل کشا کا مفصل حال پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے ماڈرن ریویو میں لکھا ہے ۔ مصنف نے اپنے خاندان ، اپنی تعلیم اور مختلف حالات زندگی کو اس تاریخ میں اچھی طرح سے بیان کیا ہے ۔ ہم دل کشا کی اہمیت کے متعلق پروفیسر سرکار کی رائے کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں :—

---

۱ ۔ اس کتاب کا حال میں نے سر جادو ناتھ سرکار کے ایک مضمون سے لیا ہے جو انھوں نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے (ماڈرن ریویو ۱۹۱۹ء) جلد ۲۷ ، صفحہ ۱۷ ۔ ریو : جلد ۱ ، ۲۷۱۔

''اگرچہ مآثر عالمگیری جزئی حالات ، افراد و اشخاص کے ذکر اور جغرافیائی بیانات کے لیے بہت مفید ہے ؛ نیز اس میں مختلف منصب داروں کی تفصیل ، ان کے تغیر و تبدل کی کیفیت اچھی طرح سے بیان کی گئی ہے ؛ تاہم مؤرخ مذکور ان واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتا۔ نیز واقعات پر ماحول کے اثرات کو واضح نہیں کرتا اور نہ ملک کی اندرونی معاشرت اور عوام کی زندگی ہی پر کچھ روشنی ڈالتا ہے ۔ ان سب اُمور کے لیے 'تاریخ دل کشا' ایک بہترین مجموعۂ معلومات ہے ۔ کتاب کی اصل قدر و قیمت کا راز اس میں ہے کہ یہ عینی مشاہدات پر مبنی ہے ۔ وہ معمولی باتیں جنھیں درباری تاریخیں اکثر نظر انداز کر دیتی ہیں ، یہاں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہیں ۔ یہ کتاب میلوں ، تفریح کے مشاغل ، سڑکوں کی حالت ، رسوم و رواج ، منصب داروں اور عہدہ داروں کی معاشرت کے اسرار کو نہایت اچھی طرح سے بے نقاب کرتی ہے ۔ دل کشا کا طرز بیان سلیس اور عام فہم ہے ۔ وہ واقعات کے بیان کرنے میں خلط مبحث کا مرتکب نہیں ہوتا جو ایک مؤرخ کا ضروری وصف ہونا چاہیے۔ جے۔ سکاٹ صاحب نے اس کتاب کا ملخص ترجمہ کیا ہے ۔''

نرائن کول عاجز :

تاریخ کشمیر : اس کتاب کا مصنف نرائن کول عاجز[1] تھا جس نے عارف خان صوبہ دار کشمیر کی فرمائش پر ۱۱۲۲ھ میں اسے مرتب کیا ۔ اس سے پہلے کشمیر کی بہت سی تاریخیں لکھی گئی تھیں ۔ یہ کتاب ان پر خاص فوقیت تو نہیں رکھتی لیکن تاریخی مواد کو اس نے نئے انداز سے مرتب کیا ہے ۔ واقعات کشمیر کا

---

۱ ۔ ایشیاٹک ریسرچز (جلد ۵) صفحہ ۲ ۔ براؤن : کیمبرج مخطوطات کی فہرست ، صفحہ ۱۷۷ ۔

درجہ اس سے بہت بلند ہے ۔ اولیا و صلحا و علما کے سوانح کی وجہ سے ملک حیدر کی تاریخ عام لوگوں کے مطالعے کے لیے موزوں نہیں ۔ اس کتاب میں کشمیر کے واقعات کو دل چسپ اور مسلسل تاریخی کہانی کے رنگ میں مرتب کر دیا ہے ۔

اگرچہ اس کتاب کا مصنف دیباچے[1] میں کہتا ہے کہ ''واقعات را بفارسیٔ لچ خالی از تکلیفات مترسلانہ و رعایت اختصار و ایجاز بقلم عجز رقم آوردہ'' لیکن عبارت کوئی زیادہ سہل نہیں ۔ اور کتاب چوں کہ راج ترنگنی کا ترجمہ ہے ، اس لیے اس میں ترجمے کے جملہ نقائص موجود ہیں ۔

انشا اور منشی

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے اس عہد میں فن انشا کو بہت ترقی ہوئی ۔ منشیان عہد میں (جو صاحب تصنیف بھی تھے) ہر کرن، برھمن، مادھو رام، ملک زادہ منشی اور منشی اودے راج (طالع یار) کے نام لایق ذکر ہیں ۔ ان میں سے چندر بھان برھمن بہت نامور ہیں ۔ چناں چہ ان کا مفصل حال آگے آئے گا ۔ باقیوں کے متعلق بھی تفصیل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ جامع‌الانشا بھاگ چند (۱۱۰۰ھ) ، خلاصۃالانشا (۱۱۰۲ھ) ، خلاصۃالمکاتیب سجان رائے (۱۱۱۰ھ) اور شش جہت روپ نراین (۱۱۲۱ھ) کی طرف ضمناً اشارہ کرتے ہوئے اہم منشیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

ہرکرن :

انشاء ہرکرن[2] ، مصنفہ منشی ہر کرن ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی (۱۰۳۱ھ و ۱۰۳۲ھ) ۔ ہر کرن عہد جہانگیر میں نواب

---

۱ ۔ تاریخ کشمیر عاجز (قلمی) ورق ۳ ۔

۲ ۔ ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۵۳۰ ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، مضمون 'ہر کرن' از بلوشے ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۷۷ ۔

اعتبار خاں کا منشی تھا جو ۱۰۳۱-۳۲ھ میں اکبر آباد کا صوبہ دار تھا - یہ کتاب بہت اہم خیال کی جاتی ہے - جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت محسوس ہوئی تھی تو انھوں نے اس انشا کو پیش نظر رکھا تھا - اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا -

چندر بھان برھمن :

منشآت برھمن : چندر بھان کا والد دھرم داس لاھور کا باشندہ تھا[۱] اور ملازمت شاھی میں متصدی تھا - مصنف تذکرۂ حسینی[۲] کا بیان ہے کہ دھرم داس کا وطن اصلی اکبر آباد ہے ، لیکن صحیح یہی ہے کہ چندر بھان لاھور کا باشندہ تھا جس کو غلطی سے بیل صاحب[۳] نے پٹیالہ سے تعبیر کیا ہے - مرآۃالخیال میں اسے 'چندر بھان زنار دار' کے نام سے یاد کیا گیا ہے[۴] -

ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی[۵] - طالبعلمی کے زمانے سے لے کر زمانۂ ملازمت تک کے تفصیلی حالات نہیں ملتے - عمل صالح[۶] میں لکھا ہے کہ برھمن پہلے امیر عبدالکریم میر عمارت لاھور کی ملازمت میں داخل ہوا - چندر بھان کا بھائی اودے بھان شاہ جہان آباد کے ناظم عاقل خاں کے دفتر میں نوکر تھا - سب سے پہلے برھمن کو شاہ جہان سے ملنے کا اتفاق غالباً

---

۱ - عمل صالح (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) ورق ۲۱۳ -
۲ - تذکرۂ حسینی (قلمی) ق ۵۴ -
۳ - بیل کی ڈکشنری مشاہیر (طبع ۱۸۹۴ع) صفحہ ۱۴ -
۴ - مرآۃالخیال (قلمی) ق ۱۴۸ -
۵ - نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ، ق ۹۰ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۳۵ -
۶ - ریو : جلد ۳ - ورق ۲۱۳ -

یہیں ہوا[1] - چندر بھان امیرعبدالکریم میر عمارت کی ملازمت چھوڑ کر کچھ مدت بعد افضل خاں[2] وزیر کل کی ملازمت میں منسلک ہوا ، لیکن افضل خاں کی وفات (۱۰۳۸ھ) نے اسے ایک جاں نثار مربی سے محروم کر دیا - بعد ازاں اس کو شاہی ملازمت میں منشی گری کے کام پر مامور کر دیا گیا تاکہ وزرا اور دیگر افسران اعلیٰ کی تحریری معاونت کرے - دارا شکوہ کو برہمن کی طرز تحریر نہایت پسند تھی - چنانچہ دارا شکوہ کی زندگی میں برہمن اس کا منشی خاص رہا - دارا کے مرنے کے بعد برہمن نے عزلت گزینی کر لی اور بمقام بنارس ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوا[3] -

منشآت برہمن سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر بھان کے تین بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک اودے بھان عاقل خاں کے دربار میں متصدی تھا - باقی دو بھائی رائے بھان و اندر بھان تعلقات دنیوی سے علیحدہ ہو کر فقر و فنا کی زندگی بسر کرتے رہے - برہمن کے تعلقات ان کے ساتھ نہایت خوش آیند تھے - چنانچہ اپنے خطوط میں ان کے متعلق نہایت عزت و احترام کے الفاظ استعمال کرتا ہے -

منشآت میں ایک خط ہے جو برہمن نے اپنے فرزند تیج بھان کے نام لکھا تھا[4] - اس ایک بیٹے کے علاوہ برہمن کی کسی اور اولاد کا حال معلوم نہیں -

بیل صاحب لکھتے ہیں کہ برہمن نے بمقام آگرہ ایک نہایت

---

۱ - نشتر عشق بحوالۂ سابق - برہمن نے چہار چمن میں افضل خاں کی عنایات کا مفصل تذکرہ کیا ہے -

۲ - ایضاً : چہار چمن کے بیان کے مطابق تقسیم اور موازنہ ممالک محروسہ کی خدمت بھی برہمن کے سپرد ہوئی -

۳ - پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ ہے -

۴ - منشآت برہمن (قلمی) ق ۹۶ -

اچھی رہائش گاہ تیار کی تھی لیکن اب اس کے آثار ناپید ہیں[1] ۔ آمرائے ہنود میں لکھا ہے کہ اب تک آگرے میں ایک باغ، باغ چندر بھان کے نام سے مشہور[2] ہے ۔ تفریح العمارات میں برھمن بہت سی عمارتوں کا ذکر ہے ۔

برھمن سلیم المزاج، صوفی مشرب اور صلح کل ہندو تھا ۔ عمل صالح[3] میں لکھا ہے کہ؛ ''ہر چند بصورت ہندوست لیکن دم در اسلام می زند ۔'' اپنی تحریرات میں ہندوانہ مراسم کا نہایت عزت سے ذکر کرتا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو 'زنار دار' کہنا پسند کرتا تھا ۔ آس کی طبیعت میں ایک گداز تھا ۔ کہتے ہیں[4] اس کی آنکھیں ہر وقت تر رہتی تھیں ۔ ابنائے نوع کے ساتھ ہمدردی بے حد تھی ۔ منشآت[5] میں بے شمار ہندوؤں کے نام ملتے ہیں جن کی ہمدردی میں برھمن نے امرا و عائد کو سفارشی خط لکھے ہیں، جن میں ان کے حالات کی پریشانی اور قابلیت پر زور دیتے ہوئے اعانت کی درخواست کی ہے ۔

دارا شکوہ برھمن کی بے حد قدر افزائی کیا کرتا تھا ۔ تذکروں[6] میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ برھمن نے ایک غزل لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا:

مرا دلے ست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برھمن آوردم

دارا شکوہ کو یہ غزل پسند آئی ۔ اس غزل کو لے کر وہ شاہ جہاں کے پاس حاضر ہوا ۔ بادشاہ کی طبیعت اس وقت کچھ آزردہ تھی، یہ شعر سن کر اور مکدر ہوئی ۔ آمرا نے

---

۱ - صفحہ ۱۸۳ - ۲ - بیل بحوالۂ سابق - ۳ - تفریح العمارات (مملوکہ پروفیسر شیرانی) صفحہ ۳۶۶-۲۷۰ - ۴ - عمل صالح بحوالۂ سابق - ۵ - نسخۂ یونیورسٹی لائبریری - ۶ - نشتر عشق وغیرہ ۔

لطائف الحیل سے بادشاہ کو مطمئن کیا اور شاہ زادے سے کہا کہ اس قسم کے اشعار پیش کرنے سے احتراز کیا کرے۔ اگرچہ روایت کی صحت میں کچھ کلام ہے مگر یہ امر مسلم ہے کہ برھمن کو دارا شکوہ کے دربار میں خصوصیت حاصل تھی۔

برھمن کو خط شکستہ میں کمال حاصل[۱] تھا۔ تذکرۂ خوش نویسان[۲] میں اس کے خط کی صفائی کی تعریف کی گئی ہے۔

یہاں تک برھمن کے وہ حالات ہیں جو مختلف تذکروں اور تاریخوں سے جمع کیے جا سکے ہیں؛ اب ہم ان کی تصنیفات کی ایک فہرست دیتے ہیں۔

منشآت کی ابتدا میں برھمن نے اپنی متعدد تصانیف کا نام لیا ہے مثلاً چہار چمن (۲) گلدستہ (۳) تحفۃالانوار (۴) نگارنامہ (۵) تحفۃالفصحا (۶) مجموعۃالفقرا (۷) منشآت اور (۸) دیوان۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور چہار چمن، منشآت اور دیوان ہیں۔ فارسی شعرا کا ایک تذکرہ بھی برھمن کی طرف منسوب کیا جاتا[۳] ہے۔ برٹش میوزیم کی مطبوعہ کتابوں میں 'نازک خیالات' کے نام سے 'آتم بلاس' ایک سنسکرت کتاب کے ترجمے کا ذکر ہے۔ نیز خلاصۃالتواریخ[۴] میں مکالمات بابا لال کو برھمن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چندر بھان کی نمایاں ترین خصوصیت اس کی انشاپردازی ہے۔ چہار چمن کو تاریخی کتابوں میں شمار کیا گیا ہے۔

منشآت برھمن: چندر بھان برھمن کے آن خطوط کا مجموعہ ہے جو اس نے وقتاً فوقتاً شاہ جہاں، امرائے دربار، ہمسران عہد

---

۱ - عمل صالح (قلمی) ق ۷۱۳۔

۲ - تذکرۂ خوش نویسان صفحہ ۵۵ : تفریح العمارات (قلمی، مملوکہ پروفیسر شیرانی) صفحہ ۲٦۷۔

۳ - اورئینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۲۸ع صفحہ ۴۴۔

۴ - خلاصۃالتواریخ صفحہ ٦۸۔

اور اپنے متعلقین کے نام مرقوم کیے۔ یہ زیادہ تر لشکر خاں اور افضل خاں وزیر کل کی طرف لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر سفارشی خطوط ہیں۔ مثال کے طور پر ہیں جن کی قابلیت یا پریشانی حال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے - بھوپت رائے منشی ، خواجہ انند روپ ، ہرناتھ برہمن ، تلسی رام ، خواجہ کہیم داس ، اندر بھان ، دیال داس ، ملا محمد جان قدسی ، گوپال داس منشی ، پران ناتھ وغیرہ۔ ان ناموں کے پیش کرنے سے یہ مقصود ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں ہندو ملازمین اور آن کی فارسی دانی کی تدریجی ترقی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ آخر میں ایک آدھ خط اپنے والد کے نام ہے - چند خطوط اپنے تارک الدنیا بھائیوں (رائے بھان و اندر بھان) کے نام لکھے گئے ہیں - کچھ خطوط اپنے فرزند تیج بھان کو مخاطب کرکے تحریر کیے گئے ہیں جن میں اس کو فارسی عربی میں کمال حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے -

۱ - برہمن کے یہ خطوط تاریخی حیثیت سے چنداں قابل وقعت نہیں البتہ فن انشا کے نقطۂ نظر سے قابل قدر مجموعہ ہے -

۲ - تذکرۂ حسینی[1] کا مصنف لکھتا ہے کہ : ''دیوانے و انشای بسیار سادہ یادگار گزاشتہ -'' عمل صالح[2] میں لکھا ہے کہ وہ اپنی انشا میں ابوالفضل کا مقلد ہے ، لیکن میرے خیال میں یہ بیان صحیح نہیں - برہمن کا انداز نہایت سادہ ہے - بہ خلاف اس کے ابوالفضل نے فارسی میں نہایت مشکل اور پیچیدہ انداز تحریر کو عروج کمال پر پہنچا دیا تھا - اس میں شبہ نہیں کہ برہمن کے سامنے ابوالفضل کی انشا موجود ہوگی ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوانہ افتاد طبع کے باعث وہ مشکل نگاری سے متنفر ہے -

---

۱ - تذکرۂ حسینی (قلمی) ق ۵۳ -

۲ - ق ۱۳ ۷ -

اس میں شک نہیں کہ وہ محمد صالح[1] کے بیان کے مطابق ترسل و انشا میں مہارت رکھتا ہے اور اس کو نامہ طرازی اور مدعا پردازی پر پوری قدرت تھی لیکن اس کے باوجود اس کا انداز بالکل سادہ، تکلف و اغراق سے پاک، مسلسل استعارات و تشبیہات سے خالی ہوتا ہے۔ کلمات الشعرا[2] کے مصنف کا بیان ہے کہ ''بطرز قدیم، شستہ و صاف، در ہندوواں غنیمت بود۔'' میرے خیال میں اس کے سب سے مشکل خطوط وہ ہیں جو اس نے تیج بھان اور اپنے تارک‌الدنیا بھائیوں کو لکھے ہیں۔ اگر ان کو غور سے دیکھا جائے تو ابوالفضل وغیرہ کی نہایت ہی خفیف جھلک دکھائی دیتی ہے، لیکن ہم یہ فتویٰ کبھی نہ دے سکیں گے کہ اس کا انداز تحریر مشکل ہے، اور بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلستان کی عبارت کا پرتو ہے۔ مثلاً ''چون جان بخشی او فرمودہ اند نان بخشی او کم از جان بخشی نیست۔'' وغیرہ وغیرہ۔ (۲) ''رائے صائب رائے من، ہر چندکم تر یاد می فرمایند، بیشتر بیاد می آیند۔''

۳۔ سادگی کے علاوہ ایک اور امر قابل غور ہے کہ اس کے رسایل و رقعات نہایت مختصر ہیں۔ القاب و آداب میں شان و شوکت نہیں بلکہ اس کی جگہ سلاست اور سادگی پائی جاتی ہے۔ اگر ایک طرف ابوالفضل، ملا عنایت اللہ کنبوہ، ملا منیر اور دوسرے منشیان عہد کے خطوط رکھیے اور دوسری جانب برہمن کے، تو یقیناً دور حاضر کا ایک تعلیم یافتہ آدمی برہمن کے خطوط کو بلحاظ سادگی اور ایجاز کے ترجیح دے گا۔ مثال کے طور پر ذیل کے القاب جو مختلف الحال مکتوب الیہ کی طرف لکھے گئے ہیں، لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) افضل خان کے نام = خان شہامت نشان سلامت[3]

۱۔ عمل صالح (قلمی) ق ۷۱۷۔

۲۔ کلمات الشعرا (قلمی) ق ۹۔

۳۔ یہ سب اقتباسات منشآت برہمن سے لیے گئے ہیں۔

(۲) افضل خاں نام کے = نقادۂ دودمان مجد و اعتلا
(۳) راجا ٹوڈرمل شاہ جہانی کے نام = راجہ والامنزلت سلامت
(۴) راجا لعل چند کے نام = رائے صاحب رائے من
(۵) والد کے نام = قبلۂ حقیقی سلامت
(٦) بھائی کے نام = بردار غمخوار من
(۷) فرزند کے نام = معلوم فرزند ارجمندخواجہ تیج بھان باد

۴ - تحریر میں ہندوانہ عقاید کا رشتہ نہیں چھوڑتا - مثلاً یہ لکھنا ہو کہ ''فلاں کہ نشان عبادات و اطاعت برجبیں و رشتۂ عقیدت در گلو دارد -'' برہمن اکثر مقامات پر اسے یوں ادا کرتا ہے : ''برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبین و زنار عقیدت در گلو دارد -'' اس کا ایک شعر ہے :

مرا برشتۂ زنار آلفتے خاص است
به یادگار من از برہمن ہمیں دارم

منشی مادھو رام[1] :

الشاء مادھو رام : مصنفہ مادھو رام (تقریباً ۱۱۲۰ھ) - یہ اورنگ زیب کے زمانے میں لطف اللہ خاں[2] نائب صوبہ دار لاہور کا منشی تھا - کچھ عرصے کے لیے وہ شاہ زادہ جہاں دار شاہ کا ملازم بھی رہا - اس کتاب کو بھی بہت شہرت حاصل ہے حالانکہ اس کا انداز بیان نہایت تکیف دہ اور ناگوار سا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادھورام اپنے آقا کی انشا سے بہت متاثرتھا - مآثرالامرا[3] میں لطف اللہ خاں کے متعلق لکھا ہے :

''محاورہ و مکالمہ بالفاظ غیر مانوس (کہ محتاج بفرہنگ و قاموس

---

۱ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال فہرست مخطوطات - ایوناف (کرزن کالیکشن) عدد ۱۵۰ -
۲ - مآثرالامرا ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۶۱ -
۳ - مآثرالامرا ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۶۵ -

بودے و آں دور از سلاست و روانی ست) بسیار داشت ۔ عبارت ہاے ساختہ و تراکیب بہ تکلف تراشیدہ وے زبان زد مردم ست ۔''

ہم یہاں مادھو رام کی انشا[1] سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں :

''زمام اہالی مہام انام، بقبضۂ اقتدار آں مرجع خاص و عام باد بعد از شوق و غرام ، ادعیہ اجابت التیام ، توسن خوش خرام ، جامۂ مشکفام ، بوجہہ مدعا طرازی سبک گام می گردد کہ در سوابق ایام خطے مشعر استعلام خبرخیر انجام خدام ذوی‌الاحترام سیٹھ بینی رام بخیر ارقام درآمدہ ۔ جوابش با وصف مبالغہ و ابرام بتعاقل آں سلیم‌الطبع موزوں کلام کہ ازیں رہ گزر خاطر مستہام مورد اقسام تردد و آلام می باشد ۔''

اس اقتباس میں مہام، زمام، التیام وغیرہ ہم قافیہ الفاظ کی رعایت خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے جو یقیناً سلاست اور روانی میں سد راہ ہے ، اگرچہ اس سے ذخیرۂ الفاظ کی فراوانی کا پتا چلتا ہے ۔ یہ انشا گزشتہ صدی تک بطور نصاب پڑھائی جاتی رہی ہے ۔

ملک زادہ منشی :

نگارنامہ[2] : مصنفہ ملک زادہ منشی (۱۰۹۰ھ) ۔ یہ عہد شاہ جہانی کا ایک منشی تھا ۔ غالباً مصنف کا نام منشی لعل چند تھا ، لیکن عام طور پر اس کو ملک زادہ ہی کہا جاتا ہے ۔ منشی موصوف مدت تک شہزادۂ معظم کے پاس ملازم رہا ۔ کچھ عرصے تک بشارت خاں کا متصدی رہا ۔ نگارنامہ اور کارنامہ کے آغاز میں مصنف نے اپنے حالات مفصل دیے ہیں ۔

---

۱ ۔ نسخہ پنجاب یونیورسٹی (قلمی) ق ۶۷ ۔

۲ ۔ ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۹۸۵ ۔ بانکی پور فہرست ، جلد ۹ ، عدد ۸۷۹ ، صفحہ ۱۰۶ ۔

نگارنامه دو دفاتر پر مشتمل ہے - پہلے دفتر میں اپنی منشآت ھیں اور دوسرے دفتر میں دوسرے منشیوں کی تحریرات ھیں - اس کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دیباچے میں بعض اہم مضامین پر بحث ہے۔ مثلاً انشا کا مقصد، اس کی غرض و غایت، اس کی ترقی اور عروج، هندوستان کے بہترین منشی، عہد شاہ جہانی اور عالمگیری کے اعلیٰ انشانگار، منشی کے فرائض، اس کی ضروریات وغیرہ پر پوری بحث ہے -

نگار نامے میں عہد عالمگیری کی بعض اہم دستاویزات محفوظ ھیں جن کی وجہ سے یہ نسخہ بہت قابل قدر بن گیا ہے -

منشی اودے راج :

هفت انجمن[1]: مصنفہ منشی اودے راج رستم خانی (۱۱۱۰ھ)— منشی اودے راج اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمان ہو گیا تھا - نگارنامے میں منشی اودے راج کو اعلیٰ منشیوں میں شمار کیا گیا ہے - اس انشا کی ترتیب اودے راج (طالع یار) کے فرزند حمایت یار کے ہاتھوں عمل میں آئی - هفت انجمن سات ابواب پر منقسم ہے - سب سے ضروری حصہ وہ ہے جس میں مرزا راجا جے سنگھ کے خطوط ھیں - سر جادو ناتھ سرکار نے اس کتاب کو مرہٹوں کی لڑائیوں اور مرزا راجا جے سنگھ کے حالات کے لیے بہت مفید پایا ہے - طالع یار کا انداز بیان نہایت عمدہ ہے البتہ حمایت یار کا دیباچہ تصنع اور تکلف سے خالی نہیں -

منشی اودے راج پہلے رستم خان فیروز جنگ کا سکریٹری تھا (مقتول ۱۰۶۲ھ مآثرالامرا ، جلد ۲، صفحہ ۲۷۰)- رستم خان کے قتل ہونے کے بعد مرزا راجا جے سنگھ کا ملازم ہو گیا (مآثرالامرا ، جلد ۳ - صفحہ ۵۶۸) جو ۱۰۷۷ھ میں راہ گرائے عالم فانی ہوگیا - اس کے بعد اودے سنگھ نے اسلام قبول کر لیا - اس کا اسلامی نام

---

۱ - اس کا ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں ہے -

'طالع یار' قرار پایا ۔ عالمگیر نے اسے اعلیٰ منصب پر فائز کیا ۔ سید محمد قنوجی کے مریدوں میں منسلک ہو کر اس نے اپنے آپ کو قادری سلسلے میں شامل کر لیا ۔ ۱۰۸۶ھ میں اس کی وفات ہوئی ۔ کتاب کے مضامین کی فہرست یہ ہے :

۱ ۔ مراسلات رستم خان بخدمت شاہ جہان

۲ ۔ مراسلات راجا جے سنگھ بخدمت اورنگ زیب بعد از جنگ اجمیر

۳ ۔ مراسلات جے سنگھ بخدمت اورنگ زیب در مہم دکن

۴ ۔ رستم خان بخدمت شاہزادگان شاہ جہان

۵ ۔ رستم خان و جے سنگھ بنام امرائے شاہ جہانی و عالمگیری

۶ ۔ ایضاً

۷ ۔ اودے راج کے ذاتی خطوط

ان بڑے منشیوں کے علاوہ ولی بنوالی داس، لچھمی نرائن[۱] (جس نے شاہ نامے کا خلاصہ کیا ہے) اور وامق کھتری اس زمانے کے اعلیٰ منشی تھے ۔ وامق مسلمان ہو کر اخلاص خان کے نام سے موسوم ہوا ۔ اورنگ زیب اس کی انشا کی بہت تعریف کیا کرتا تھا ۔ مصنف نگار نامہ نے سیتل سنگھ اور پنڈی داس دو منشیوں کا ذکر کیا ہے جو اس زمانے سے متعلق تھے اور بہت اچھے انشا پرداز تھے ۔

شعرا

منشی چندر بھان برہمن :

یہ ہندوستان کے بہترین ہندو شعرا میں سے تھا ۔ برہمن کو عام طور پر دوسرے درجے کا شاعر سمجھا جاتا ہے ، لیکن حقیقت

---

۱ ۔ معارف ۱۹۱۸ع ۔

یہ ہے کہ اس کے اشعار کی شیرینی اور لطافت عہد شاہ جہانی کے اچھے شعرا کے لگ بھگ ہے ۔ سادگی اس قدر ہے کہ اس زمانے میں کسی کے ہاں نہیں ملتی ۔ یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں نے برہمن کو پسند نہیں کیا ، لیکن یہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر ہم برہمن کو عہد شاہ جہانی کا پسندیدہ شاعر مانتے ہیں ۔ صائب نے اس کے اشعار کو اپنی بیاض میں درج کیا ہے اور یہ سب سے بڑا اعتراف ہے جو ایک شاعر کی جانب سے دوسرے شاعر کے حق میں ہو سکتا ہے ۔

دیوان برہمن : برہمن نے اور کتابوں کے علاوہ ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے ۔ نشتر عشق[1] کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن نے ایک دفعہ اپنے دیوان کے کئی نسخے نہایت عمدہ خط میں لکھوائے اور ہر ہر صفحے کو نہایت اعلیٰ بیل بوٹوں کے ساتھ آراستہ کیا اور پھر نہایت نفیس جلد بندی کرکے ایران و توران وغیرہ بیرونی ممالک کے علما و شعرا کے پاس بغرض انتخاب روانہ کیا ۔ لیکن ان علما کی ستم ظریفی یا بے ذوق کا برا ہو کہ انہوں نے کتاب کی مطلا جلد اور آراستہ بیل بوٹوں کو اس کی طرف واپس بھیج دیا اور دیوان یعنی متن کو ضایع کر دیا ۔ اس حکایت کی صحت اور درستی کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ، لیکن اس افسانے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برہمن نے اپنا دیوان اپنے جیتے جی مرتب کر لیا تھا ۔ دیوان کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے ۔ یہ دیوان غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے ؛ قصاید موجود نہیں ، البتہ غزلیات میں بعض مدحیہ قطعات موجود ہیں ۔ مثلاً

چراغ بزم شہنشاہ شد چناں روشن
کہ شد ز پرتو آں چشم آسماں روشن

---

۱ - نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ، ق ۹۰ ۔

برھمن کی نمایاں شاعرانہ خصوصیت سادگی کلام ہے ۔ دیوان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ برھمن کا کلام اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا تھا ۔ عشق کی کیفیات ، محبت کی صعوبتیں ، تصوف کی منزلیں ، وحدۃ الوجود کے مسائل برھمن کے کلام میں اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح مسلمان شعرا کے کلام میں ہیں ۔

ہندوؤں میں برھمن شاید سب سے پہلا باکمال شاعر تھا جس نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے ۔ ہمارے تذکرہ نویسوں نے برھمن کے کلام میں سے صرف چند اشعار کا انتخاب کیا ہے ، لیکن پہلا نامور ہندو شاعر ہونے کے لحاظ سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے خیالات کا پورا پورا اندازہ کرنے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کی جائیں :

هر که دارد هوس عشق ، نشانے با اوست
چوں گل لاله به دل داغ نهانے با اوست
در جهان باش و لیکن ز جهان فارغ باش
هر که فارغ ز جهانست جهانے با اوست
مرد را سود و زیاں در نظر آید یکساں
هر که شد در گرو سود زیانے با اوست

وحدۃ الوجود : بانی خانه و بت خانه و مے خانه یکیست
خانه بسیار ولے صاحب هر خانه یکیست

بے ثباتی عالم : بنائے قصر جهاں را ثبات ممکن نیست
به جز اساس محبت که دیر بنیاد ست

راستی : راستی نیست ایں که دارد سرو
راست گویم که راستی دگر ست

عمر : خواهی که کنی از روش عمر تماشا
یک لحظه برهمن به سر جو شده بنشیں

اهل کمال کی پریشانی : بس که طبع شگفته داریم
لاجرم هم چو گل پریشانیم

خال رخ یار : آں نکته که خال نام دارد
از روے تو انتخاب کردیم
ترک مدعا : برهمن ار نکند یاد مدعا چه عجب
که مدعا همه در ترک مدعا باشد
کمر : دریں خیال چو مو گشتم و ز شوق هنوز
خیال موے میان تو از میاں نه رود
تخیل : بنا زم آں سر زلف سیه که نیم شبے
چو در خیال من آید ، شبم دراز کند
وحدة الوجود : گل یکے خار یکے شاخ یکے تاک یکے ست
نزد ارباب نظر هر خس و خاشاک یکے ست
محبت : دل درختے است عشق پرورده
از محبت همیشه بـارور ست
برهمن اور رشتهٔ زنار : مرا به رشتهٔ زنار الفتے خاص ست
به یادگار ، من از برهمن همیں دارم

ما حال دل خویش نهفتیم و نه گفتیم
شب تا سحر از درد نه خفتیم و نه گفتیم
با رشتهٔ مژگاں همه شب دانهٔ اشکے
از غیر نهاں داشته سفتیم و نه گفتیم
در راه محبت به خیال قدم او
هر مرحله را با مژه رفتیم و نه گفتیم
در سینهٔ خود راز غم عشق برهمن
چوں غنچه بصد پرده نهفتیم و نه گفتیم

رباعی

ما پست و بلند روزگاراں دیدیم
ما فصل خزاں و نو بهاراں دیدیم
در راه طلب دو اسپه می باید تاخت
ما تاختن شاه سواراں دیدیم

مرآۃ الخیال[1] کے مصنف نے سارے دیوان میں سے یہ غزل پسند کی ہے :

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگاں را
بمشت خس نتواں بست راہ طوفاں را
شبے خیال تو آمد بخواب آسودیم
دگر ز ہم نکشودیم چشم گریاں را
برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہاں را

ہندو - متھرا داس[2] :

یہ شاعر زیادہ مشہور نہیں - انڈیا آفس لائبریری میں اس کا قلمی دیوان موجود ہے - باڈلین لائبریری میں اس کی ایک مثنوی 'لیلی مجنوں' کا پتا چلتا ہے - اس کے علاوہ اس کی طرف خسرو شیریں بھی منسوب کی جاتی ہے - اس شاعر کا تذکرہ 'گل رعنا' میں بھی ہے - شاہ جہاں کے زمانے میں خان زمان صوبہ دار بنگال نے اسے قید کر لیا تھا - شاعر نے ایک قطعہ حکیم رکنا کاشی کے نام روانہ کیا - لیلی مجنوں کا جو نسخہ باڈلین لائبریری میں ہے ، اس کا سن کتابت ۱۰۵۵ھ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر شاہ جہاں کے اوائل زمانہ میں عالم شباب کو پہنچ چکا تھا - دیوان میں غزلیات ، رباعیات اور فرد ہیں - تصانیف کے اعتبار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اچھا شاعر ہوگا ، لیکن چوں کہ ہم نے اس کی کسی تصنیف کو نہیں دیکھا ، اس لیے اس کے متعلق قطعی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے -

---

۱ - مرآۃ الخیال (قلمی) ق ۱۴۸ -

۲ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۳) ، انڈیا آفس ، عدد ۱۵۵۹ - باڈلین عدد ۱۱۰۱ -

سالم کشمیری :

محمد اسلم سالم[۱] : یہ دراصل کشمیری برہمن تھا ؛ ملا محسن فانی کی کوشش سے مسلمان ہوا ۔ وہ محمد اعظم کی سلک ملازمت میں منسلک تھا ۔ ایک مثنوی 'اعظم شاہ' کے نام پر لکھی جس کا ایک نسخہ باڈلین لائبریری میں موجود ہے ۔ محمد اعظم کی وفات پر محمد معظم شاہ عالم کے وقایع نگار کی حیثیت سے کشمیر چلا گیا ۔ ۱۱۱۹ھ اور ۱۱۳۰ھ کے درمیان وفات ہوئی ۔

سالم کو دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے ۔ اس کا پورا دیوان موجود ہے جس میں بعض بعض نہایت شستہ اور اعلیٰ اشعار پائے جاتے ہیں ۔ اس کی دو مثنویاں بھی ہیں :

(۱) گنج معانی (۲) مثنوی اعظم شاہ

بانکی پور لائبریری میں بعض اور مختصر سی مثنویاں بھی ہیں ۔ اس کی شاعری میں اسلام کی محبت ، تصوف کی طرف توجہ اور خیالات میں تفلسف کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ حسن تعلیل و ایہام کی بہت کثرت ہے ۔ اس کی شاعری کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے :

در دیدہ بدل درد تو داریم چوگرداب
پیچیدہ تر آید نگہ از چشم تر ما
سالم چو فتد قطرہ بدریا نتواں یافت
ما بے خبرانیم ، کہ یابد خبر ما ؟

ہم چو ریگ شیشۂ ساعت بطوف کوے دل
سالم از خود می رویم وجاے خود وا می کنیم

---

۲ - نشتر عشق (قلمی) ، جلد ۱ ، ق ۲۳۷ : گل رعنا (بانکی پور جلد ۸ ، صفحہ ۸۹) - باڈلین عدد ۱۱۶۷ ، بانکی پور ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۹۳ -

سایۂ افتادۂ بے یار و بے یاور منم
سایہ ہم دارد کسے ، از سایہ بیکس تر منم

در خمار توبہ ام ساقی ندانم چون کنم
ہر چہ می‌خواہد دلم گویا نمی خواہد دلم

سالم از درد تو گر گوش عزیزاں دور است
دست بر دل نہ و در کلبۂ احزاں بنشیں
پائے چوں شمع بہ ہستی زدہ خنداں بنشیں
منشیں با خود و با آتش سوزاں بنشیں

شوم موج ہوا در باغ و برگردسرت‌گردم
چو شاخ گل در آغوشم مگر بے اختیار آئی

رباعی

ایں عمر کہ رشتہ تاب دام اجل ست
خوابیست پریشاں کہ درو صد خلل ست
ویں دل کہ درون سینہ دارم ہیہات
چوں شیشۂ ساعت ہمہ طول امل است

بنوالی داس ولی :

داراشکوہ کا ملازم تھا ۔ ولی کی بہت سی مثنویاں ملتی ہیں ۔ مثلاً بحر عرفان وغیرہ جو اکثر متصوفانہ خیالات کی حامل ہیں ۔ شاعری کے لحاظ سے زیادہ بلند نہیں معلوم ہوتیں ۔

ان اکابر شعرا کے علاوہ وامق کھتری ، مخلص (گلاب رائے ولد گرداس) لچھمی نرائن بھی شاعر تھے ۔ مخلص عہد عالمگیری میں نواب زبردست خاں کا ملازم تھا ۔ اس کا حال سفینۂ خوش‌گو میں درج ہے ۔ لچھمی نرائن نے ۱۰۳۰ھ میں شاہ نامے کا خلاصہ تیار کیا ۔ وہ شاہ زادہ بیدار بخت کے یہاں پیش کار تھا ۔

تراجم

سنگھاسن بتیسی کے بہت سے ترجمے ہوئے - جہانگیر کے عہد میں (۱۱۱۹ھ) بھارامل[1] کوتری نے سب سے پہلا ترجمہ کیا - اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔انڈیا آفس میں اس نسخے کے علاوہ ایک اور ترجمہ ہے جو کشن داس ابن ملوک چند تنبولی نے کیا ہے - یہ شخص لاہور کا باشندہ تھا اور نواب جاراللہ امیرالامرا کا ملازم تھا، اس لیے اس کا نام 'کشن بلاس' رکھا گیا ہے - اس کا ایک اور نسخہ بترامیم برٹش میوزیم میں ہے -

شاہ جہاں کے عہد میں اس کا ایک اور ترجمہ ابن ہرکرن نے کیا - ریو نے بسبب رائے بن ہری گرب داس کایتھ کے ترجمے کا بھی ذکر کیا ہے - یہ چتر بھوج اور بھارا مل کے نسخوں کا مرکب سا ہے - اس کی تصنیف کی تاریخ ۱۰۶۱ھ یا ۱۰۶۲ھ ہے -

رامائن کے مختلف تراجم[2] :

(أ) گردھر داس کایتھ دھلوی، جس نے ۱۰۳٦ھ میں رامائن کا ترجمہ مثنوی میں کیا -

(ب) چندر من نے ۱۰۹۷ھ میں ترجمہ کیا -

(ج) دیبی داس کایتھ نے بھی اسی زمانے میں ترجمہ کیا -

(د) امر سنگھ منشی نے ۱۱۱۷ھ میں یعنی اورنگ زیب کے آخری سال میں اس کا ترجمہ کیا جس کا نام 'امر پرکاش' رکھا -

گلزار حال[3] : پربھودہ چندرو ناٹک کا ترجمہ بنوالی داس نے ۱۰۷۳ھ میں کیا -

---

۱ - انڈیا آفس - عدد ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰ - ریو : جلد ۲ - صفحہ ۷٦۳ - ۲ - ریو، جلد ۱، ۱۵٦ -

۳ - ریو : جلد ۳، صفحہ ۱۰۴۳ -

نازک خیالات : برھمن نے آتم بلاس کا ترجمہ کیا ۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کی مطبوعات میں موجود ہے ۔

قصص

کشایش نامہ[1] : مصنفہ راج کرن (۱۱۰۰ھ) ۔ یہ چھ کہانیوں کا مجموعہ ہے ۔

تحفۃ الحکایات[2] : مصنفہ برھمن حصاری (قبل ۱۱۲۳ھ) ۔

کارنامہ[3] : ملک زادہ منشی (مصنف نگار نامہ) ۔

دیگر فنون

بدیع الفنون[4] : مصنفہ دھرم نرائن (۱۰۷۴ھ)۔ اس میں حساب ہے ۔ اس کے نو باب ھیں ۔ بعض جگہ مصنف کا نام میدنی مل یا مداری مل بھی دیا گیا ہے ۔ شاید یہ دو مختلف شخص ھوں ۔

فرس نامہ ھندی[5]: (قبل از ۱۰۵۴ھ) ۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ۔ سید عبداللہ فیروز جنگ کے حکم سے ھندی سے ترجمہ ھوا ۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ ھو چکا ہے ۔

---

۱ ۔ ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۶۷ ، انڈیا آفس عدد ۸۲۵ ۔

۲ ۔ انڈیا آفس ۸۲۷ ۔

۳ ۔ اس کا ایک نسخہ پبلک لائبریری میں موجود ہے ۔

۴ ۔ انڈیا آفس عدد ۲۲۵۹ ۔ آصفیہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۸۰۶ ۔ ٹیپو سلطان لائبریری ، صفحہ ۹۱ ۔

۵ ۔ ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۴۸۲ ۔ کوہن ھیگن صفحہ ۱۶ ۔ باڈلین عدد ۱۸۶۴ ۔

چوتھا باب

مغلوں کا انحطاط

(از ۱۱۲۴ھ تا ۱۲۲۱ھ)

ہندوؤں کے فارسی ادب کا زمانۂ شباب

اس باب میں ہم ۱۱۲۴ھ سے ۱۲۲۱ھ تک کے ادب سے بحث کریں گے - گزشتہ باب میں ہم نے جہانگیر سے شاہ عالم اول تک کے ادب کا حال بیان کیا تھا - اب شاہ عالم اول سے لے کر شاہ عالم ثانی کے عہد تک جو ادب پیدا ہوا ، اُس کا ذکر کریں گے - اورنگ زیب کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد مغلوں کی عظیم الشان حکومت بہت سے حصوں میں منقسم ہو گئی - مرکزیت کمزور ہو گئی اور صوبجاتی حکومتوں نے آزاد سلطنتیں قایم کر لیں - تاہم مغلوں کی گزشتہ شان و شوکت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا - محمد شاہ کے زمانے میں کسی حد تک 'عہد زریں' کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی - اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہ تھی تاہم ابھی مغلوں کا دربار علم و فن کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور تعلیم یافتہ ہندو ملازمین پہلے سے زیادہ شاہی ملازمتوں میں موجود تھے- اس لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ مغلوں کے انحطاط کے زمانے میں بھی ہندوؤں نے فارسی ادب کے پیدا کرنے میں پہلے کی نسبت کوئی خاص کمی نہیں کی ، بلکہ اس عہد میں پہلے سے کہیں زیادہ جوش کے ساتھ کتابیں لکھی گئیں - ہندوؤں کا ادب جیسا کہ ہم آئندہ چل کر یہ بتلائیں گے ، حکومت کے ملازموں کا پیدا کردہ ادب ہے اور

اس وقت تک کم نہ ہو سکتا تھا جب تک ایسے ناگزیر واقعات پیش نہ آ جاتے جن سے مجبور ہو کر ہندو مغلوں کی ملازمت ترک کر دیتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب ہندو سرکاری ملازمتوں میں اس درجہ دخیل ہو چکے تھے کہ ان کے بغیر انتظام حکومت کا چلنا مشکل تھا۔ بڑے بڑے راجے ، وزیر ، دیوان ، سپہ سالار ، ہواخواہان سلطنت میں شامل تھے اور ان میں علم اور علمی سرپرستی کا وہ ملکہ موجود تھا جو مسلمان امیروں کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر محمد شاہ کے دربار میں مرزا راجا جے سنگھ ایک امیر اپنی جرأت و ہمت سے کہیں زیادہ علم نجوم میں مہارت کی بدولت شہرت رکھتا ہے۔ یہ شخص علم کا قدر داں تھا اور اس نے جس کاوش اور محنت سے اپنا رصد خانہ تیار کیا اس سے اس کی تحقیق و تدقیق کے شوق کا پتا بہ خوبی چلتا ہے۔ بڑے امرا کے علاوہ معمولی ملازمین کا ذکر آئندہ اوراق میں بہ کثرت نظر سے گزرے گا۔

شاہان اودھ کا دربار :

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے مغلوں کی مرکزی سلطنت میں انحطاط کے آثار رونما ہوتے ہی اطراف و اکناف ملک میں آزاد حکومتیں قایم ہو گئیں۔ ان حکومتوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہر چیز میں مرکزی سلطنت کے ساتھ مشابہت پیدا کریں ، اس لیے لوازم شان و شوکت کے علاوہ علوم و معارف کی حوصلہ افزائی اور آب یاری میں بھی وہ مغلوں کی مثال کو سامنے رکھتے تھے۔ چناں چہ ان آزاد حکومتوں کے قایم ہوتے ہی لکھنئو ، حیدرآباد ، عظیم آباد ، مرشد آباد وغیرہ اکثر مقامات میں علمی مراکز قایم ہو گئے۔ شمالی ہندوستان میں سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان حکومت شاہان اودھ [۱] کی تھی جہاں

---

۱ - اودھ کے حالات تاریخ اودھ ، نجم الغنی اور عمادالسعادت (قلمی) آزاد بلگرامی سے لیے گئے ہیں۔

بہت سے علما و شعرا اکثر موجود رہتے تھے - شاہان اودھ کے دفاتر میں فارسی داں ہندو بہ تعداد کثیر ملازم تھے - معمولی منشیوں سے لے کر دیوان اعلیٰ کے مناصب پر ہندو تعلیم یافتہ متمکن تھے - علی الخصوص بیت الانشا اور دارالانشا تو ہندوؤں کا خاص محکمہ تھا ، یہاں تک کہ اٹھارویں انیسویں صدی میں لفظ 'منشی' کا اطلاق عموماً فارسی داں ہندوؤں ہی پر کیا جاتا تھا - اس عہد میں جو ہندو دیوان ، ناظم ، وزیر ، بخشی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوئے ، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

نول رائے (بخشی صفدر جنگ) ، راجہ بینی بہادر (مدار المہام شجاع الدولہ) ، راجہ ٹکیت رائے (مہتمم دیوانی آصف الدولہ) ، راجہ نول کشن ، راجہ پڑ چند ، راجہ میوہ رام (بہ عہد نصیرالدین حیدر) ، امرت لعل (عرض بیگی غازی الدین حیدر) ، منشی جوالا پرشاد وقار (منشی الممالک نصیرالدین حیدر) ، راجہ رتن سنگھ زخمی ، راجہ کندن لال اشکی ، منشی صاحب رام خاموش وغیرہ - ملک کے نظم و نسق پر یہی لوگ حاوی تھے اور بلا شائبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں جو اقتدار انہیں حاصل تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوگا - یہ لوگ اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ ، انتہائی درجے کے با مذاق ، ذوق سخن سے آشنا ، نکتہ پرور اور نکتہ سنج ہوتے تھے - بہ یک وقت صاحب سیاست اور صاحب قلم تھے - کہتے ہیں کہ نواب سعادت علی خاں نے اپنی مملکت میں ایک دفعہ شراب کی ممانعت کر دی تو صاحب رائے خاموش نے ، جو دفتر بخشی گری کے منتظم تھے ، ایک عرض داشت بدیں الفاظ لکھی :

قرق ہے ایام ہولی میں کہو کیا کیجیے
جی میں آتا ہے کہ اس صورت میں کنٹھی لیجیے
گر تماشا کابتھوں کا دیکھنا منظور ہو
شاہ! دو دن کے لیے ہم کو اجازت دیجیے

اس پر نواب سعادت علی خاں نے لکھا :

محتسب را درون خانه چه کار

غرض آں که اودھ کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے که تعلیم یافته ہندو اودھ کے نظم و نسق پر چھائے ہوئے تھے اور ان میں فارسی علم و تعلیم کا بہت چرچا تھا -

مملکت حیدر آباد :

لکھنئو کے بعد حیدر آباد[1] کا نمبر آتا ہے - ذیل کے اوراق میں ہم مصنفین کی جو فہرست پیش کریں گے ، ان میں معتدبه تعداد ملازمین مملکت حیدر آباد کی ہے - سب سے نامور اور مہتم بالشان شخصیت جو اس عہد میں گزری ، وہ لچھمی نرائن شفیق کی ہے - مہاراجه چندو لال ایک علم دوست امیر تھا - راجه گردھاری پرشاد باقی قدر دان علم ہونے کے علاوہ خود ایک پرگو ، طومار نویس مصنف بھی تھا - ہندوستان میں نظام کی مملکت علم پروری کے اعتبار سے کسی تعارف کی محتاج نہیں - اس سے عہد ماضی کے علم و ادب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے - زیر بحث عہد میں راجه نرندر بہادر ، راجه گوبند بخش بہادر ، راجه رام راؤ ، رائے بالا پرشاد ربط ، رائے منا لال بعض اہم شخصیتیں تھیں جن کی ذات میں علم اور سیاست دونوں جمع تھے -

مرہٹے اور فارسی ؛

کرناٹک کے ہندو ملازمین نے بھی تھوڑی بہت تصانیف یادگار چھوڑی ہیں - مرہٹوں کے متعلق صاف طور پر معلوم نہیں ہو سکا که انہوں نے کس حد تک فارسی زبان کی سرپرستی کی - بہت کم مرہٹے مصنف کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے ہیں - اس میں شک نہیں که فارسی مرہٹه حکومت کی درباری زبان تھی ، مگر وہ زیادہ تر اس لیے که فارسی کی گزشته عظمت اور صوبجاتی

---

۱ - حیدرآباد کے حالات گلزار آصفیه سے لیے گئے ہیں -

زبانوں کی تنگ دامانی کی وجہ سے یہ اس کسی حد تک ناگزیر تھا کہ فارسی ہی کو سیاسی زبان کے طور پر باقی رکھا جائے ۔ لہٰذا مراسلات و مکاتیبات فارسی میں ہوتے تھے ۔ معاہدات وغیرہ کی زبان بھی فارسی تھی ۔ اگر مرہٹہ حکومت کے نظام سلطنت پر نظر ڈالی جائے تو بالکل مغل طرز حکومت کی نقل معلوم ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر یہ الفاظ ملاحظہ ہوں :

پیشوا	یعنی	وزیر
مجموعہ دار	,,	آڈیٹر
وق نویس	,,	وقائع نویس
شرو نویس	,,	شروع نویس
دبیر	,,	فارن سکریٹری
حول دار	,,	حوالہ دار
ہزاری		

جملہ دار ، جمع نویس ، کارکن ، میراث دار ، برات ، فرنویس (فرد نویس) ، قلعہ دار ، مقدم ، دیوان ، ناجر (ناظر) ، سرشتہ دار (سر رشتہ دار) وغیرہ[1] ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی ایام :

یہ بیان غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس باب میں بہت سے ایسے مصنفین کا ذکر ہے جنھیں ایسٹ انڈیا کمپنی[2] کے افسروں نے کتابیں لکھنے پر آمادہ کیا ۔ ہم اگلے باب میں چل کر انگریزوں کی فارسی کے متعلق حکمت عملی پر بحث کریں گے ، لیکن یہاں اتنا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے

---

۱ ۔ سیوا جی کی لائف از سر جادو ناتھ سرکار ، صفحہ ۳٦۰ ، ۳٦٦ ۔ اس کے علاوہ 'مرہٹی پر فارسی زبان کا اثر' از ڈاکٹر مولوی عبدالحق بھی ملاحظہ ہو ۔

۲ ۔ کمپنی کا ذکر آیندہ باب میں مفصل آئے گا ۔

اپنے تسلط کے ابتدائی ایام میں فارسی کی گزشتہ حیثیت کو برقرار رکھا - ان کی درباری زبان فارسی ہی تھی - عدالتی کاروبار، معاہدات، خط و کتابت وغیرہ میں فارسی ہی ذریعۂ اظہار سمجھی جاتی تھی - ملک کی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی - یوروپین ملازمین کو فارسی میں ماہر بنانے کے لیے پہلے پہل بغداد میں بھیجا جاتا تھا مگر اس کے بعد ہندوستان میں ہی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو گیا - انگریزوں کی ملازمت میں جو ہندو، مسلمان اہل قلم تھے وہ اپنے حکام کی فرمایش یا خواہش پر اکثر کتابیں لکھا کرتے تھے - ایسی کتابوں کا ایک کافی ذخیرہ موجود ہے جن پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے[1] - انگریزوں کی یہ کوششیں اگرچہ زیادہ تر سیاسی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے کافی ادب پیدا ہوا، جس میں ہندوؤں کا کافی حصہ ہے -

اس عہد کے ادب کی مقدار:

یہ عہد شعرا و مؤرخین کی کثرت کے اعتبار سے سب ادوار سے بڑھا ہوا ہے - اس عہد میں ادب کے بہ کثرت پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ایک مرکز کی بجائے تصنیف و تالیف کے بے شمار مراکز پیدا ہوگئے تھے - اگر ایک مقام پر مصنفین کو مایوسی ہوتی تھی تو وہ دوسرے مراکز کی جانب چل دیتے تھے - ہم ذیل میں اس عہد کی ان کتابوں کی ایک سرسری سی فہرست پیش کرتے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں:

تاریخ کی کتابیں	۳۷
سوانح و سیر	۱۱
ریاضی	۳

۱ - اس کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں فارسی کی حیثیت -'

تراجم	۱۱
قصص	۹
انشا	۱۹
شعرا (علاوہ معمولی شاعروں کے)	۳۵

اس عہد کے ادب کی بعض خصوصیات

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے ادب کی بعض امتیازی خصوصیتوں کا ذکر کیا جائے۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صدی جس کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں، 'لغات' کی صدی ہے۔ اورنگ زیب کے بعد ایرانیوں کی آمد ہندوستان میں پہلے کی نسبت بہت کم ہوگئی تھی، اس لیے روزمرہ اور جدید محاوروں کے متعلق شدید اختلاف پیدا ہوگئے تھے۔ ایک گروہ جس میں ایرانی النسل اور حامیان ایران شامل تھے، یہ کہتا تھا کہ کوئی ہندوستانی صحیح معنوں میں فارسی زبان میں سند نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ ہندوستانی علما و فضلا کے اقوال پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ان کی آرا کو بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ان نزاعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ اس پر ناتجربہ کار منشیوں کی فارسی نے اور بھی برے اثرات پیدا کیے اور اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی کہ محاورات کی چھان بین کی جائے اور نئے حالات میں نئی قسم کی کتابیں تصنیف کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں بے شمار لغت نویس پیدا ہوئے۔ مثلاً خان آرزو، محمد افضل ثابت، رائے انند رام مخلص، سیالکوٹی مل وارستہ، ٹیک چند بہار وغیرہ، یہ امر بہت جاذب توجہ ہے کہ اس عہد کے لغت نویسوں میں ہندو لغت نویسوں کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان کی کتابیں ہندوؤں کے تمام فارسی ادب کی جان ہیں۔ ان میں تنقید، تحقیق، وسعت معلومات، عمق نظر کے بہت سے اوصاف نمایاں ہیں۔ مصطلحات وارستہ اور بہار عجم دو عظیم الشان تصانیف ہیں جن کو

ہندوستان کے سارے فارسی ادب میں بہت اہمیت حاصل ہے ۔ یہ اس عہد کے ادب کی سب سے شان دار خصوصیت ہے کہ اس میں بہار عجم اور مصطلحات منصۂ شہود پر آتی ہیں ۔ مرآۃ الاصطلاح لغت کے اعتبار سے نہ سہی ، مگر بعض دوسرے وجوہ سے بہت دل چسپ کتاب ہے ۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد میں ہندوؤں میں شعر و شاعری کا ذوق بہت بڑھ گیا تھا ۔

اس سو سال کے عرصے میں بہت سے مشہور اور نامور ہندو شاعر سامنے آئے جن کا ذکر تذکروں میں بہت شان دار الفاظ میں ملتا ہے ۔ شعر کی کتابوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ شعرا نے اکثر مثنویاں لکھیں جن میں مذہبی مضامین پر طبع آزمائی کی گئی ۔

اس عہد کے تذکرے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں جو شعر و سخن کی تاریخ کے لیے معلومات کا ایک بہت بڑا سر چشمہ سمجھے جاتے ہیں ۔ مثلاً سفینۂ خوش گو ، گل رعنا ، انیس الاحبا ، چمنستان شعرا اور ہمیشہ بہار وغیرہ ۔ گل رعنا اور انیس الاحبا کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہندو شعرا کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے جس سے ہمیں بہت مدد ملی ہے ۔ سفینۂ خوش گو فارسی زبان کے بڑے بڑے تذکروں میں شمار ہوتا ہے ۔ تین جلدوں میں مصنف نے فارسی کے اکثر شعرا کا تذکرہ کیا ہے ۔ حالات بہت مفصل ہیں اور اشعار کا انتخاب موزوں ہے ۔ لغت کی طرح اس عہد کے تذکرے بھی ہندوستان کے فارسی ادب کے نمایاں عناصر میں شامل ہونے کے قابل ہیں ۔

ذیل کی فہرست سے معلوم ہوجائے گا کہ تاریخ کی بہت سی کتابیں ہندوؤں نے اس عہد میں لکھیں ، لیکن سوائے ایک دو کتابوں کے کوئی کتاب اعلی درجے کی نہیں جو خلاصۃ التواریخ کی ہم پلہ ہو یا جسے ادب میں کوئی حیثیت یا اعتبار حاصل ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس عہد میں شفیق کی شخصیت مؤرخ

کی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہے - شفیق نے تاریخ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو بعض حیثیتوں سے مستند سمجھی جاتی ہیں - بساط الغنائم میں مرہٹوں کی ایک معاصرانہ تاریخ لکھ کر شفیق نے بہت سے نئی معلومات کے دروازے ہم پر کھول دیے ہیں - اسی طرح شفیق کی کتاب مآثر حیدری بھی گمان غالب ہے کہ اکثر تواریخ کی بہ نسبت زیادہ تنقیدی ہوگی ، اگرچہ اس کا آج کل کہیں وجود نہیں - شفیق ایک ہمہ دان فاضل تھا - ایک کامیاب مؤرخ ہونے کے علاوہ بہترین تذکرہ نگار اور شاعر بھی تھا - چنانچہ ہم آگے چل کر اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے -

جس طرح گزشتہ دور میں برہمن، سجان رائے، ہرکرن وغیرہ بے نظیر ہستیاں تھیں، اسی طرح اس عہد میں شفیق، مخلص ، بہار اور وارستہ علم و فضل کے لحاظ سے یکتا تھے - ہم ان ہندو علما و شعرا کو فارسی کے چند نامور اکابر کا ہم پلہ مان سکتے ہیں -

اس مختصر سی تنقید کے بعد ہم مختلف فنون کی کتابوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں - پہلے تمام کتابوں کا ذکر کریں گے ، پھر ان میں سے بعض اہم کتابوں کو چن کر ان پر مفصل بحث کریں گے -

تاریخ کی کتابیں[1]

۱ - گلشن اسرار[2] : (۱۱۲۵ھ) مصنفہ نیہ نراین ولد چین رائے کھتری پسروری منشی راجہ محکم سنگھ بعہد فرخ سیر - اس کتاب میں ہندوؤں کی تاریخ کو محققانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور

۱ - اصل مضمون انگریزی میں ہے جہاں ہر کتاب پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے - یہاں ہم اختصار کی خاطر زیادہ تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہیں -

۲ - ریو : جلد ۳ ،صفحہ ۹۱۷ -

راماین، مہابھارت، بھگوت اور ہری بنس کو بطور ماخذ استعمال کیا ہے - کتاب کے چار باب ہیں -

۲ - **سعید نامہ**[1] : (۱۱۳۵ھ) مصنفۂ منشی جسونت رائے - یہ سعیداللہ خاں والی کرناٹک (متوفی ۱۱۴۵ھ) کے عہد حکومت کی تاریخ ہے - جسونت رائے منشی نے بہت سی مثنویاں بھی لکھی ہیں - سعید نامہ تین دفتروں میں منقسم ہے - ۱۱۳۵ھ تک کے حالات مرقوم ہیں -

۳ - **شاہ نامہ منور کلام**[2] : (۱۱۳۳ھ) مصنفۂ شو داس - فرخ سیر اور محمد شاہ کے ابتدائی عہد حکومت کی تاریخ ہے - نظام‌الملک کی وزارت کا حال قابل ذکر ہے -

۴ - **تذکرۃالامرا**[3] : (۱۱۳۰ھ) مصنفۂ کیول رام - اکبر سے لے کر عالمگیر تک جتنے امرا مغلوں کے دربار میں ہوئے ہیں ، ان کا تذکرہ ہے - مآثرالامرا کے مقابلے میں اس کو خاص اہمیت حاصل نہیں - اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہندو امرا کا تذکرہ علیحدہ دیا گیا ہے - بیانات بہت مختصر اور مجمل ہیں جن میں صرف منصب ، خدمات اور ترقیات کا ذکر ہے -

۵ - **کیگو ہر نامہ**[4] : (۱۱۳۷ھ) مصنفۂ دنی چند بالی - یہ ککھڑوں کی تاریخ ہے -

۶ - **تحفۃ الہند**[5] : (۱۱۴۸ھ) مصنفۂ لال رام - ہندوستان کی تاریخ عمومی تا عہد فرخ سیر - اس میں شاہان ایران کا بھی مختصر تذکرہ ہے -

---

۱ - انڈیا آفس کیٹالاگ، عدد ۵۰۰ - ریو: جلد ۱، صفحہ ۳۳۱-
۲ - ریو : جلد ۱، صفحہ ۲۷۴ - ۳ - بوڈلین کیٹالاگ ، عدد ۲۵۸ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۳۳۹- ایلیٹ : تاریخ ہند ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۹۲ - ۴ - ربو : جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۱۲ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، عدد ۱۸۸ - ۵ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۲۳۶ -

۷ - تاریخ محمد شاہی: (۱۱۵۳ھ) مصنفۂ خوش حال چند کایستھ - عہد محمد شاہی میں دفتر دیوانی دھلی میں منشی تھا - اس کتاب کا دوسرا نام نادر الزمانی ہے - [مفصل تبصرہ آگے آتا ہے] -

۸ - تاریخ احمد خانی[1]: (۱۱۷۰ھ) مصنفۂ نول رائے جو احمد خان بنگش کا ملازم تھا - اس کتاب میں احمد خان بنگش کے حالات ہیں - دوسرے باب میں مختلف مضامین پر کہانیاں ہیں -

۹ - چہار گلشن: (۱۱۷۳ھ) مصنفۂ رائے چترمن کایستھ - یہ کتاب غازی‌الدین حیدر کی فرمایش پر لکھی گئی تھی -

۱۰ - رسالہ نانک شاہ[2]: (۱۱۹۷ھ) مصنفۂ بدھ سنگھ منشی - یہ کتاب میجر جیمز مورڈنٹ کی فرمایش پر لکھی گئی تھی - یہ سکھوں کی تاریخ ہے -

۱۱ - تواریخ حیدری[3]: (۱۱۹۷ھ) مصنفۂ بدھ سنگھ منشی - یہ سلطان حیدر علی والیِ میسور کی تاریخ ہے -

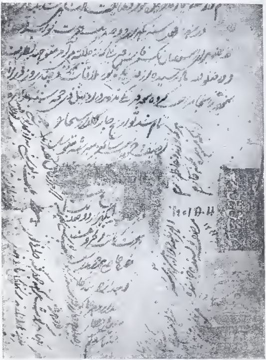
۱۲ - قصہ دریائے گومتی[4]: (۱۱۸۱ھ) مصنفۂ فتح چند منشی کایستھ - ایک مسیحی پادری کی خواهش سے لکھی گئی -

۱۳ - میزان دانش[5]: (۱۱۷۲ھ) مصنفۂ انند روپ برھمن، جو خالو جی بھونسلا کا ملازم تھا - یہ ہندوستان کی ایک مختصر سی تاریخ ہے -

۱۴ - تاریخ فیض بخش[6]: (۱۱۹۰ھ) مصنفۂ شو پرشاد - یہ روھیلکھنڈ کے افغانوں کی تاریخ ہے - شو پرشاد نواب فیض‌اللہ خاں کی ملازمت میں تھا جہاں وہ کرک پیٹرک سے ملا - موجودہ کتاب صاحب موصوف کے ایما سے لکھی گئی تھی - روھیلوں اور شاہان اودھ کے تعلقات پر خاصی روشنی ڈالتی ہے -

---

۱ - ریو: جلد ۳، صفحہ ۱۰۰۳ - ۲ - ریو: جلد ۲، صفحہ ۸۶۰ - ۳ - انڈیا آفس لائبریری عدد ۵۱۶، ۵۱۷ - ۴ - ریو: جلد ۲، صفحہ ۸۲۷ - ۵ - ریو: جلد ۳، صفحہ ۹۱۰ - ۶ - ریو: جلد ۱۲، صفحہ ۳۰۶ - ایلیٹ: جلد ۸، صفحہ ۱۷۵ -



جہار گلزار شجاعی — مصنف کے خود نوشت نسخے کا ایک ورق
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۵ - **خط ھلکر**[۱]: (۱۱۹۰ھ) مصنفۂ مکند رائے۔ یہ راجا ھلکر کے سیاسی خطوط کا مجموعہ ہے۔

۱۶ - **احوال گوالیار**[۲]: (۱۱۹۳ھ کے بعد)، مصنفۂ موتی رام و خوش حال - یہ قلعۂ گوالیار کی تاریخ ہے۔

۱۷ - **تاریخ شاہ عالم**[۳]: (۱۱۹۶ھ) مصنفۂ منا لال۔ یہ شاہ عالم ثانی کی تاریخ ہے - ولیم فرینکلن نے شاہ عالم کی تاریخ لکھتےوقت اس کو استعمال کیا ہے - ۱۱۸۳ھ سے لے کر۱۱۹۶ھ تک کے واقعات ھیں۔

۱۸ - **چہار گلزار شجاعی**[۴]: (۱۲۰۱ھ)، مصنفۂ ھرچرن داس کایستھ - یہ کتاب نواب شجاع الدولہ کے نام پر معنون کی گئیہے اور دو بڑے حصوں میں منقسم ہے - ایک حصہ ھندو عہد اور دوسرا حصہ اسلامی عہد سے بحث کرتا ہے - پہلے مسلمان بادشاھوں کے حالات فرشتہ سے ماخوذ ھیں -

۱۹ - **تاریخ جگل کشور**[۵]: (۱۷۸۳-۱۷۷۴ع)، مصنفۂ جگل کشور۔ یہ ھندوستان کی عمومی تاریخ ہے جو لارڈ چیف جسٹس سر الیجا امپی کی فرمایش پر لکھی گئی -

(۲۰ تا ۲۶) مصنفات شفیق اورنگ آبادی - (ان کا ذکر مفصل آتا ہے) -

۲۷ - **راج سوھاولی**[۶]: (۱۲۰۷ھ کے بعد) مصنفۂ ھنی رام - یہ ھندوستان کی تاریخ ہے جوکرنل فرتھ کے پاس خاطر سے لکھی‌گئی-

---

۱ - معارف ۱۹۱۸ع - ۲ - ریو : جلد ۱، صفحہ ۳۰۴ - ۳ - ریو : جلد ۳، صفحہ ۹۴۳ - بانکی پور لائبریری، جلد ۷، صفحہ ۹۵ - عدد ۵۸۶ : ایلیٹ۔ ۴ - اس کا ایک خود نوشت قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے - ۵ - ریو : جلد ۳، صفحہ ۱۰۲۹ - ۶ - انڈیا آفس لائبریری، عدد ۲۰۸ ۔

۲۸ - **صحیح الاخبار**[1]: (۱۲۰۹ھ) مصنفۂ سروپ چند کھتری - یہ ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے جو سر جان شور گورنر جنرل کے لیے تحریر کی گئی تھی -

۲۹ - **تذکرہ**[2]: (۱۱۵۷ھ) - انند رام مخلص- یہ کتاب نادر شاہ کے حملے کے واقعات پر مشتمل ہے - شاید اسی کا نام 'بدایع وقایع' ہے - یہ بہت اہم تصنیف ہے اور اس عہد کے معاشرتی حالات پر بہت کار آمد روشنی ڈالتی ہے - ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان میں اس تذکرے کے چیدہ چیدہ مقامات کا ترجمہ کیا گیا ہے - اس کا حال اور کہیں سے نہیں مل سکا - ہم ذیل میں تاریخ ایلیٹ کے اصلی الفاظ کا ترجمہ درج کرتے ہیں:

''سر ایچ - ایس ایلیٹ - کے کاغذات سے اس کتاب کا مفصل حال معلوم نہیں ہوا - لفٹنٹ پرکنس کا ترجمہ دراصل ایک ہی شاہد عادل ہے - یہ ترجمہ نواب ضیاءالدین کے نسخے سے کیا گیا تھا - مصنف نادر شاہ کے واقعات کا عینی گواہ تھا - کتاب کے اوپر ایک یادداشت لکھی گئی ہے کہ یہ مکمل نہیں - آغاز اس باب سے ہوتا ہے: آن واقعات کی تاریخ جو ہندوستان میں ۱۱۵۰ھ میں وقوع پذیر ہوئے - ہم نے اس باب کا ترجمہ کر دیا - معلوم نہیں یہ کتاب صرف اتنی ہی ہے یا کچھ زیادہ ہے -''

۳۰ - **فرمان روایان ہنود**[3]: ہندو راجایان قدیم کی تاریخ

---

۱ - ایلیٹ: جلد ۸، صفحہ ۳۱۴ - ریو: جلد ۳، صفحہ ۹۳۱ -

۲ - ایلیٹ: جلد ۸، صفحہ ۷۶ - بدایع کا ایک قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں ہے جو شاید مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے - کتاب کے مفصل حال کے لیے دیکھیے استاد بزرگ پرنسپل محمد شفیع کا مضمون اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۱۹۴۱ع -

۳ - خوش دل کی تصنیفات کے لیے دیکھیے نشتر عشق (قلمی) جلد ۱، صفحہ ۱۸۷ - معارف ۱۹۱۸ع - ریو: صفحہ ۱۰۵۲ -

علاء الدین غوری کے عہد تک ۔ مصنفۂ رائے امر سنگھ خوش دل (متوفی ۱۲۲۵ع) -

۳۱ - **بزم خیال** کے نام سے رائے امر سنگھ خوش دل نے انگریزوں کی تاریخ لکھی ہے ۔

۳۲ - **زبدۃ الاخبار** : مصنفۂ رائے امر سنگھ خوش دل ۔ یہ خلاصۃ التواریخ کا خلاصہ ہے ۔

۳۳ - **مجمع الاخبار**[1] : (۱۲۱۳ھ) ، مصنفۂ ہرسُکھ رائے ۔ یہ ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے ۔

۳۴ - **حالات مرہٹہ**[2]: (۱۲۷۳ھ) ، مصنفۂ رگھو ناتھ ۔ یہ مرہٹہ قوم کی تاریخ ہے ۔

۳۵ - **اختصار التواریخ** : (۱۲۱۷ھ) ، مصنفۂ ساون سنگھ ولد تھان سنگھ کایستھ ۔ یہ کتاب لب التواریخ کا خلاصہ ہے ۔

۳۶ - **خلاصۃ التواریخ**[3]: } مصنفۂ کلیان سنگھ ۔ یہ مغل
۳۷ - **واردات قاسمی** : } بادشاہوں کی تاریخ ہے جس کے ساتھ ناظمان بنگال کی تاریخ بھی دی گئی ہے ۔ خلاصۃ التواریخ کی تاریخ تصنیف ۱۱۹۸ھ ہے اور واردات قاسمی ۱۲۲۷ھ میں لکھی گئی ۔ یہ دراصل ایک ہی کتاب کے دو باب ہیں جنھیں علیحدہ علیحدہ نام دے دیا گیا ہے ۔ یہ کتاب ناظمان بنگال کی تاریخ کے لیے اہم خیال کی جاتی ہے ۔

مندرجہ بالا تصنیفات میں سے نمبر ۷ ، ۹ ، ۲۰ تا ۲۶ اور ۳۶ و ۳۷ اہم ہیں ۔ ہم ان میں سے بعض کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں :

---

۱ - ایلیٹ : جلد ۸ ، صفحہ ۳۵۵ -
۲ - معارف ۱۹۱۸ع -
۳ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۲۸۳ - جلد ۱ ، صفحہ ۳۱۳ -

خوش حال چند کایستھ :

تاریخ محمد شاہی : اس کتاب کا مصنف خوش حال چند کایستھ المعروف بہ نادر الزمانی تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو تاریخ نادرالزمانی بھی کہتے ہیں ۔ مصنف کا باپ منشی جیون رام[1] اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے عہد میں بہت سے ذمہ داری کے عہدوں پر فائز رہا ۔ انہوں نے شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی سے تعلیم حاصل کی تھی ۔ ان کے استاد کا مقولہ ہے کہ :

''ما را دریں مدت بہتر ازیں شاگردے بدست نیامدہ[2]۔''

خوش حال چند محمد شاہ کے عہد میں دیوانی دفتر کا منشی تھا ۔ مصنف کے ذاتی حالات اس کتاب میں بہ کثرت آتے ہیں ۔

تاریخ محمد شاہی دو حصوں میں منقسم ہے ۔ پہلے حصے کا نام مجمع الاخبار ہے اور دوسرے حصے کا نام زبدۃ الاخبار ۔

ہر ایک حصہ بہت سے چھوٹے چھوٹے مقالات ، حقایق ، دقایق اور کیفیات پر مشتمل ہے ۔

یہ دنیا کی عمومی تاریخ ہے جس میں ہندوستان کی تاریخ زیادہ شرح و بسط سے بیان کی گئی ہے ۔ اس کا سن تصنیف ۱۱۵۴ھ ہے ۔ پہلی جلد میں کوئی اہم چیز نہیں ۔ کتاب کا کارآمد حصہ صرف وہی ہے جو محمد شاہ کے حالات پر ہے ۔ اس تاریخ میں غیر متعلق مضامین بہت ہیں ۔ مثلاً حساب ، نجوم ، علم الید (پامسٹری) ، فن شعر کے متعلق کئی مقالے ہیں ۔ ہندو مسلمان اولیا کا ذکر مصنف خاص دل چسپی اور عقیدت سے کرتا ہے ۔ امرا ، علما اور خوش نویسوں کا ذکر مختصر ہے اور پچھلے مآخذ سے حرف بہ حرف نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ کتاب کافی ضخیم ہے ،

---

۱ - منشی جیون رام کے حالات کے لیے دیکھیے تاریخ محمد شاہی (قلمی - پبلک لائبریری لاہور) ق ۱۱ب۔

۲ - ایضاً ، ق ٦ ۔

لیکن فواید کم ہیں ۔ تاہم اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ مصنف نے اس کتاب کو بہت سے معلومات عامہ سے لبریز کرنے کی کوشش کی ہے ۔ (دیکھیے ایلیٹ : جلد ۸ ، صفحہ ۷۰ ؛ اور ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۸) ۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے ۔

رائے زادہ چترمن :

چہار گلشن : یہ کتاب چہار گلشن ، چترگلشن ، اخبار النوادر اور خلاصۃ النوادر ۔ بہت سے ناموں سے مشہور ہے ۔ رائے چترمن کایستھ المعروف بہ رائے زادہ نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری سال میں وزیر غازی الدین حیدر کی فرمائش پرتحریر کی ۔ مصنف کے پوتے رائے خان (یا رائے بھان منشی) نے ۱۲۰۳ھ میں اس پر نظر ثانی کی ۔

چہار گلشن میں چار باب ہیں :

(۱) صوبہ ہائے ہندوستان ۔ (۲) صوبہ جات دکن ۔

(۳) دہلی سے مختلف شہروں کا فاصلہ ۔

(۴) ہندو اور مسلمان فقیروں کے حالات (مشرح فہرست مضامین ریو کی فہرست میں موجود ہے ۔ (جلد ۳ ، صفحہ ۹۱۰) ۔

کتاب کا تاریخی حصہ چنداں اہم نہیں ۔ ہندو مسلمان فقرا کے حالات ، مداخل و مخارج ہند اور فاصلوں کی فہرستیں صرف کار آمد حصے ہیں ۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اس کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا ہے جو اس کی کتاب India of Aurangzeb میں شامل ہے ۔

لچھمی نراین شفیق :

تصنیفات شفیق اورنگ آبادی[1]**:** شفیق کا باپ رائے منسا رام

---

۱ ۔ شفیق کے حالات کے لیے دیکھیے مقدمہ 'چمنستان شعرا' مطبوعۂ انجمن ترقی اردو ۔ معارف ، اکتوبر ۱۹۲۹ع وغیرہ ۔ شاعری کے لیے دیکھیے نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ۔

نواب نظام الملک آصف جاہ کا پیش کار تھا ۔ چناں چہ مآثر نظامی کی ابتدا میں خود کہتا ہے کہ :

''بندۂ عقیدت شناس منسا رام آصف جاہی ابن بھوانی داس غازی الدین خانی نبیرۂ بال کشن عابد خانی نے تخمیناً مدت ۵۰ سال اس سرکار دولت مدار میں اپنی زندگی بسر کر دی ۔ صدارت کل کی خدمت انجام دی اور مورد عاطفت و شفقت رہا۔''

رائے منسا رام علاوہ منتظم ہونے کے ایک مصنف بھی تھا ۔ اس نے ۱۲۰۰ھ میں ایک کتاب مآثر نظامی کے نام سے لکھی جس میں نواب آصف جاہ کی تاریخ بیان کی ہے ۔ دوسری کتاب قانون دربار آصفی کے نام سے ۱۱۷۵ھ میں لکھی ۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے ، اس میں حکومت حیدرآباد کی جہاں بانی کے اصول ہیں ۔ یہ کتاب بہ قول مصنف دو سال میں تیار ہوئی ۔

شفیق اسی قابل باپ کا بیٹا تھا ۔ ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوا ۔ فارسی کی تعلیم شیخ عبدالقادر سے حاصل کی ۔ گیارہ سال کی عمر میں شعر کہہ سکتا تھا ۔ میر عبدالقادر مہربان نے ، جو شفیق کا پہلا اُستاد تھا ، صاحب تخلص دیا ۔ بعد ازاں جب میرغلام علی آزاد بلگرامی کی صحبت میں گیا تو اُنھوں نے مشورہ دیا کہ فارسی میں شفیق تخلص رکھو ، البتہ اُردو میں 'صاحب' ہی قایم رکھنے کی اجازت دے دی ۔

شفیق آزاد بلگرامی کا بہت احترام ملحوظ رکھتا تھا ۔ اپنی کتابوں میں جہاں کہیں ذکر کرتا ہے ، نہایت عزت سے ان کا نام لیتا ہے ۔ تذکرۂ گل رعنا میں میر صاحب کا بہت طویل حال لکھا ہے ۔ ایک نظم آزاد سے خطاب کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے :

سرور ہر دو جہاں آزاد ہے — والیِ کون و مکاں آزاد ہے
کنت کنزاً کے معانی پر خبر — واقف سر نہاں آزاد ہے
مرکز ادوار چرخ چنبری — قطب الاقطابِ زماں آزاد ہے

شفیق ایک طومار نویس مصنف تھا ۔ اس نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھی ھیں ۔ اس کی تاریخی تصانیف یہ ھیں :

۱ - **حقیقتہائے ہندوستان:** (۱۲۰۴ھ)- یہ ہندوستان کے صوبوں کے مداخل سے بحث کرتی ہے اور ولیم پیٹرک ریزیڈنٹ کے لیے تحریر کی گئی تھی ۔

۲ - **مآثر آصفی:** (۱۲۰۸ھ) - یہ خاندان نظام کی تاریخ ہے جو خواجہ عابد کے حال سے شروع ہو کر آصف جاہ ثانی تک پہنچتی ہے ۔ اس میں مرہٹوں کی بھی مختصر سی تاریخ ہے اور امرا اور راجاؤں کے حال بھی دیے ہیں ۔

۳ - **تنمیق شگرف:** (۱۲۰۰ھ) - یہ بھی حقیقتہائے ہندوستان کی طرز کی کتاب ہے ۔ مصنف نے فرشتہ کو بعض مقامات پر حرف بہ حرف نقل کیا ہے ۔

۴ - **بساط الغنائم:** یہ مرہٹوں کی تاریخ ہے جو جنگ پانی پت پر آ کر ختم ہو جاتی ہے ۔

۵ - **حالات حیدر آباد:** (۱۲۱۴ھ)- اس میں حیدرآباد کی مختلف مساجد و مکاتب ، باغات اور دوسری عمارتوں کا حال بیان کیا گیا ہے ۔

۶ - **مآثر حیدری:** یہ غالباً سلطان حیدر علی کی تاریخ ہے ، مگر اس کا مفصل حال کہیں سے نہ مل سکا ۔ شفیق تاریخ نویس تھا ۔ اس کی طبیعت پر میر غلام علی آزاد کے مادۂ تحقیق و تنقید کا بہت اثر پڑا ۔ یہ یاد رہے کہ آزاد مآثر الامرا کی ترتیب میں صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کا دست راست رہا ہے ۔ اُستاد کی قابلیت اور مجتہدانہ اہلیت سے شفیق ضرور متأثر ہوا ہوگا ۔ تذکرۂ ملکا پوری میں شفیق کے متعلق لکھا ہے کہ :

''وہ جو کچھ لکھتا ہے نہایت تحقیق سے لکھتا ہے ۔ جس شخص یا جس چیز کی حالت لکھتا ہے، اس کے مالہ' و ما علیہ کو

پورا پورا صاف کر دیتا ہے ۔ شفیق کو یہ لیاقت آزاد کی توجہ اور عنایت کی بدولت حاصل ہوئی ۔ دکن میں اگرچہ آزاد کے اکثر تلامذہ صاحب تالیف ہوئے ہیں ، لیکن شفیق ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھا ۔''

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفیق میں تاریخ نگاری کے اکثر اوصاف پائے جاتے ہیں ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ بعض جگہ جانب داری سے کام لیتا ہے ۔ بساط الغنائم میں سیوا جی اور افضل خاں کی باہمی چپقلش کے ضمن میں وعدہ خلافی کا الزام ثانی الذکر پر لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ افضل خاں نے سیوا جی پر وار کیا ۔ یہ روایت بالکل خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے اور اس کے ذریعے شفیق نے سیوا جی کے طرز عمل کو جائز ثابت کرنے کی ناکام سعی کی ہے ۔

شفیق علاوہ مؤرخ ہونے کے سوانح نگار اور شاعر بھی تھا ۔ لیکن شفیق کی بلندئ مرتبہ کا زیادہ تر دار و مدار اس کی مؤرخانہ حیثیت پر ہے ۔ اس کے تذکروں کا حال آگے آتا ہے ۔

تذکرے

اس صدی میں یہ تذکرے تصنیف ہوئے :

۱ ۔ **بھگت مالا:** (۱۱۱۳ھ)، مصنفۂ نونیت رام سوہنی خوشابی ۔ اس کتاب میں ۳۷ ہندو مسلمان فقرا کا حال دیا گیا ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے ۔

۲ ۔ **ہمیشہ بہار**[۱]: (۱۱۳۶ھ) ، مصنفۂ کشن چند اخلاص ۔ یہ فارسی کے ان شعرا کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں جہانگیر کے زمانے سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک گزرے ہیں ۔ اخلاص ۱۱۶۰ھ

---

۱ ۔ ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۸۶ ۔ بانکی پور فہرست ، جلد ۸ ، صفحہ ۸۳ ۔ انڈیا آفس لائبریری ، عدد ۶۷۵ ۔ سپرنگر : صفحہ ۱۱۷ ۔

میں یہ عہد احمد شاہ فوت ہوا ۔ شعرا کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے دیے گئے ہیں ۔ تذکرے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ۔

۳ - **احوال بابا لال گرو** : (۱۱۵۸ھ) ، مصنفۂ لال جی داس ۔ بابا لال گرو شاہ جہاں کے عہد میں ایک صوفی ہو گزرے ہیں ۔ یہ کتاب ان کے ایک عقیدت مند لال جی نے لکھی ہے جس میں ان کی زندگی اور کرامتوں کا ذکر ہے ۔

(معارف ، بابت جولائی ۱۹۱۸ع ، صفحہ ۱۱)

۴ - **سفینۂ خوشگو** : [مفصل ذکر آگے آتا ہے] ۔

۵ - **تذکرۃالمعاصرین از خوشگو** : غالباً معاصرین شعرا کا تذکرہ ہے ۔ یہ کہیں سے دست یاب نہیں ہو سکا ۔

۶ - **سفینۂ عشرت**[1]:(۱۱۷۵ھ) ، مصنفۂ درگا داس عشرت ۔ تمام متقدمین و متأخرین شعرا کا تذکرہ بہ ترتیب حروف تہجی ہے ۔

۷ - **انیس الاحبا** : (۱۱۹۷ھ) ، مصنفۂ موہن لال انیس ۔ یہ مرزا فاخر مکین اور ان کے شاگردوں کا تذکرہ ہے ۔ ہم نے ہندو شعرا کے سلسلے میں اس کتاب سے بہت فایدہ اٹھایا ہے[2]۔

۸ - **گل رعنا** :
۹ - **شام غریباں** : } مصنفۂ شفیق اورنگ آبادی ۔
۱۰ - **چمنستان شعرا**:

۱۱ - **تذکرۂ گرو نانک** : مصنفۂ شفیق اورنگ آبادی ۔ اس کا حال معلوم نہیں ہو سکا ۔

۱۲ - **تحفۃ الاحباب** ، مصنفۂ شفیق مذکور ۔ یہ شاید دوستوں اور معاصروں کے حالات پر ہے ۔کسی جگہ اس کا حال نہیں پڑھا ۔

---

۱ - فہرست بانکی پور لائبریری ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۲۶ ۔
۲ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۳۷۶ ۔ سپرنگر : صفحہ ۱۶۱ ۔ بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۶ ۔

۱۳ - عیار الاشعر[1]: (۱۲۸۴ھ)، مصنفۂ خوب چند ذکا - یہ اُردو کا بہت مفصل اور مشرح تذکرہ ہے، لیکن تحقیق و تنقید کے جوہر سے یکسر عاری ہے - اس میں ۱۵۰۰ شعرا کا حال ہے - لیکن اسپرنگر کے قول کے مطابق ''اپنی نوعیت کی سب سے زیادہ غیر محققانہ تصنیف ہے -''

۱۴ - سفینۂ ہندی[2]: (۱۲۱۹ھ) } مصنفۂ بھگوان
۱۵ - تذکرۂ حدیقۂ ہندی: (۱۲۰۰ھ کے بعد) } داس ہندی - بھگوان داس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی پر بھی ایک رسالہ سواغ النبوۃ کے نام سے تحریر کیا ہے -

۱۶ - زیب التواریخ[3]: (۱۸۸۲ع)، مصنفۂ گوکل چند - یہ زیب النسا بیگم معروف بہ بیگم سمرو کا منظوم حال ہے -

ان تذکروں میں نمبر ۴ اور نمبر ۸ تا ۱۰ کو خاص اہمیت حاصل ہے - ہم ان کا یہاں مختصر سا حال بیان کرتے ہیں -

بندرا بن داس خوشگو :

سفینۂ خوشگو : اس تذکرے[4] کے مصنف کا نام بندرا بن داس خوشگو ہے جو خان آرزو کا شاگرد تھا - چناں چہ انہوں نے اپنی کتاب مجمع النفایس میں اس کا ذکر کیا ہے :

''از مدت بیست و پنج سال تخمیناً بایں ہیچمدان ربط کلی بہم رسانیدہ و ایں عاجز ہم در تربیت او بہ تقصیر از خود راضی نشدہ و نیست -''

---

۱ - انڈیا آفس لائبریری، عدد ۲۰۷ : سپرنگر : صفحہ ۱۸۴ -
۲ - بانکی پور لائبریری، جلد ۸، عدد ۷۱۵، صفحہ ۱۵۵ -
۳ - ریو : جلد ۲، صفحہ ۷۲۴ -
۴ - بانکی پور لائبریری، جلد ۸، صفحہ ۸۳ - باڈلین، عدد ۳۷۶ - مجمع النفایس (قلمی) -

سفینہ عمدۃ الملک امیر خان انجام کے نام پر معنون کیا گیا تھا - یہ تمام قدیم و جدید شعرا کا تذکرہ ہے جو تین جلدوں میں منقسم کیا گیا ہے -

پہلی جلد میں متقدمین کا حال ہے -

دوسری جلد میں متوسطین کو لیا گیا ہے -

تیسری جلد میں معاصرین کا بیان ہے - فہرست نگار بانکی پور لائبریری کا بیان ہے کہ خوشگو ۱۱۵۵ھ میں اس کتاب کو ختم کر چکا تھا - اس میں خان آرزو نے کچھ ترمیمیں بھی کی ہیں اور حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے - اس تذکرے میں خان آرزو کو 'خان صاحب قبلۂ نیاز منداں' کے نام سے یاد کیا گیا ہے -

یہ تذکرہ بہت مشرح و مفصل ہے - شعرا کے کلام کا نمونہ بھی کافی دیا ہے - مصنف کی تنقیدی حیثیت بہت اچھی ہے اور ترتیب سنین کے لحاظ سے ہے - معاصرین کا جو حال لکھا ہے وہ بہت مستند ہے ، اس لیے کہ مصنف کو اپنی ملازمت کے دوران میں ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا ، وہاں اس نے اکثر شعرا سے ملاقاتیں کیں - چناں چہ وہ بار بار ان ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہے -

سفینہ کی دوسری جلد باڈلین لائبریری میں ہے اور وہی حصہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی ہے - تیسری جلد بانکی پور لائبریری میں ہے جس‌میں سے ہمیں اکثر ہندو شاعروں کے حالات ملے ہیں - افسوس ہے کہ تذکرۃ المعاصرین ہمیں کہیں سے بھی نہ مل سکا ، ورنہ وہ ہم عصر شعرا کا بہترین تذکرہ ثابت ہوتا -

شفیق اورنگ آبادی کے تذکرے

۱ - **گل رعنا**[1]: (۱۱۸۷ھ) - دو حصوں میں منقسم ہے - پہلی

---

۱ - بانکی‌پور، جلد ۸ ، عدد ۷۰۱، صفحہ ۱۲۸ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۷۷ - جرنل رایل ایشیاٹک سوسائٹی ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۷۳-۴

فصل میں فارسی کے مسلمان شاعروں کا ذکر ہے ، دوسری فصل میں فارسی کے ہندو شاعروں کا حال ہے ۔ دیباچے میں مصنف نے دس ماخذ کا ذکر کیا ہے ۔ نشتر عشق کے مصنف نے گل رعنا کی بہت تعریف کی ہے ۔ کتاب کی دوسری فصل ہمارے لیے خاص طور پر اہم ہے کیوں کہ اس میں فارسی کے ہندو شعرا کے حالات دیے گئے ہیں ۔

۲ ۔ **شام غریباں** : اس تذکرے میں آن شعرا کا ذکر ہے جو ہندوستان میں مسافر کی حیثیت سے وارد ہوئے ۔ اس میں تراجم بہت مختصر ہیں ۔ لطایف و ظرایف بہت ہیں ۔ اشعار کا انتخاب موزوں اور عمدہ ہے ۔ بعض اوقات مصنف نے مختلف شعرا کے مشکل اشعار کی تشریح بھی کی ہے ۔

گل رعنا اور شام غریباں میں سے اول الذکر زیادہ اہم اور کارآمد ہے ۔ اُس کا دایرہ بھی وسیع ہے کیوں کہ اس میں ہندوستانی اور ایرانی شعرا کو جامعیت کے ساتھ لیا گیا ہے ۔ ثانی الذکر صرف ایران کے ان شعرا سے بحث کرتا ہے جو ہندوستان میں وارد ہوئے ۔ گل رعنا میں تراجم بھی مفصل ہیں ۔ آزاد بلگرامی کا حال بہت طویل ہے ۔ شاهنشاہ اکبر کے ذکر میں ۴۲ صفحات صرف کیے ہیں ، اگرچہ حالات زیادہ تر تاریخ بدایونی سے ماخوذ ہیں ۔ گل رعنا ایک لحاظ سے سفینۂ خوشگو سے زیادہ اچھا ہے ، یعنی گل رعنا کی ترتیب بہ لحاظ حروف تہجی ہے ۔ یہ ہر دو تذکرے (سفینہ اور گل رعنا) واقعات کی تاریخیں درج کرنے میں بہت کوتاہی سے کام لیتے ہیں ، مگر خوشگو شفیق کی نسبت زیادہ محتاط معلوم ہوتا ہے ۔

۳ ۔ **چمنستان شعرا** : یہ شفیق کا تیسرا تذکرہ ہے جس کی زبان فارسی ہے ، لیکن آردو شعرا کے حالات دیتا ہے ۔ انجمن ترقی آردو نے حال ھی میں اس کو شایع کیا ہے جس کی ابتدا میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے ۔ ہم نے شفیق کے حالات میں اس مقدمے سے بہت فایدہ آٹھایا ہے ۔ اس تذکرے کی

ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کی ترتیب ابجد کے لحاظ سے ہے ۔ تراجم مختصر ہیں ، زبان کسی حد تک منشیانہ ہے ۔ ۱۱۷۵ھ میں ، جب شفیق کی عمر ۱۷ سال تھی ، اس وقت یہ تذکرہ لکھا گیا ، لیکن اشعار کا انتخاب ، تحقیق و تنقید بتلاتی ہے کہ یہ کسی سن رسیدہ مصنف کا لکھا ہوا ہے ۔ اس میں مصنف میرتقی میر کی مخالفت کرتا ہے اور نکات الشعرا کے بعض بیانات کی تردید کرتا ہے ۔

فن انشا کی کتابیں

۱ - طراز الانشا[1] : (۱۱۳۰ھ) ، مصنفۂ اندر جیت محقر ۔

۲ - گلدستۂ فیض[2]: (۱۱۳۹ھ کے بعد) ، مصنفۂ تھوری مل تمکین ۔

۳ - رقعات رائے چھبیلا رام[3]: (۱۱۳۰ھ) ۔

۴ - دقایق الانشا[4] : (۱۱۳۶ھ) ، مصنفۂ رنجھور داس ۔ یہ فن انشا پر ایک جامع کتاب ہے جس میں شعر ، بلاغت ، عروض ، انشا کے تمام شعبوں پر بحث ہے ۔ مصنف کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کے لیے ۱۹ کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے ۔

۵ - انشائے دبن دیال[5]:(۱۱۵۴ھ) ، مصنفۂ دبن دیال فتح پوری ۔

۶ - گلشن عجائب[6]: (۱۷۱۶ع) ، مصنفۂ رائے سنگھ منشی ۔

---

۱ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۳۳ ۔

۲ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۸۷ ۔

۳ - رائے چھبیلا رام کے حالات کے لیے دیکھیے مآثرالامرا ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۸ ۔ کتاب کے لیے دیکھیے ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۸۶ ۔

۴ - انڈیا آفس ، عدد ۲۱۲۰ ۔ باڈلین ، عدد ۱۴۰۳ وغیرہ ۔

۵ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن) ، عدد ۴۷ ۔

۶ - معارف ۱۹۱۸ع ۔

۷ - **مسودات کیول رام**[1]: (۱۱۵٦ھ کے بعد) -
۸ - **رقعات صاحب رام**[2]: (۱۱۵٦ھ کے بعد) -
۹ - **غریب الانشا**[3]: (۱۱۵۷ھ) ، مصنفۂ کشن سنگھ نشاط -
۱۰ - **رقعات مخلص** : (۱۱٦۳ھ) ، مصنفۂ انند رام مخلص - ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے - اس کتاب کا ذکر انند رام مخلص کے مفصل تذکرے میں آگے آتا ہے -
۱۱ - **نیازنامہ**[4]: (۱۱٦۷ھ- ۱۱۸۸ھ)، مصنفۂ سجان رائے بوری -
۱۲ - **گلشن بہار**[5]: (۱۱۸۲ھ) مصنفۂ جسونت رائے منشی - یہ کتاب کسی قدر اہم خیال کی جاتی ہے -
۱۳ - **صفات کائنات**[6]: (۱۱۷۱ھ)، مصنفۂ سیالکوٹی مل وارستہ -
۱۴ - **بہار نثر**[7]: (۱۱۸۷ھ) ، مصنفۂ آیا مل -
۱۵ - **طلسمات خیال**[8]: (تقریباً ۱۲۰۰ھ) ، مصنفۂ نول کشور نزاکت - یہ کتاب کسی قدر اہم ہے -
۱٦ - **بہار معنی**[9]: (بارھویں صدی ھجری) ، مصنفۂ اندر جیت -
۱۷ - **رقعات**[10]: (۱۲۰۵ھ) ، مصنفۂ منشی لچھمی نراین - اس مجموعے کا مرتب محمد فیض بخش ہے -

---

۱ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن) ، عدد ۱۵۷ -
۲ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۹۸٦ -
۳ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۹۵ -
۴ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۸۸ -
۵ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۸۷ -
٦ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن)، عدد ۱۵۷ -
۷ - ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں ہے -
۸ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، عدد ۴۰۳ -
۹ - ایضاً (کرزن کالیکشن) ، عدد ۲۴۷ -
۱۰ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۹۳ -

۱۸ - دستور الامتیاز[1]: (۱۲۰۳ھ)، منصنفۂ خوش حال رائے -
۱۹ - خلاصۃالانشا[2]: (۱۲۲۵ھ) مصنفۂ لچھمی رام دھنوی -
۲۰ - منتخب الحقائق : (۱۲۰۹ھ) ، مصنفۂ امیر چند منشی - اس مجموعے میں مصنف کے ذاتی خطوط ہیں ؛ کچھ خط مہاراجا رنجیت سنگھ ، زمان شاہ اور تیمور شاہ کے نام ہیں -
۲۱ - منشآت منشی : (تیرھویں صدی ھجری) ، مصنفۂ گنیش داس - اس کتاب میں چار فصلیں ہیں -

سب سے پہلا خط خدا کے نام ایک عریضہ ہے - یہ کتاب مغلوں کے طرز حکومت سے بحث کرتی ہے - کاغذات دفتری کی مختلف اصطلاحیں اس کتاب میں موجود ہیں - ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے - مثلاً التماس ، رقم ، فرمان ، تعلیقچہ ، پروانہ ، اعلام ، سند ، پروانۂ بزاۃ وغیرہ -

اس کتاب میں عہدۂ قانون گو کی ابتدا اور اس کے فرائض پر بحث ہے - اس کے بعد بہت سے اداروں کی کیفیت بیان کی گئی ہے - مثلاً ارباب التحاویل ، سررشتۂ بخشی گری ، سررشتۂ استیفا -

چوتھی فصل 'سیاق' کے متعلق ہے - یہ رسالہ اگرچہ مختصر سا ہے ، لیکن کارآمد ہے - گنیش داس قانون گو نے اس رسالے کے علاوہ راج درشنی ، تاریخ پنجاب وغیرہ کے نام سے تاریخ کی کتابیں بھی لکھی ہیں - منشآت منشی کا ایک نسخہ استاد محترم پروفیسر محمود شیرانی کے مجموعے میں ہے -

انند رام مخلص کی نثر

انند رام مخلص کا مفصل حال 'لغات' کے سلسلے میں دیا جائے گا ؛ یہاں ہم سیاق کی رعایت سے مخلص کی نثر پر بحث کرنا

---

۱ - آصفیہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۲ -
۲ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن) عدد ۱۶۳ -

مناسب خیال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے ایک دو افسانوں کو بھی زیر بحث لے آتے ہیں ۔

بانکی پور لائبریری میں انند رام کے منثورات کا ایک نسخہ موجود ہے جس کے چھ حصے ہیں ؛ ہم یہاں اسی نسخے کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں ۔ سب سے پہلے رقعات ہیں ۔ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۱۴۹ھ میں اسے چند اوراق پریشان دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اس کے پرانے خطوط اور رقعوں کے مسودات تھے ۔ چناں چہ اس نے ان سب کو ایک مقام پر جمع کیا جس سے کہ موجودہ مجموعۂ رقعات مرتب ہوا ۔ یہ خطوط زیادہ تر دوستوں کے نام لکھے گئے ہیں جن میں سے آرزو ، پیام ، آفریں لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ کچھ خطوط اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ کے نام بھی ہیں ۔ اس مجموعے میں ایک خط ہے جو کسی دوست کو ۱۱۵۵ھ میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۱۱۴۹ھ کے بعد کے خطوط بھی ہیں۔ (تفصیلی فہرست کے لیے دیکھیے بانکی پور لائبریری ، فہرست جلد ۹ ، صفحہ ۱۱۰)

رقعات کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے ، ان سے صرف مخلص کے تعلقات و روابط دوستانہ کا پتا چلتا ہے اور بس ، البتہ ادب کے لحاظ سے ان کو کچھ اہمیت حاصل ہے ۔ مخلص کے خطوط نہایت عمدہ ہیں ۔ ان میں جا بجا مخلص کی غزلیات ہیں ، خطوط نہایت با موقع اور مختصر ہیں ۔ انشا میں زمانے کے مطابق مشکل عبارات کا ہجوم ہے ۔ نثر کا نمونہ یہ ہے :

''سرشک فشانیہاے صبح و شام جگر گداختگان محبت اگر بہ گل زمین قبول تخم تاثیر نمی کاشت ، مقلب القلوب از چہ عطف عنانی بیاد نواب مستطاب می داد ۔''

پری خانہ : فہرست نگار بانکی پور لائبریری کا بیان ہے کہ

یہ ایک مرقع کا دیباچہ[۱] ہے جس میں میر عماد ، میر علی وغیرہ مشہور خوش نویسوں کی خطاطی کے نمونے تھے اور ان کے علاوہ عمدہ اور دل فریب تصاویر بھی تھیں - آخر میں لکھا ہے کہ یہ دیباچہ ۱۱۴۴ھ میں تحریر کیا گیا - ان جملوں سے تاریخ نکلتی ہے :

"زہے مرقع تصویر ہا" اور "بے بہا مرقع از تصویر"

اسی طرح کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کرزن کالیکشن[۲] میں بھی ہے - فہرست نگار کا بیان ہے کہ مرقع تصویر نثر مسجع کا ایک مجموعہ ہے جس میں کسی خاص موضوع کے متعلق بحث نہیں - ابتدا میں صفویوں کی تعریف و توصیف میں کچھ ٹکڑے موجود ہیں ، پھر ہندوستان کے امرا و عائد کی مدح و ثنا ہے - کتاب میں مصنف کا نام نہیں ہے ، صرف تخلص ہے - وہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۴۴ھ میں لکھا گیا تھا - تاریخ ان دو جملوں سے نکلتی ہے 'بے بہا مرقع از تصویر' اور 'زہے مرقع تصویر ہا'- غالباً یہ انند رام مخلص کی تصنیف ہے - فہرست نگار نے اس کو غلطی سے رقعات انند رام کا مماثل سمجھا ہے - حالانکہ رقعات تو ۱۱۶۹ھ میں مرتب ہوتے ہیں اور رقعات کے مضامین کی نوعیت بھی بالکل مختلف ہے - قیاساً یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی دیباچہ پری خانہ یا اس کا کوئی حصہ ہے جس کا ذکر بانکی پور لائبریری کی فہرست میں آ چکا ہے -

منشورات انند رام میں (نسخہ بانکی پور لائبریری ، ق ۵۶-۶۷) ایک طویل مکتوب بھی درج ہے جو انند رام نے حسب الحکم محمد شاہ غازی ، ایران کے صفوی بادشاہ کو اس کی تخت نشینی کے موقع پر لکھا تھا - اس کا آغاز یہ ہے :

---

۱ - یہی گل رعنا میں ہے - دیکھیے فہرست بانکی پور ۸ : ۱۳۲

۲ - ایوناف (کرزن کالیکشن) ، عدد ۱۵۶ -

سر نامہ بنام بادشاہیست
کہ پیشش جبھہسا ہر کج کلاہیست

یہ آغاز سوسائٹی کے پری خانے کے آغاز کے مطابق ہے اور قیاس یہ ہے کہ سوسائٹی کے نسخے میں اور اس پری خانے میں کوئی فرق نہیں ۔

چمنستان[1]: مصنف کے اپنے بیان کے مطابق چمنستان ۱۱۵۹ھ میں مرتب ہو چکی تھی ۔ کتاب کے آخر میں ایک شعر سے بھی یہی تاریخ نکلتی ہے :

چوں بہ پایاں رسید تاریخش
نسخۂ دل نشیں نوشت قلم
۱۱۵۹ھ

چمنستان میں نہایت مفید اور عمدہ عجائب و غرائب کو جمع کیا گیا ہے جو مرآۃ الاصطلاح میں بھی آ چکے ہیں ۔ مرآۃ الاصطلاح اس سے پہلے ۱۱۵۸ھ میں لکھی جا چکی تھی ۔ اسی کے نکات اور فوائد ، لطائف و حکایات کو چمنستان کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے ۔ ایک شخص جو مرآۃ الاصطلاح سے فائدہ اٹھا لیتا ہے ، اس کو چمنستان کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ اگر مطالب و مضامین کا مقابلہ کیا جائے تو اکثر مضامین دونوں کتابوں میں پائے جاتے ہیں ۔ البتہ چمن دوم کا گلدستۂ دوم بہ لحاظ ندرت کے عجیب و غریب چیز ہے ۔ اس میں پھولوں ، درختوں اور پھلوں کے متعلق بحث کی گئی ہے ۔ کتاب میں چار چمن ہیں ، ہر چمن میں دو گل دستے ۔ آخری گل دستوں میں مخلص نے اپنے جد امجد اور والد کے نصائحِ بزرگانہ کو درج کیا ہے ۔ بہر حال دل چسپی کے لحاظ سے کتاب عمدہ ہے ۔ مفصل فہرست مضامین فہرست بانکی پور لائبریری میں دی گئی ہے ۔ یہ کتاب ۱۸۷۷ع میں بہ مقام لکھنو طبع ہو چکی ہے ۔

۱ ۔ فہرست بانکی پور لائبریری ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۱۱ ۔

ہنگامۂ عشق[1]: یہ کنور سندوسین کرناٹکی اور رانی چند پربھا کا افسانۂ عشق و محبت ہے ۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۱۵۲ھ میں جب کہ مخلص کا قیام شاہ جہاں آباد میں تھا ، وہ اپنے چند دوستوں کی معیت میں ، جن میں سے آرزو ، محمد قلی خاں ، معنی یاب خاں شاعر ، راؤ کرپا رام ، فتح سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں ، شاہ مدار کے میلے پر گیا ۔ انھی ایام میں ایک رات مخلص کو نیند نہ آئی تو اس نے اپنے دکنی ملازم سے کہانی سنانے کی فرمائش کی ۔ ملازم نے یہ کہانی سنائی جس کو محمد جائسی پدماوت میں بیان کر چکا ہے ۔ مخلص نے اسی کہانی کو فارسی میں منتقل کیا ہے ۔

اس کی تاریخ تصنیف ۱۱۵۲ھ ہے جو نغمۂ چند سے نکلتی ہے :

چوں ایں نغمۂ چند نقاش شوق
بایں رنگ بر صفحہ تصویر کرد
بہ تحریک دل سال اتمام آں
قلم 'نغمۂ چند' تحریر کرد

اس نسخے کے آخر میں ایک نوٹ ہے جو مخلص نے لکھا ہے ۔ س سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۵۵ھ میں اس نے خود کتاب پر نظر ثانی کی تھی اور مناسب ترمیم و اضافہ بھی ہوا ۔

کارنامۂ عشق[2]: یہ شاہ زادہ گوہر اور ملکۂ مملوکات کے حسن و عشق کی داستان ہے ۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۳۳ھ میں مرتب ہوئی مگر ''چہ شور انگیز رنگین قصۂ بود'' سے جو تاریخ نکلتی ہے وہ ۱۱۳۹ھ ہے ۔

افسوس کہ ان دونوں کہانیوں کا کوئی نسخہ ہمارے پاس نہیں ، اس لیے ان کے تفصیلی حالات نہیں لکھے جا سکتے ۔

---

۱ ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۱۲ ۔ گل رعنا میں غالباً اسی قصے کی طرف اشارہ ہے (دیکھیے فہرست بانکی پور ۸ : ۱۳۲) ۔
۲ ۔ فہرست بانکی پور ، جلد ۹ ، صفحہ ۱۱۳ ۔

ان کتابوں کے علاوہ ہنگامۂ عشق کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلص نے کم از کم ایک اور کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام 'بدائع وقائع' ہے - یہ نادر تصنیف ہے - ایلیٹ نے اس کا نام 'تذکرہ' لکھا ہے - اس کا مفصل حال استاد بزرگ پرنسپل محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے -

قصص و حکایات

۱ - فرح بخش[1]: (قبل از ۱۱۳۵ھ) ، مصنفۂ لچھمی رام ابراهیم آبادی ، ضلع غازی پور - یہ کتاب عاقل خاں رازی کی 'شمع و پروانہ' پر مبنی ہے -

۲ - داستان لال پری[2]: (۱۱۲۴ھ) ، مصنفۂ رنجیت رائے -

۳ - رنگین بہار[3]: (۱۱۵۵ھ) ، مصنفۂ کرپا دیال- شاہ زادہ بہرام اور دختر شاہ داراب کے معاشقے کا قصہ -

۴ - ہیر رانجھا[4]: (۱۱۵۷ھ) ، مصنفۂ منسا رام منشی -

۵ - قصہ نو روز شاہ[5]: (۱۱۵۷ھ) ، مصنفۂ اودت چند عزیز کایستھ -

۶ - ملاحت مقال[6]: (۱۱۸۱ھ)، مصنفۂ دلپت رائے- یہ تاریخی حکایات کا مجموعہ ہے جس میں مغل شاهنشاهوں اور امیروں کے متعلق کہانیاں جمع ہیں - یہ کتاب مہاراجا مادھو سنگھ کی فرمائش پر مرتب کی گئی تھی- (مہاراجا کی زندگی کے لیے دیکھیے ٹاڈ ، راجستان ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۹) - اس کتاب کا ایک نسخہ

---

۱ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۶۸ -

۲ - ایوناف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، عدد ۴۰۲ -

۳ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۷۰ -

۴ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۷۰ -

۵ - ایضاً -

۶ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۰۵ -

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ دلپت رائے نے دیوان حافظ کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے ۔

۷ - **نخلستان**[1]: (۱۲۱۸ھ) ، مصنفہ شفیق اورنگ آبادی ۔

۸ - **برو، تی نروتی**[2]: (۱۳ صدی ہجری)، مصنفۂ لالہ رنجیت ۔

۹ - **قصہ ملک محمد و شہر بانو**[3]: (۱۲ صدی ہجری) ، مصنفۂ لچھمن سنگھ غیوری ۔ اصل کتاب اردو میں تھی ، غیوری نے شاہ عالم ثانی کی فرمائش پر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔

مترجمات

۱ - **مخزن العرفان**[4] : (۱۱۲۹ھ) ، مصنفۂ روپ نراین ولد ہری نراین کھتری سیالکوٹی ۔ یہ کتاب برج اور مقامات متبرکہ ہنود کی تاریخ ہے ۔ اصل میں اس کتاب کا نام 'برج مہاتم' ہے ۔

۲ - **گلشن اسرار**[5]: (۱۱۳۳ھ) ، مصنفۂ نیہ نراین ۔ اس کتاب کا ذکر کتب تاریخ میں آ چکا ہے ۔

۳ - **رسالہ در مدح شیوجی**: } مصنفۂ کشن سنگھ نشاط[6]- بنارس

۴ - **عین الظہور** : } کی برکات سے بحث کرتی ہے ۔

۵ - **بھگت مالا**[7] : (۱۱۶۲ھ) ، مصنفۂ لال جی داس ۔

---

۱ - انڈیا آفس کیٹالاگ (راس براؤن) ۱۵۳ - انڈیا آفس ، عدد ۸۵۵ -

۲ - انڈیا آفس ، عدد ۸۶۵ -

۳ - انڈیا آفس ، عدد ۸۴۸ -

۴ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۶۲ -

۵ - ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۱۷ -

۶ - ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۹۵ - انڈیا آفس ، عدد ۱۹۵۸ - ایضاً ، عدد ۱۹۶۱ -

۷ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن) ، عدد ۶۹۳ -

۶ - محیط معرفت[1]: (۱۱۶۷ھ) ، مصنفۂ ستی داس عارف ۔

۷ - پوران ناتھ پرکاش[2]: (۱۱۹۰ھ) ، مصنفۂ زور آور سنگھ ۔ اصل کتاب پنڈت رادھا کنشٹ ترکھا کی لکھی ہوئی ہے اور ہندوؤں کے سنین سے بحث کرتی ہے ۔

۸ - رسالہ کرپا رام[3]: (۱۱۹۰ھ) ، مصنفۂ منشی کرپا رام کایستھ ۔

۹ - چھتر سہاتم[4]: (۱۲۱۸ھ) مصنفۂ کرن سنگھ ۔

۱۰ - کرم کانڈ[5]:
۱۱ - پنجاست کاے: } مصنفۂ منشی دلا رام

۱۲ - گیا مہاتم[6]: (۱۲۰۶ھ) ، مصنفۂ انند کاھن خوش ۔

علم الحساب

۱ - دستورالحساب: (۱۱۸۰ھ) مصنفۂ اندرمن منشی ۔

۲ - زبدۃالقوانین[7]: (۱۲۱۱ھ) مصنفۂ ہرسکھ رائے ۔

۳ - مجمع الحساب: (۱۲۰۲) ، مصنفۂ گھاسی رام ۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔

(۴) رسالۂ حساب: (زمانہ معلوم نہیں)، مصنفۂ انند رام کایستھ ۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔

---

۱ - راس براؤن : صفحہ ۸۹ ۔
۲ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۶۳ ۔
۳ - باڈلین لائبریری ، عدد ۱۹۵۹ و ۱۹۶۲ ۔
۴ - باڈلین عدد ۱۹۶۰ ۔
۵ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۶۷ ۔
۶ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۶۳ ۔
۷ - ریو : جلد ۱ ، صفحہ ۹۹۵ ۔

هیئت و نجوم

زیج محمد شاہی (۱۱۴۰ھ)، مصنفہ راجا جے سنگھ کچھوا ہہ ۔ اس راجا کا اصل نام راجا بجے سنگھ تھا ؛ اورنگ زیب کے زمانے میں بہت سے ذمہ داری کے عہدوں پر سرفراز رہا ۔ محمد شاہ کے زمانے میں آگرے کا صوبے دار تھا ۔ عام طور پر اسے مرزا راجا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔ راجا نے جب محسوس کیا کہ مروجہ تقاویم میں بہت سے نقائص ہیں تو اس نے اس معاملے میں محمد شاہ بادشاہ سے گفتگو کی ۔ بادشاہ نے راجا کے ساتھ اتفاق کیا اور اصلاح و ترمیم کا مشورہ دیا ۔ راجا نے بہت سے ہیئت دانوں کو بلایا اور بہت سی الواح (Tables) تیار کروائیں ۔ پھر مینول کے ساتھ بعض قابل ماہرین ہیئت کو یورپ روانہ کیا تاکہ وہاں کی الواح سے مقابلہ کیا جا سکے ۔ یہ لوگ جب یورپ سے واپس آئے تو اس کے بعد یہ زیج تیار کی گئی ۔ کتاب تین مقالات پر مشتمل ہے ؛ اس کے دیباچے کا ترجمہ ڈاکٹر ہنٹر نے کیا ہے اور ایشیاٹک ریسرچز (جلد ۵ ، صفحہ ۱۷۷) میں موجود ہے ۔ [راجا اور زیج کے لیے دیکھو ٹاڈ ، راجستان ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۶ - مآثر عالمگیری ، صفحہ ۳۲۴ : ریو ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۶۰]

لغات

اس عہد میں بعض نہایت مستند اور ضخیم لغات تیار ہوئیں ۔ اس زمانے میں ، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ، مفردات الفاظ کی بجائے محاورات و اصطلاحات کی طرف زیادہ توجہ تھی ۔ چنانچہ **مرآۃالاصطلاح** ، **مصطلحات وارستہ** اور **بہار عجم** ہر سہ محاورات و مصطلحات پر مشتمل ہیں ۔ اس عہد میں یہ پانچ کتابیں لغت کی لکھی گئی ہیں :—

۱ - **مرآۃالاصطلاح** مصنفۂ انند رام مخلص ۔

۲ - مصطلحات وارستہ مصنفۂ سیالکوتی مل وارستہ -

۳ - بہار عجم مصنفۂ ٹیک چند بہار -

۴ - ہفت اختر[1] (۱۱۸۲ھ) مصنفۂ کاشی -

۵ - آمدن نامہ[2] (بعد از ۱۲۱۴ھ) مصنفۂ سکھ رام داس -

ان میں نمبر ۱ ، نمبر ۲ ، نمبر ۳ بہت اہم ہیں ، اس لیے ہم ان پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہیں اور ان کے سلسلے میں ان مصنفین کے مفصل حالات بھی درج کرتے ہیں - چنانچہ سب سے پہلے انند رام مخلص اور اس کی کتاب مرآۃالاصطلاح کو لیا جاتا ہے -

انند رام مخلص

حالات زندگی

انند رام مخلص دراصل سودھرہ (ضلع سیالکوٹ) کا رہنے والا تھا - وہ ذات کا کھتری تھا - فارسی وغیرہ میں اُسے اعلیٰ استعداد حاصل تھی - بچپن میں گنجفے کا بہت زیادہ شائق تھا[3] - لیکن جب اس کے والد راجا ہردی رام[4] نے سختی سے فہمایش کی تو اس نے پھر گنجفے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کی - وہ محمد شاہ کے زمانے میں وزیر اعتمادالدولہ کا وکیل تھا - سیف‌الدولہ عبدالصمد خاں صوبۂ لاہور و ملتان کے وکیل کی حیثیت سے کام کرتا رہا - چنانچہ

---

۱ - ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۱۲ -

۲ - ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۲۱ -

۳ - چمنستان مخلص - طبع لکھنؤ ، صفحہ ۶۲ -

۴ - ریو : (جلد ۲ ، صفحہ ۹۹۷ الف) اور اس کے تتبع میں ایتھے (انڈیا آفس ، عدد ۱۷۰۷) نے بھی غلطی سے مخلص کے باپ کا نام مردی رام لکھا ہے - لیکن دیکھو گل رعنا (فہرست بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۳ و مرآۃالاصطلاح ق ۷۵) -

اس کے حسن کارکردگی کی وجہ سے اس کو رائے رایان کا خطاب ملا[1] ۔

شعر و شاعری میں پہلے پہل مرزا بیدل سے اصلاح لی پھر جب خان آرزو ۱۱۳۲ھ میں دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں آئے تو انند رام مخلص کا ان سے اتفاق مصاحبت ہوگیا ۔ مناسبت مزاج کی بنا پر ان میں اتنا کامل اتحاد ہو گیا کہ اس نے خان آرزو کے لیے جاگیر ، منصب اور خطاب خانی بادشاہ سے حاصل کیا[2]۔ سراج الدین آرزو اپنے تذکرہ موسوم بہ مجمع النفائس میں لکھتے ہیں کہ ''انند رام بے حد خوش اخلاق آدمی ہیں ۔ تیس سال سے میرا قیام دھلی میں ہے ، اس کی وجہ صرف مخلص کی عنایات ہیں ،،۔ رقعات اور دوسری تصنیفات بھی سراج الدین آرزو اور مخلص کے تعلقات پر روشنی ڈالتی ہیں ۔ میر شرف الدین پیام کے ساتھ بھی دوستانہ روابط تھے ۔ مرآۃ الاصطلاح ، رقعات اور چمنستان سے مخلص کے معاصرین کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتے ہیں ۔ مخلص مدت تک نفث الدم[3] میں مبتلا رہ کر ۱۱۶۴ھ میں چل بسا ۔

مخلص کا پایۂ علمی

مخلص کا ذکر تقریباً سب تذکرہ نویسوں نے کیا ہے ۔ مخزن الغرائب بھی ، جس کے متعلق بجا طور پر یہ شکایت ہو سکتی ہے

---

۱ - ریو نے لکھا ہے کہ ۱۱۳۳ھ میں آرزو کی خواهش اور کوشش سے مخلص کو رائے رایان کا خطاب ملا ۔ یہ صحیح نہیں بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے ۔ دیکھو خزانۂ عامرہ نیز نشتر عشق ، جلد ۱ ، ق ۹۴ ۔ تذکرۂ آرزو مخزن‌الغرائب میں لکھا ہے کہ مخلص بوجہ فربہی کے خود کام نہ کر سکتا تھا ، اس لیے اس نے اپنا کام ایک اور شخص کے سپرد کر دیا تھا ۔

۲ - نشتر عشق (ق پنجاب یونیورسٹی) ، جلد ۱ ، ق ۹۴ ۔

۳ - تذکرۂ میر صفحہ ۸۹ ۔

کہ وہ ہندو شاعروں کا ذکر کم کرتا ہے ، مخلص کو باقاعدہ اپنے شعرا کی فہرست میں داخل کرتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ مخلص اپنے معاصرین کے لیے شمع محفل تھا - علم و شعر میں قدرت رکھنے کے علاوہ اہل علم کے لیے ماجا و ماوی بھی تھا - سید غلام علی نسیم امروہوی نے ایک شعر مخلص کے متعلق خوب لکھا ہے -

آں سپہر سخنوری مخلص فخر عرفی و انوری مخلص[1]

آرزو کا قول ہے کہ "مخلص از منتخبان روزگار ست ، در انشا و فن شعر کتب متعددہ دارد - اشعارش نہایت مرغوب[2] -" والہ داغستانی کا قول ہے کہ "برابر فکر او در ہنود کسی نیست -" اور حق یہ ہے کہ نہایت مناسب اور موزوں تعریف کی ہے - غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرہ[3] میں حکیم حسین شہرت کا قول نقل کیا ہے کہ "دو مخلص اند یکے کاشی ، دوم ماشی -"

مخلص کی عجائب پسندی

مخلص کی طبیعت کی افتاد کچھ ایسی تھی کہ وہ عجائب و غرائب کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا - لغت جیسی ٹھوس اور جامد چیز کو وہ نہایت دلچسپ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کامیاب ہوتا ہے - لطائف ، نکات وغیرہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ طبیعت نہایت شگفتہ تھی ، قہوہ کا استعمال عام کیا کرتا تھا اور بزم کا اتنا شائق تھا کہ دہلی میں شام کے وقت ایک چاء یا قہوے کی دکان پر اپنے احباب سمیت جا بیٹھتا اور خوش وقت ہوتا - امیرانہ زندگی بسر کرتا اور اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرتا تھا -

---

۱ - نشتر عشق (ق) جلد ۲ ، ق ۵۳۲ -
۲ - مجمع النفائس (ق پنجاب یونیورسٹی) صفحہ ۸۳۵ -
۳ - خزانۂ عامرہ ، صفحہ ۳۲۵ -

مخلص کی فارسی

جس ملک کی علمی زبان اجنبی ہو وہاں ایک ایسے شخص کو جس کا مبلغ علم صرف چند کتابوں اور بعض اہل زبان کے ساتھ گفتگو تک ہی محدود ہو ، زبان داں ہونے کا دعویٰ کرنا اور زبان دانوں کے ساتھ مقابلہ کرنا بہت کم ممکن ہو سکتا ہے اور اس حیثیت سے مخلص کا اول ہندوستانی ہونا اور پھر ہندو ہونا اس امر کی ایک وجہ ہو سکتی تھی کہ اس کو زبان کے ٹھیٹھ روزمرہ محاورات میں زبان دانانہ دعویٰ نہ ہو سکتا ، لیکن مخلص کے حالات معلوم کرنے سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ مخلص ادبی مذاکروں میں اہل زبان کے ساتھ حریفانہ اور ہم چشمانہ گفتگو کر سکتا تھا ۔

مخلص زبان دانوں کے اشعار پر تنقید بھی کیا کرتا تھا ۔ اکثر اوقات خان آرزو کے ساتھ بعض محاورات کی صحت و سقم کے معاملے میں اختلاف ہو جاتا تھا حالانکہ خان آرزو کی بزرگی کو سب تسلیم کرتے تھے ۔

زوال سلطنت مغلیہ کے وقت فارسی زبان میں بھی کافی زوال آ چکا تھا ۔ انشا پردازی میں مختلف قسم کی بحثیں اور نزاعیں پیدا ہوگئی تھیں ۔ چنانچہ انھی میں سے ایک نزاع ''استعمال الفاظ ہندی در فارسی'' کے متعلق تھی ۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ فارسی میں ہندی الفاظ کی آمیزش فصاحت میں فرق پیدا کر دیتی ہے ، اور دوسری جماعت کا یہ خیال تھا کہ جب ترکی ، تورانی وغیرہ زبانوں کی آمیزش اس رنگ کو بد مزہ نہیں کر سکتی تو ہندی جو بہت حد تک فارسی سے متحدالاصل ہے ، کس طرح اس الزام کا شکار ہو سکتی ہے ۔ اس گروہ کے امام سراج المحققین خان آرزو تھے ۔ مخلص اس بارے میں خان آرزو کا پیرو تھا ۔ مرآۃالاصطلاح میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ ''اعتقاد بعض عزیزان است کہ الفاظ ہندی در اشعار

فارسی آوردن درست نیست الا لانسلم این چیزها برائے خانان و مبتدیان مضائقہ دارد ، اہل قدرت و استعداد مختار اند۔'' بعینہ اسی طرح کا خیال چمنستان[1] میں ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال قادرالکلام لوگوں کے لیے جائز ہے ۔

مخلص کا انداز تحریر

مخلص کی نثر کی خصوصیات کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں ۔ اس نے فارسی میں ایک نیا انداز نکالا ہے ۔ نشتر عشق[2] میں لکھا ہے ''در فارسی روش مخصوص بدست آوردہ ۔'' مخلص کے طرز انشا میں زیادہ تکلف نہیں ، لیکن وہ مشکل نویسی کے الزام سے بالکل بری نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ بعض اوقات عبارت میں وہی رنگ نمایاں ہو جاتا ہے جو اس زمانے کے اکثر مشکل پسند انشا پردازوں کی خصوصیت تھی ۔ اور در حقیقت اس زمانے میں ہر شخص کا منتہائے نظر یہی تھا ۔

کسی واقعے یا منظر کا صحیح نقشہ کھینچنے میں مخلص کمال کر دکھاتا تھا ۔ کلام میں متانت اور روانی تھی ؛ اس کو زبان پر کافی قدرت حاصل تھی ؛ وہ انشا میں بلا تکلف اہل زبان کے محاورات استعمال کرتا ہے ۔ نثر کے کچھ فقروں کے بعد شعر لاتا ہے اور بر محل لاتا ہے ۔ وہ عبارتوں میں ہندی الفاظ کو بھی کبھی کبھی استعمال کرتا ہے ۔ چمنستان کی نثر سادہ اور شگفتہ معلوم ہوتی ہے ۔ چمنستان اور رقعات کے علاوہ مخلص کی انشائے نثر کا جو نمونہ ہمیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اس کی بنا پر یہ امر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مخلص فارسی کے بلند پایہ ادیبوں میں سے تھا ، اور ادبیات فارسی کی کوئی تاریخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی ۔

---

۱ - چمنستان ، صفحہ ۵۷ ۔

۲ - نشتر عشق (قلمی پنجاب یونیورسٹی) جلد ۲ ، صفحہ ۵۳۲ ب

مخلص کی شاعری

اب ہمیں مخلص کی شاعری کے متعلق کچھ کہنا ہے ۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس اس کا دیوان موجود نہیں ، لیکن مجمع النفائس[۱] میں اس کے کلام کا نمونہ درج ہے ۔ رقعات میں بھی اس کی کچھ غزلیں ، ایک دو قطعے ، ایک آدھ مختصر مثنوی ہے ۔ خزانۂ عامرہ اور مخزن‌الغرائب میں بھی اس کے کلام کا نمونہ موجود ہے ۔ نشتر عشق میں بہت سے اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ہم مخلص کے کلام پر اس وقت تک مجموعی حیثیت سے کوئی جامع تبصرہ نہیں کر سکتے جب تک کہ پورا کلام پیش نظر نہ ہو ۔

طرز خیال

مخلص نے مرزا بیدل سے اصلاح لی ہے مگر اس کا کلام سادگی اور روانی سے متصف ہے ۔ متاخرین میں 'طرز خیال' کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے ، اس کا اثر ہمارے شاعر پر پورے طور پر نہیں پڑا ، ورنہ اس زمانے میں علو فکر اس امر کے مرادف تھا کہ شعر میں وہ دقیق خیال پیدا کیا جائے کہ اس کا سمجھنا عام افہام و اذہان سے باہر ہو ۔ ''نظم راجد اعتدال رسانیده[۲]'' نشتر عشق کا مقولہ ہے ، اور یہ واقعہ ہے کہ اس کا کلام سلاست کی طرف مائل ہے ۔ غلام علی آزاد[۳] لکھتے ہیں کہ ''سخن اند رام تشتۂ قبول بر جبیں دارد ۔'' اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مخلص کے کلام میں تمثیل زیادہ ہے اور اس چیز سے اس کے کلام میں ایک شوخی پیدا ہو گئی ہے ۔ آرزو[۴] کہتے ہیں کہ

---

۱ - مجمع النفائس (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ق ، صفحہ ۸۳۵ -
۲ - نشتر عشق ایضاً ۔
۳ - خزانۂ عامرہ صفحہ ۴۲۵ -
۴ - مجمع النفائس ایضاً ۔

''اشعارش نہایت مرغوب۔'' دیوان کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری [1] میں محفوظ ہے لیکن اس کے علاوہ کہیں پتا نہیں چلتا۔ گل رعنا میں ہے کہ مخلص کا دیوان دس ہزار ابیات پر مشتمل ہے [2]۔ انڈیا آفس لائبریری میں جو نسخہ ہے اس میں رباعیات بھی ہیں۔ اس نسخے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصنف کی زندگی میں لکھا گیا تھا، اس لیے کہ اس کی تاریخ کتابت ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۵۷ھ ہے۔ غلام علی آزاد نے بھی، مخلص کا دیوان اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور کلام کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ مجمع النفائس سے نقل کیا ہے۔ ہم اب مخلص کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہیں:-

میازار ای محبت باز چوں من ناتوانے را
غریبے دردمندے بیکسے آزردہ جانے را
ز حال بلبل مسکیں ندارم اطلاع اما
بپائے گلبنے دیدیم مشت استخوانے را

برد سودائے سر زلف تو از خویش مرا
سفر دور و دراز آمدہ درپیش مرا

حسن در قید تماشائے تو افگند مرا
کرد در خانۂ آئینہ نظر بند مرا

گزشتی از نظر و بے تو زندہ ایم ہنوز
ز شرم آب نگشتیم، خاک بر سر ما

اے بلبلان کہ کردہ سفر جانب قفس
تنہا گزاشتید دریں گلستاں مرا

۱۔ انڈیا آفس لائبریری کیٹالاگ، عدد ۱۷۰۲۔

۲۔ دیکھو فہرست بانکی پور ۳۲۱۸ ، ۱، نشتر عشق میں بھی یہی تعداد ابیات کی دی ہے۔

با بلبلاں شریکِ فغاں می شدم ولے
نگزاشت فصل گل به چمن باغباں مرا

قصهٔ کوه کن بود گویا بوے خوں آید از فسانهٔ ما

از خطت شور در جهاں افتاد بنده پرور هنوز آغاز ست

ماجرائے بلبل و گل شاهد احوال ماست
از تو مخلص نالهٔو از یار نشنیدن بس ست

ما ندیدیم بچشم خود آه گریه گویند اثر داشته است

گرفتم ارتکاب می گناه است بهار از جانب ما عذر خواه است

توبه شوم است فصل گل ، گفتم بعد ازیں اختیار یاراں ست

نبود قابل صحت مخلص بگزارید که سودا دارد

از قدش بر من قیامت در جهاں گر نشد امروز ، فردا می‌شود

سیه مستانه اشک من بکوے یار می گردد
چو آں آیے که وقت شام در گلزار می‌گردد

خوش نشیناں چمن بار سفر می بندند
عندلیباں همه یکجا شده فریاد کنند

گر مناسب نبود آمدنم در کسویت
بنده پرور ! سر بازار سلامت باشد

چون منجم دید طالع نامه ام خندید و گفت
این پسر قائم مقام حضرت مجنون شود

بلبل شوریدهٔ چون من ندارد این چمن
صد بهار آخر شد و من همچنان دیوانه ام

ازاں هر لحظه در بر میکشم سرو گلستان را
که این رعنا جوان بسیار مے ماند بیار من

عکس چشم خوشت در آئینه است
یا شنا می کند در آب آهو

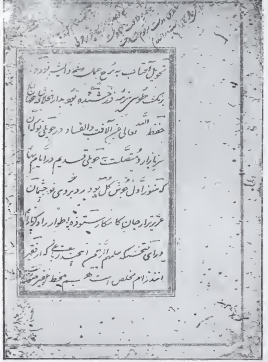
حقوق صحبت گل بر تو بسیار ست اے بلبل
مبادا از چمن غافل در ایام خزان باشی

اُستاد محترم پروفیسر شیرانی صاحب کے کتب خانے میں مخلص کی رباعیات محفوظ ہیں ۔ یہ نسخہ شاید خود مصنف کے قلم سے لکھا گیا ہے ۔ اس کے ایک صفحے کا عکس موجودہ کتاب میں شامل ہے ۔

مخلص کی تصنیفات :

آرزو لکھتے ہیں کہ ''در انشا و فن شعر کتب متعدده دارد'' افسوس کہ آرزو نے 'کتب متعدده' کی تفصیل نہیں لکھی ۔ ہمیں اپنی کوشش سے صرف ذیل کی کتابوں کا پتا چل سکا ہے :—

۱ - مرآة الاصطلاح
۲ - چمنستان
۳ - رقعات ؛
۴ - ہنگامۂ عشق
۵ - کارنامۂ عشق
۶ - تذکرہ



تحویل آفتاب به برج حمل مشهور داشته نوروز
برنگ طوطی سبزه درخشنده بود دارالخلافه جهان آباد
حفظ الله تعالی عن الآفت والفساد در حویلی نو که آن
سرکار دولت متصلست به حویلی قدیم در ایام بهار
که هنوز اول جوش گل بود بردبروی نوجشان
عزیزتر از جان کامگار ستوده اطوار راد کیا نام
ورای نسخه که مشتمل از رقم انچند رباعی که از فقیر
اننده زام مخلص است سم محظ زعیر صونت

رباعیات مخلص کے ایک خود نوشتہ نسخے کا ایک ورق
(پنجاب یونیورسٹی شیرانی کا لیکشن)

۷ - پری خانہ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ایک کتاب 'مرقع تصویر' ہے ، ہمارا خیال ہے کہ پری خانہ اور مرقع تصویر ایک ہی چیز کے دو حصے ہیں -

۸ - دیوان نظم

ان میں سے بعض تصنیفات کا ذکر پہلے آ چکا ہے ؛ یہاں ہم صرف مرآۃ الاصطلاح کو لیتے ہیں جو بلحاظ قدر و قیمت خاص کی تصنیفات میں سب سے اہم ہے -

مرآۃالاصطلاح

مغلوں کے آخری عہد حکومت میں صحیح اور مستند فارسی کا معیار تلاش کرنا پڑتا تھا - خود ہندوستان کے مسلمان بھی صحیح فارسی کے لیے سند نہ سمجھے جاتے تھے ، اس لیے کہ فارسی کا اصلی ماہر صحیح معنوں میں ایک ایرانی ہی ہوسکتا ہے نہ کہ ہر مسلمان - اس عہد میں صحیح فارسی کا معیار قائم کرنے کی مزید ضرورت اس لیے بھی تھی کہ شاہی دفاتر کے ملازمین کی زبان صاف نہ تھی اور اسی ناصاف اور غیرشستہ زبان کا رواج مصنفین تک بھی جا پہنچا تھا - اس ضرورت کی بنا پر اس عہد میں بے شمار لغت نویس پیدا ہوئے جن میں خان آرزو ، ہمارا مصنف ، وارستہ اور ٹیک چند بہار قابل ذکر ہیں -

ان لغات کی ایک بڑی ضرورت یہ تھی کہ عام لوگ صرف کتابی فارسی سے آشنا ہوتے تھے اور ان روزمرہ محاورات سے جو نئے لوگوں میں ایران کے اندر رائج ہوتے تھے ض ناواقف ہوتے تھے - چنانچہ قتیل نے اپنی تصنیفات میں اس کا بارہا ذکر کیا ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر ہندوستانیوں میں سے کسی کو ایرانیوں کے ساتھ گفتگو کا موقع ہوتا تو افہام و تفہیم سے بھی قاصر رہتا - اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کئی ایسی لغات لکھی گئیں جن میں صرف ان الفاظ کا اندراج ہوا جن سے ہندوستانی

فارسی داں نا آشنا ہوتے ۔ اس کام کی تکمیل کے لیے لغت نویسوں کو زباں دانوں کی کتابوں اور ان کی گفتگو سے استناد کرنا پڑتا ۔ چنانچہ مصنف نے خود دیباچے میں بیان کیا ہے[1] ۔

''برخلاف فرہنگ نویساں کہ بتحریر لغات قدیم مصروف بودہ بہ تحقیق مصطلحات فارسی‌گویان تازہ توجہی نمودہ آید... و از خدمت زبان دان معتبر بپایۂ تحقیق رسید ۔''

تاریخ تصنیف

تصنیف کی تاریخ خود مصنف نے دیباچے میں لکھی ہے جو کہ 'تحقیق اصطلاحات' کے اعداد کے برابر ہے یعنی ۱۱۵۸ھ ۔ بانکی پور لائبریری کا فہرست نگار لکھتا[2] ہے کہ کتاب کے آخر میں ۱۱۵۸ ہجری کی بجائے ۱۱۵۷ ہجری مرقوم ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخے میں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی ۔ کتاب میں جابجا واقعات کو سنوں کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ۔ چنانچہ ۱۱۵۸ھ کا ذکر بھی کتاب میں موجود[3] ہے ۔ مثلاً ورق ۹۹ بذیل خلعت ۔

کتاب کے مآخذ

مصنف نے دیباچے میں اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا کہا ہے ''و از خدمت زبان دانان معتبر بپایۂ تحقیق رسید ۔'' مصنف ۔ شدت کے ساتھ اس امر کی پابندی کی ہے کہ اپنے زمانے کے

---

۱ ۔ مرآۃ الاصطلاح (قلمی مملوکہ یونیورسٹی لائبریری لاہور) ورق ۱ ۔

۲ ۔ فہرست بانکی پور ، جلد ۹ ، صفحہ ۳۱ ، عدد ۸۱۰ ۔

۳ ۔ ''زر اگر برسر فولاد نہی نرم شود'' کی شرح میں مخلص نے ایک قصہ دیا ہے جس کا آغاز یوں ہے ''حالانکہ سال ۱۱۵۷ است الخ'' مگر چمنستان میں اسی واقع پر ۱۱۵۸ لکھا ہے ۔ بذیل چوب دست بھی ہے ''دریں روزہا کہ سال ہجری ۱۱۵۷ است ۔''

تازہ گو لوگوں کے اشعار اور عبارات کو بطور سند پیش کرے۔ سراج الدین آرزو ، سعید اشرف، فصاحت علی خاں راضی ، شرف‌الدین پیام ، علی حزیں ، صائب ، رضی دانش ، مرزا نجات وغیرہ کے اشعار عام طور پر ملتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ مصنف نے نہایت دقت نظر کے ساتھ اختیار کیا ہے اور کتاب کی غرض اصلی اسی امر کی متقاضی تھی ۔ مخلص خود ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس طرز عمل پر اعتراض ہے ''صاحبان این فن بر راقم حروف خوردہ گیرند کہ این چہ قسم اسناد است کہ گاہ از ظفر خان بنویسد و گاہ از عنایت خان ۔'' پھر اس کا جواب یوں دیا ہے ''معلوم باد کہ یکے اینہا اہل ایرانند و زبان دان ہستند دوم آن کسان اند کہ مثل مرزا صائب و طالب کلیم و قدسی و سلیم رفیق شان بودند[۱]''

مخلص نے اپنے مسلمات کی بنا یا تو زبان دانوں کے اشعار پر رکھی ہے یا ان کی کتابوں پر یا ان کی گفتگو پر ۔ چراغ ہدایت، امثال مرزا محمد فروتنی ، سراج اللغۃ، حجت ساطع ملا ساطع ، تحفۂ سامی ، تذکرۂ طاہر نصرآبادی ، فرہنگ جہانگیری ، واقعات بابری وغیرہ کا ذکر کتاب میں آیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخلص نے زیادہ تر سراج اللغۃ ، حجت ساطع اور امثال مرزا محمد فروتنی کی طرف توجہ کی ہے ۔

ترتیب

لغات کو حروف تہجی کی بنا پر مرتب کیا ہے ۔ صرف محاورات اور استعارات وغیرہ کا اندراج کیا گیا ہے ۔ ہر ردیف کے آخر میں مثالوں کو پیش کیا گیا ہے جن میں سے بعض مصرعوں اور شعروں کی صورت میں ہیں جن کو 'امثال موزوں' کہا گیا ہے اور کچھ نثر میں ہیں ان کو 'امثال غیر موزوں' کے نام سے تعبیر

۱ ۔ مرآۃ الاصطلاح ۔ ورق ۳۳ اب (بذیل سرگوشی)

کیا ہے ۔ بعض اوقات الفاظ کے ضمن میں بعض اور چیزوں کا ذکر آ جاتا ہے جن کا بظاہر اس ردیف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ مثلاً نیشکر ایک لفظ ہے اس کے ضمن میں خوش نویسی کا ذکر آ گیا ہے اور ساتھ ہی ہدایت اللہ خوش نویس کا تذکرہ ہے ۔ بعض اوقات الفاظ کی تشریح کے طور پر کہانیوں اور لطیفوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جن میں گاہے گاہے اپنے تجربات پیش کیے ہیں ۔ غرض کتاب کی ترتیب و تدوین میں یہ انوکھی طرز ملحوظ رکھی گئی ہے جو اس کو دوسری لغات سے ممتاز کرتی ہے ۔

مرأۃالاصطلاح کی خصوصیات

۱ ۔ اگرچہ یہ بہار کی طرح تفصیلی لغت نہیں اور صرف بعض اصطلاحات تک ہی محدود ہے ، تاہم اس کی دلچسپ طرز ترتیب اس کے لیے باعث امتیاز ہے ۔ مرآۃ جہاں ایک لغت کی کتاب ہے ، وہاں ایک بیاض بھی ہے جو ہر مذاق کے آدمی کے لیے جاذب توجہ ہے ۔

۲ ۔ مصنف کے ذاتی حالات بھی اس کتاب سے بکثرت مل سکتے ہیں ۔ سراج الدین آرزو کے ساتھ اس کے تعلقات کا حال اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اکثر حقائق اس سے منکشف ہوتے ہیں جن سے مخلص کے واقعات زندگی کی ترتیب میں فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔

۳ ۔ یہ کتاب اس کمی کو کسی حد تک پورا کرتی ہے جو ہماری سیاسی تاریخوں میں موجود ہے ۔ معاشرتی حالات کا ملنا اس قدر دشوار ہے کہ ان کے متعلق معمولی واقعات کا معلوم کر لینا بھی غنیمت ہے ۔ انتظامات سلطنت ، ہندوستانیوں کے رسوم اور دیگر مشاغل کا حال ہمیں دوسری تاریخوں سے بہت کم ملتا ہے اور اسی کمی کو مراۃالاصطلاح کسی حد تک پورا کرتی ہے ۔ ہم ذیل میں مثال کے طور پر بعض چیزوں کو پیش کرتے ہیں تاکہ اس سے ہمارے مقصد کی تشریح ہو جائے ۔

(ل) ضوابط : یعنی تمام وہ رواج جو حکومت کا دستورالعمل تھے ، ان کے متعلق کتاب میں جا بجا منتشر طور پر ذکر آیا ہے ـ منصب کی تفصیل (ق[1] ۱۵ بہ ذیل منصب) جاگیر کی اقسام مثلاً خالصہ شریفہ ، صرف خاص ، جاگیر ، تنبول ، برگ بہا اور ان میں فرق (ق ۱۴ : اقطاع) احوال دستور اعظم (ق ۱۷ : احوال دستور اعظم) احوال تنخواہ (ق ۱۶ : احوال تنخواہ) وزیر کے تقرر کا قانون ـ عالمگیر کے عہد سے وزیر کے تقرر کے لیے کوئی ضابطہ نہ تھا (ق ۱۷ : احوال دستور اعظم) دیوان تن کا ذکر اور اس کے منصب کی تشریح ـ القاب و خطابات کا تفصیلی حال ـ وکیل مطلق کے خطابات (ق ۱۷ : احوال القاب) سلطنت مغلیہ کے بعض آمرا کا حال (ق ۱۸ : القاب نواب آصف جاہ) تنخواہ کا چک جس کو 'برات' کہتے تھے (ق ۳۶ : برات) ہندوستان میں سرکاری خط و کتابت کے متعلق مختلف ضوابط (ق ۲۷ : تعلیق) ہندوستان میں دفتر تنخواہ کو دفتر تن کہتے ہیں ـ تنخواہ کے متعلق بعض قوانین و ضوابط (ق ۶۵ : تنخواہ) درباروں میں لباس کی تخصیص (ق ۸۱ : چار قب) داروغہ ـ خان ، صدر کا مفہوم ، خان ساماں میر ساماں کا منصب (ق ۹۳ : خان ساماں) بادشاہوں کی طرف سے آمرا کو جو 'بالا پوش' یعنی خلعت ملتی ہے (ق ۹۹ : خلعت) زنجیر عدالت کا حال (ق ۱۲۲ : زنجیر عدالت) کرانے کے متعلق ضابطہ (ق ۱۳۴ : سر نشین قافلہ) میر توزک اول ، میر توزک دوم کا بیان (ق ۱۵۵ : صحبت یساول) طغرا یعنی فرمان نویسی کے مختلف طریقے (ق ۱۶۱ ; طغرا) شاہی خیمے وغیرہ کے متعلق بیان (ق ۱۶۲ : طناب قورق) درخواست یا عرضداشت

---

۱ ـ علامت ق سے مراد ورق ہے ـ

کا ضابطہ (ق ۱٦۵ : عرضداشت) فرمان بالمشافہہ (ق ۱۷۰ : فرمان بالمشافہہ) لباس کی تخصیص شاہی درباروں میں (ق ۱۷۰ : قرقاول) میر شکار کا عہدہ (ق ۱۷۰ : قرقاول) غرض اس طرح کے حالات منتشر صورت میں ملتے ہیں جو مغلیہ سلطنت کے عہد آخر کے درباری نظم و نسق پر خاطر خواہ روشنی ڈالتے ہیں۔

(ب) **رسوم کا تذکرہ :** مثلاً 'بیڑہ و پان' کے زیر عنوان شادی کی رسوم پر تبصرہ (ق ۴۴) 'بیضۂ الوان' کے زیر عنوان جشن نوروز کا حال (ق ۴۴) سویمبر کا حال (ق ٦۱ : ترنج طلا) ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ جس دروازے سے آتے ہیں اس سے واپس نہیں جاتے۔ یہ بادشاہوں کا طریقہ ہے (ق ٦۲ : تغیر دادن راہ) سالگرہ کی رسم (ق ۱۲۷ : سالگرہ) بام مارگیوں کی رسوم (ق ۱۴۵ : شرب الیہود) 'ستی' کا ذکر (ق ۱۲۹ : ستی) وغیرہ۔

(ج) **مفید معلومات :** شیشے کے آلات پٹنے میں نہایت عمدہ بنتے ہیں (ق ۱۹ : بادۂ شیراز) نیشکر کا حال، قلم نیشکراور خوش نویسی پر تبصرہ (ق ۳۸ : بستۂ نیشکر) تخت طاؤس کا مفصل حال (ق ۵۸ تا ٦۰ : تخت طاؤس) قلم فرنگی یعنی پنسل پر دلچسپ تبصرہ (ق ٦۸ : توتیا قلم) جمعہ بازار کی کیفیت (ق ۷۷ : جمعہ بازار) خط شکستہ کا حال (ق ۹۸ : زربفت) زربفت احمد آباد میں نہایت عمدہ تیار ہوتا تھا (ق ۱۲۰ : زربفت) نمک کی کانیں ہندوستان میں (ق ۱۳۷ : سنگ نمک) گھٹنا بہری کا شکار۔ نہایت عمدہ حال (ق ۱۴۷ : شکار قمرغہ) فن تصویر کشی (ق ۱۵۷ ، ۱۵۸ : صورت جادو) عطر گلاب پشاور میں بکثرت ہوتا تھا (ق ۱٦۵ : عطر گلاب) قہوے کا دلچسپ بیان (ق ۱۷۴ ، ۱۷۵ : قہوہ) پھولوں کی مختلف اقسام

جو اُس وقت ہندوستان میں موجود تھے (ق ۱۹۷ ، ۱۹۸ : لالۂ عباسی) فن مینا کاری (ق ۲۰۵ : مینا کار) اس زمانے کے لباس کا مختصر سا حال (ق ۲۱۹ : یار پیراھن) ۔

۴ - چوتھی خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں معاصرین کا حال بھی ملتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ حالات اتنے زیادہ تفصیلی نہیں جتنے کہ دوسرے تذکروں میں ملتے ہیں ۔ مگر ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک لغت کی کتاب اس قدر تفصیل کی متحمل بھی نہیں ہو سکتی اور جو سرسری حالات مرآۃ میں ملتے ہیں وہ بوجہ عینی ہونے کے نہایت ہی مستند اور معتبر سمجھے جانے کے قابل ہیں ۔ ذیل کے حالات اس کتاب سے ملتے ہیں :

ذکر بعض اُمرائے سلطنت بہ ضمن مقدمہ (ق ۱۸ : القاب نواب آصف جاہ) قزلباش خاں اُمید کا حال (ق ۱۹ : اُمید) راجا دیا رام عم مصنف (ق ۲۰ : انگشتر زنہار) زاھد علی خاں سخا (ق ۳۱ ب : بپائے خود گرفتن) ہدایت اللہ خوش نویس کا حال (ق ۳۸ : بستہ نیشکر) راجا ھردے رام والد مصنف کا تھوڑا سا حال (ق ۵۶ : تحت الحنک) مرزا صائب کا مختصر حال (ق ۶۹ : تہ کردن) راجا ھری سنگھ تیر انداز (ق ۷۱ : تیر) محمد احسن سامع (ق ۷۶ : جنون دوری) شکستہ نویسوں کا حال (ق ۹۸ : خط شکستہ) رائے زادہ ھرکرن (ق ۱۰۸ : دشت لانہ) راجا جے سنگھ کا حال (ق ۱۲۰ : زربفت) جہاں آرا بیگم (ق ۱۲۱ : زر گل) ارادت خاں (ق ۱۲۲ : زلو) معزز خاں افسر (ق ۱۲۳ : زیر و زبر) ھاشم خاں مجزوں (ق ۱۳۲ : سرخ شدن) محمد علی حزیں (ق ۱۳۸ : شکار جرگہ) مرزا عبدالغنی بیگ قبول و پسرش گرامی (ق ۱۵۱ ، ۱۵۲ : شیر حاجی) میر شرف الدین پیام حشمت (ق ۱۵۶ ، ۱۵۷ : صندل رنگ) دو مصوروں کا

حال جن کے نام گوردھن و چرن داس تھے (ق ۱۵۸ :صورت نویسی) نعمت اللہ خاں مرحوم (ق ۱۶۳ : طومار واصلات) محمد خاں دیوانہ افیونی (ق ۱۹۰ : کوکنار) اس فہرست میں اکثر لوگ مخلص کے معاصر ہیں ۔

۵ - اس کی ترتیب انوکھی ہے جس کا تھوڑا سا حال پہلے آ چکا ہے ۔

بہار عجم نے مخلص کی لغت سے کافی فائدہ اٹھایا ہے ۔ اکثر الفاظ بہار عجم نے بالکل حرف بہ حرف نقل کر لیے ہیں ۔ مثلاً چخور سغد وغیرہ ۔ بعض اوقات بہار مخلص کی عبارت نقل کرتا ہے اور اپنی طرف سے بھی معلومات کا اضافہ کرتا ہے البتہ مخلص کے بعض الفاظ کو حذف کر دیتا ہے ۔

بہار عجم کی آخری ایڈیشن میں (۱۹۱۶ع نولکشور دیباچہ ص ۳ پر) مآخذ میں انند رام مخلص‌کی‌بجائے مخلص کاشی کا ذکر آتا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ؛ مخلص کاشی کا کوئی رسالہ لغت میں ہم تک نہیں آیا اور نہ مخلص اتنا متاخر ھی ہے کہ بہار نے اس کو اپنے آخری ایڈیشن میں استعمال کیا ہو لیکن ابتدائی نسخوں میں اس کا ذکر تک بھی نہ کیا ہو۔ اس کی تردید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بانکی پور لائبریری میں اندرمن کا جو خلاصہ بہار عجم موجود ہے اس میں صاف طور پر 'انند رام مخلص' مرقوم ہے ۔ نیز خود صاحب بہار عجم کتاب کی اثنا میں انند رام کے فرھنگ کا ذکر کرتا ہے ۔ پس ان حالات میں محولۂ بالا عبارت طباعت کی غلطی سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے ۔

وارستہ اس کتاب کا ذکر نہیں کرتا اور کوئی تعجب نہیں کہ وارستہ نے دیدہ و دانستہ اس کے ذکر سے اعراض کیا ہو ۔ ان لغات کی تقابلی حیثیت پر ہم بہار کے ذکر میں روشنی ڈالیں گے ۔

سیالکوٹی مل وارستہ

(مصطلحات وارستہ)

حالات زندگی

وارستہ ، سیالکوٹی مل ، سیالکوٹ کا رہنے والا تھا[1] ۔ بعض مصنف اسے لاہوری بھی کہتے ہیں[2] ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اس کا مقام پیدایش لاہور[3] تھا ۔ وارستہ کا نام ہی اس کے مقام پیدایش پر دلالت کرتا ہے ۔ ہندوؤں میں سیالکوٹی مل ، پشاوری مل ، امرتسری لال وغیرہ ناموں کا رواج عام ہے؛ لہٰذا اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سیالکوٹی مل کا یہ نام اس کے سیالکوٹ میں پیدا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہوگا۔

وارستہ کے تعلیمی ، خاندانی اور دیگر حالات پر تاریکی کا ایک پردہ چھایا ہوا ہے ۔ وارستہ کی تصنیفات[4] سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ میر محمد علی رائج سیالکوٹی اس کے استاد تھے ۔ میر محمد علی ۱۱۵۰ھ میں فوت ہوئے اور بقول سرخوش اپنے وقت کے اچھے شاعروں میں سے تھے ۔ ان کے حالات خزانۂ عامرہ اور تذکرۂ سرخوش اور نشتر عشق میں مل سکتے ہیں ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وارستہ نے میر محمد علی سے کس شعبۂ علم میں استفادہ کیا ؛ شاید شعر و شاعری کا ذوق ان سے پایا ہو ، اس لیے کہ باقی اصناف علم میں ان کو کوئی خاص شہرت حاصل نہ تھی ۔

---

۱ ۔ گل رعنا (بانکی پور لائبریری فہرست ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۲۳)

۲ ۔ مؤید برھان ، صفحہ ۸ ۔

۳ ۔ بلوخمن کنٹریبوشنز ، صفحہ ۳۰ ۔

۴ ۔ مثلاً مصطلحات و مطلع السعدین ۔

عمر کا آخری حصہ وارستہ نے ڈیرہ غازی خاں میں بسر کیا اور اسی مقام پر ۱۱۸۰ھ میں چل بسا[1]۔

سیاحت ایران

رسالہ معارف[2] میں ایک مضمون کے سلسلے میں وارستہ کے متعلق یہ درج ہے کہ وہ تیس سال تک ایران میں رہا جہاں وہ ارباب علم و فضل کی صحبت سے علمی فائدہ اٹھاتا رہا ۔ اسی طرح بلوخمن صاحب نے کنٹریبوشنز میں وارستہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے ایران کی سیاحت کی اور وہاں عرصۂ دراز تک قیام پزیر رہ کر محاورات کی تحقیق میں مصروف رہا ۔ ہم اس بارے میں کوئی حتمی رائے پیش نہیں کر سکتے ۔ سید سلیمان صاحب نے اپنے بیان کا مآخذ نہیں بتایا ؛ اسی طرح بلوخمن صاحب نے بھی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ۔ 'مصطلحات الشعراء وارستہ' کے دیباچے کے ان الفاظ سے شبہہ پیدا ہو سکتا ہے :

'ناچار رجوع بزبان دانان ایران دیار نمودم و پنجدہ سال دریں تلاش بسر بردم ۔''

لیکن ہمارے خیال میں ان الفاظ سے وارستہ کی سیاحت ایران پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان میں رہ کر بھی محاورہ دانان ایران سے بعض محاورات کے بارے میں استصواب کیا جا سکتا تھا اس لیے کہ اس وقت یہاں ایرانیوں کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی ۔ غرض یہ کہ ہماری رائے میں وارستہ کے ایران جانے کا بیان معتبر نہیں ۔ کم از کم ہماری نظر سے کوئی معتبر حوالہ نہیں گزرا ۔

---

۱ - گل رعنا ایضاً

۲ - معارف ۱۹۱۸ء اکتوبر - صفحہ ۱۸۱ و بلوخمن کنٹریبوشنز -

حالات کی کمی کی وجہ

تعجب کا مقام ہے کہ وارستہ کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں ۔ صرف 'گل رعنا' میں مختصر سا تذکرہ ہے ۔ باقی تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں ۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وارستہ شاعری میں بلند پایہ نہ رکھتا تھا چنانچہ اس کے کلام کا کوئی نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں ۔ اس کی سب سے بڑی فضیلت اس کی انشاپردازی اور محاورہ دانی ہے ۔ اکثر تذکرے چونکہ شعرا کے حالات پر مشتمل ہیں اس لیے ان میں وارستہ کا ذکر نہ آنا بالکل قدرتی امر معلوم ہوتا ہے ۔ وارستہ کے مشہور نہ ہو سکنے کی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وارستہ نے اپنی عمر پنجاب ہی میں بسر کی ہے اور مراکز علمی مثلاً دہلی و لکھنؤ میں آنے کا کم اتفاق ہوا ہے اس لیے تذکرہ نویسوں کی نگاہ سے اوجھل ہی رہا ۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جب تذکروں میں معمولی معمولی لوگوں کے حالات مل سکتے ہوں تو وارستہ جیسا محقق اور انشا پرداز اس طرح پردۂ گمنامی میں رہتا ۔ آسے جس قدر بھی شہرت حاصل ہوئی وہ مصطلحات کی بنا پر ہے ۔

حزیں کی پیروی

شیخ محمد علی حزیں جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو کچھ سفر کی تکالیف اور کچھ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر ہندوستان کی ہجو میں مصروف ہو گئے ۔ یہاں کے شعرا کی مذمت کی ، اور بہ قول داغستانی[1] باوجود منت ساجت و فہایش کے بھی اس مشغلے کو نہ چھوڑا ۔ ان کی اس حرکت سے ہندوستان کے اہل علم و فضل میں ان کے خلاف غیظ و غضب کا ایک طوفان بپا ہو گیا ۔ شیخ محمد علی حزیں نے محمد افضل ثابت کے کلام پر بھی مخالفانہ نکتہ چینی کی تھی اس پر ثابت کے بیٹے ثبات نے برافروختہ ہو کر حزیں کی

---

۱ - ریاض‌الشعرا (قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری) ورق ٦٥ -

شاعری پر صدہا اعتراض کیے۔ خان آرزو نے بھی حزیں کے دیوان میں سے سقیم اشعار نکال کر ان پر سختی کے ساتھ جرح کی ہے۔ حزیں چوں کہ علم و فضل کے علاوہ زہد و تقویٰ میں بھی لاثانی تھے، اس لیے خود ہندوستان میں ان کے بہت سے عقیدت مند پیدا ہو گئے تھے؛ چنانچہ وارستہ بھی کسی حد تک ان کی سلک ارادت میں منسلک تھا۔ آس نے خان آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین کے مقابلے میں 'رجم الشیاطین' نام ایک رسالہ لکھا جس میں خان آرزو کے اعتراضات کی تردید کی ہے۔ اس بات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وارستہ کے نزدیک ایرانی شعرا زیادہ قابل سند تھے بہ نسبت ہندوستانیوں کے خواہ وہ خان آرزو کا منصب ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ 'ایرانیت پسندی' کے جوش میں وارستہ مصطلحات میں خان آرزو اور دوسرے ہندوستانی شعرا کے اشعار بطور سند پیش کرنے میں احتیاط سے کام لیتا ہے۔ تاہم اپنی دوسری کتاب مطلع السعدین میں کہیں کہیں 'سراج المحققین' کے قول کو تسلیم کرتا ہے اور 'مثمر' کا ذکر بھی کرتا ہے۔ (دیکھو مطلع السعدین صفحہ ۳۶)۔

وارستہ کا علمی ماحول

وارستہ ایک ایسے شہر میں پیدا ہوا تھا جو اپنی علمی سرگرمیوں کے لحاظ سے عہد اکبری سے لے کر سلطنت مغلیہ کے خاتمے اور زوال تک پنجاب بھر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اکبر کے زمانے میں مولانا کمال الدین حسین اور شاہ جہاں کے زمانے میں مولانا عبدالحکیم اور ان کے فرزند مولانا عبداللہ کا علم و فضل تمام طلبۂ علم کے لیے باعث کشش رہ چکا تھا۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ[۱] کے مان سنگھی، حریری اور جہانگیری کاغذ بھی مشہور تھے۔ وارستہ کے اُستاد میر محمد علی رائج بھی سیالکوٹ کے

۱۔ خلاصۃالتواریخ سجان رائے۔ صفحہ ۲۔

رہنے والے تھے ۔ وارستہ کی ابتدائی تربیت پر اس ماحول کا اثر ضرور پڑا ہوگا - چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وارستہ کی طبیعت میں سطحیت کی بجائے عمق اور تنگ خیالی کی بجائے وسیع النظری موجود ہے جو عام منشیوں کے حصے میں کبھی نہیں آئی ۔

قوت تنقید

وارستہ اپنے زمانے کا بہترین محقق تھا ۔ اس کی قوت تنقید بےنظیر ہے ۔ محقق رشیدی نے علم لغت میں جو راستہ تجویز کیا تھا ، وارستہ نے اس راستے پر چل کر اس کی تکمیل کی کوشش کی ۔ متاخرین وارستہ کو استاد تسلیم کرتے ہیں ۔ علم شعر کو وارستہ نے نئی ترکیب سے مدون کیا ، چنانچہ 'مطلع السعدین' کے ذکر میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے ۔ وارستہ انشا میں خاص قسم کے خیالات کا پابند تھا ۔ وہ 'تصرف' کو شعر میں جائز نہ سمجھتا تھا ۔ نعمت خاں عالی نے محاصرۂ حیدر آباد میں جو انداز اختیار کیا ہے وارستہ اس کا مخالف تھا ۔ چنانچہ مطلع السعدین (صفحہ ٦٨) میں لکھا ہے : ''خان عالی نثرے کہ متضمن جہل ملائی انشا کردہ قابل وثوق نیست''........الخ ۔

نثری نمونہ

ہم اس کی کتاب 'صفات کائنات' سے اس کی نثر کا نمونہ پیش کرتے ہیں :

''در صفت روز جمعہ : جمعہ بادشاہیست نامور کہ در مساجد خطبہ بنامش خوانند و در مدارس خط آزادی بفرمانش می نگارند ۔ نے نے ۔ ریاضت کیشے ست کہ مدام آیۂ سجدہ می خواند ، سورۂ توبہ بر زبان می راند ، آدینہ بازاریست کہ یک بنر متاع در راستہ اش مہیا ست و از کثرت اسباب کرامت رشک بازار مینا از سطوت احتسابش پیانۂ رندان پر و پیانہا خالی ست ۔'' (صفات کائنات صفحہ ۱۳) ۔

دیوان نہیں

اس کے دیوان کا کہیں ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دیوان نہیں تھا۔ اس کے کچھ اشعار مصطلحات میں ملتے ہیں لیکن وہ نمونے کا کام نہیں دے سکتے اس لیے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

وارستہ کی تصنیفات یہ ہیں:

(۱) مصطلحات الشعرا
(۲) مطلع السعدین
(۳) صفات کائنات یا عجائب وغرائب
(۴) جواب شافی یا رجم الشیاطین
(۵) جنگ رنگا رنگ یا تذکرۂ وارستہ

اس مقام پر ہم صرف مصطلحات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔ نمبر ۲ تا ۵ کے لیے حاشیہ ملاحظہ ہو!۔

---

۱ - مطلع السعدین

۱۱۶۸ھ میں لکھی گئی۔ اس میں فن انشا و شعر کی مختلف شاخوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس فن پر رشید الدین وطواط کی کتاب 'حدائق السحر' سے لے کر وارستہ تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں وطواط کی پیروی کی گئی ہے۔ وطواط نے جو اشعار تمثیلی طور پر بیان کیے ہیں سب نے انہیں اشعار کو قائم رکھا۔ وارستہ کی جدت آفریں طبیعت نے اس میدان میں بھی جدت کو مدنظر رکھا اور اس نے مطلع السعدین میں متاخرین کے اشعار کو بطور سند پیش کیا۔ مطلع السعدین کے مطالعے سے ہماری یہ رائے اور بھی مضبوط ہوتی جاتی ہے کہ وارستہ کی نظر تقلید اور کورانہ پیروی کے خلاف ہے۔ وہ ہر معاملے میں اپنی رائے رکھتا ہے۔ اس کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵ پر ملاحظہ کیجیے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴)

ضروری نہیں کہ وہ اسلاف کی رائے کے مطابق ھی ھو ۔ یہ کتاب ۱۸۱۰ع میں طبع ھو چکی ہے اور اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے ۔

صفات کائنات یا عجائب و غرائب

ہندوستان کے فارسی انشا پردازوں کی تصنیفات سے مختلف مواقع اور مختلف تقاریب کے مطابق نثر کے نمونے نکال کر ایک جا جمع کر دیے ھیں ۔ ان میں وارستہ کی اپنی نثر بھی ملتی ہے ۔ انند رام مخلص کی نثر کے ٹکڑے بھی شامل کیے گئے ھیں ۔ ھر بیان 'در صفت' کے عنوان سے شروع ھوتا ہے ۔ اس کتاب کا مختصر سا حال ریو نے بھی دیا ہے (ریو ، ج ۳ صفحہ ۱۰۰۶) اس کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے ۔

جنگ رنگا رنگ

اس کا حال ھمیں اودھ کیٹلاگ (سپرنگر صفحہ ۱۳۶) سے معلوم ھوا ہے ۔ سپرنگر لکھتا ہے کہ یہ وارستہ کی بیاض ہے جس میں مختلف شعرا کے عمدہ اشعار جمع ھیں ۔ مضامین کے لحاظ سے ۲۰۰ عنوان مقرر کیے گئے ھیں ۔ شعرا کے سوانح کا التزام نہیں کیا گیا ہے ۔ گل رعنا (بانکی پور ، ج ۸ ، صفحہ ۱۳۳) میں غالباً اسی کتاب کو 'تذکرے' کے نام سے موسوم کیا ہے ۔

رجم الشیاطین

خان آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین کا جواب ہے ۔ اس کتاب میں آن اعتراضات کی تردید کی گئی ہے جو خان آرزو نے علی حزیں کی شاعری پر کیے ھیں ۔ گل رعنا میں 'جواب شاق' نام ایک کتاب وارستہ کی طرف منسوب کی گئی ہے ۔ کوئی تعجب نہیں کہ رجم الشیاطین اور جواب شاق ایک ھی کتاب کے دو نام ھوں ۔

مصطلحات الشعرا

جدید محاورات اور چیدہ مصطلحات کا مجموعہ ہے ۔ کہیں کہیں مفردات بھی ہیں لیکن بالعموم اصطلاحات اور محاورات ھی کو جمع کرنے پر اکتفا کی گئی ہے ۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۸۰ھ میں ختم ہوئی ۔ یہ تاریخ کتاب کے نام سے نکلتی ہے۔ مؤلف دیباچے میں لکھتا ہے کہ ''میں[1] عہد طفلی سے فصحا اور شعرا کے دواوین کا مطالعہ کرتا رہا ۔ اس سلسلے میں فارسی کے نادر اور غریب الاستعمال محاورات کا علم ہوا جن کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ میں نے لغت کی کتابوں کو دیکھا بھالا لیکن کوئی خاص امداد نہ ملی ؛ بالآخر مجبور ہو کر ایرانی زبان دانوں کی طرف توجہ کرنی پڑی ۔ اس شغل میں پندرہ برس گزر گئے ۔ اس کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا ۔ بعض محاورے اگرچہ پہلی لغتوں میں موجود تھے ، لیکن اس خیال سے کہ ان کا فائدہ عام ہو ان کو بھی شامل کر لیا گیا ۔ وہ الفاظ جنہیں جدید محاوروں میں متروک قرار دیا گیا ہے ، شامل نہیں کیے گئے ۔''

مصطلحات کے مآخذ یہ ہیں :

فرہنگ جہانگیری ، کشف اللغات ، مؤیدالفضلا ، مدارالافاضل ، قاموس ، تاج المصادر ، شرح دیوان خاقانی از شادی آبادی ، شرح قصائد انوری از فراهانی ، لطائف مثنوی معنوی ، صراح ، مجموعۂ ابراهیم شاهی ، منتخب اللغات ۔ ان کے علاوہ 'محاورہ دانان ایران' سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ ڈاکٹر ریو[2] کا خیال ہے کہ 'محاورہ دانان ایران' بھی لغت کی کوئی کتاب ہے جس کا مصنف معلوم نہیں ۔ ہماری رائے میں یہ کسی کتاب کا نام نہیں بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ مختلف محاورہ دان علما سے بعض محاورات کے بارے میں استصواب کیا گیا ہے اور بس ۔

۱ ۔ اصل عبارت فارسی میں ہے ۔ ۲ ۔ ریو ، ج ۲ ، صفحہ ۵۰۳

مصطلحات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے دیباچے میں اپنے سارے مآخذ کا نام نہیں لیا ۔ بہار عجم اور سراج اللغۃ کا ذکر کتاب میں بارہا آتا ہے ۔ کوئی تعجب نہیں کہ وارستہ نے مرآۃ الاصطلاح مخاص کو بھی دیکھا ہو ۔ لیکن جہاں بہار عجم اور سراج اللغۃ درخور اعتنا نہیں وہاں مرآۃ الاصطلاح کا کیا ذکر ہے ۔ ان کے علاوہ رسالۂ نجوم طوسی ، تاریخ عالم آرائے عباسی ، ظفر نامۂ شرف الدین یزدی ، تذکرۂ دولت شاہی ، واقعات بابری ، آئین اکبری ، تصنیفات ملا منیر و ملا ظہوری وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۔ ایک کتاب 'لغت ترکی' سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے ۔

یہ امر قابل تعجب ہے کہ وارستہ نے منتخب اللغات (عربی) اور قاموس کو بھی اپنے مستقل مآخذ میں شامل کیا ہے ۔ حالانکہ بظاہر ان کتابوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا ۔

مصطلحات کی خصوصیت

وارستہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ متاخرین میں محقق اور نقاد کی حیثیت سے بہت شہرت رکھتا ہے ۔ رشیدی نے لغت میں سب سے پہلے تنقید و جرح کا قاعدہ نکالا ۔ خان آرزو نے بھی اس طریقے کو استعمال کیا ہے اور یہ ہمارے مصنف کا بھی وصف خاص معلوم ہوتا ہے ۔ وہ صرف محاورات اور اصطلاحات کو ادھر ادھر سے جمع ہی نہیں کرتا بلکہ ہر ہر لفظ ، ہر ہر محاورے پر ایک نظر ڈال لیتا ہے ، اس کے بند بند کو جدا کرتا ہے ، ٹھیٹھ اور خالص ایرانی کے نقطۂ نگاہ سے اس کو پرکھتا ہے ۔ اس کے بعد کتاب میں شامل کرتا ہے ۔ ہمارے خیال میں وارستہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تحقیق کا شیدائی اور تنقید کا عادی ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصطلحات میں فارسی محاوروں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے ۔ وہ بزرگوں کے ذخیرۂ علم کو لیتا ہے ، کہیں ان کے مسلمات پر اعتراض کرتا ہے ، کہیں ان کو قبول

کرتا ہے ، لیکن نئے زمانے کے مطابق اس پر اضافہ کرتا ہے ، کہیں تردید کرتا ہے ، کہیں تائید ۔ غرض اسی طرح ایک خاص معیار کے مطابق نقد و جرح کا حق ادا کرتا ہے ۔ ہم ذیل کی سطور میں وارستہ کے اس وصف خاص کے مختلف پہلوؤں کی تشریح کرتے ہیں ۔

چراغ ہدایت سے مقابلہ

وارستہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے کئی سندیں لاتا ہے۔ مثلاً ہم یہاں چراغ ہدایت کے ساتھ وارستہ کا مقابلہ کرتے ہیں :

چراغ ہدایت	وارستہ
آب بر آئینہ زدن و ریختن: رسمے ست کہ در قفائے شخصے کہ بسفر می رود ، آب بر آئینہ بریزند کہ بسلامت باز آید و ایں را شگون دانند ۔	چوں کسے بعزم سفر از خانہ برآید ، کس در کوے او چند برگ سبز بر آئینہ گزاشتہ آب بر آں ریزند و این را شگون زود بہم رسیدنہا دانند (محاورہ دانان ایران) ۔

چراغ ہدایت

طغرا ؎

کوے تو منزل گہ است در سفر آشنا
بر رخ آئینہ آب از پئے بیگانہ ریز

(اس کے بعد تاثیر کا شعر دیا ہے)

وارستہ

نظام دست غیب ؎

دیدہ را تر کنم از اشک چو رفتی از بزم
در قفائے سفرے آب بر آئینہ زنند

واعظ ؎
کوے تو منزل گه است در سفر آشنا
بر رخ آئینه آب از پۓ بیگانه ریز
گریستن آئینه و چشم تر کردن آئینه از پے
داشتن و آب از پےِ ریختن ہمانست

صائب ؎
کیست آں کس که بر احوال مسافر گرید
چشم آئینه به دنبال مسافر گرید

ہم او راست ؎
چناں افتادم از طاقِ دلِ بد صحبتاں صائب
که وقتِ رفتنم آئینه چشمِ تر نمی‌سازد

سنجر کاشی ؎
سکندر از پیِ آئینه داشت حینِ وداع
جمم ز باده جنیبت کشید وقتِ شدن

یحییٰ کاشی — رباعی
آنانکه بدامانِ حیات آویزند
مردن سفریست چند ازاں بگریزند
اشکے که بربزند عزیزاں در مرگ
آبے ست که در پۓ مسافر ریزند

اسی طرح بارہ ، وایہ ، واکشیدن کی تشریح نہایت تفصیلی ہے - ان الفاظ و اصطلاحات کی تشریح میں ، جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہو گیا ہوگا ، بہت سے اشعار پیش کیے گئے ہیں- اس کے مقابلے میں 'چراغ ہدایت' کا بیان مختصر اور اجمالی ہے اور اشعار بھی ایک دو ہیں -

اکثر اوقات وارستہ چراغ ہدایت کے کسی مضمون کو لیتا ہے اور پھر اس پر جرح کرتا ہے ، اس کے سقم کو واضح کرتا ہے -

چراغ هدایت

آب بپوست افگندن میوه ـ آنست که چوں میوه به پختگی رسد آب از جوهر میوه بپوست آید و پوست از خشکی به رطوبت گراید و لہٰذا طفلے را که بالغ شود باصطلاح رندان گویند که آب بپوست افگنده است و مثل میوه رسیده ـ سعید اشرف ؎

میوه شیریں تر شود چوں آب اندازد بپوست ـــ الخ ـ

وارسته

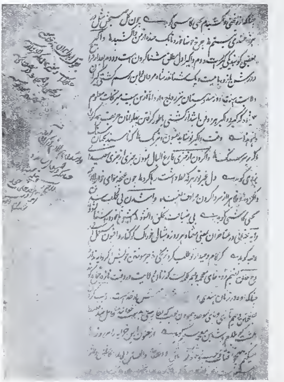
اکثرے برآنند که کنایه از بالیدن است مطلقاً و ماخذ آں بالیدن داو و مشک پر آبست و بعضے گویند که چوں میوه به پختگی رسد آب از جوهر میوه بپوست آید و بالیده شود ایں‌ها اطلاق آں را برمیوه دانند خصوصاً الاول هوالاقوی ـ (پھر سند میں ظہوری کی رباعی ، سلیم کا شعر اور ساطع کا فقره لاتا ہے ـ)

چراغ هدایت

آں بردن ماجرا : کنایه از نہایت اشکال و استعجاب و استغراب حالتے ـ (پھر تاثیر اور عالی کے اشعار پیش کیے ہیں)

وارسته

کنایه است از نہایت اشکال و غـرابت آں (پھر سند میں عبدالغفور خاں خالص ، عالی ، محسن ، تاثیر کے اشعار پیش کیے ہیں ـ اس کے بعد اعتراض کیا ہے کہ) و بعضے اعزه که ماجرا را جزو محاوره فهمیده اند غرابت دارد ـ



چراغ ہدایت کے قلمی نسخے کا ایک ورق جس پر وارستہ نے اپنے ہاتھ سے تنقیدی حاشیے چڑھائے ہیں

چراغ ہدایت	وارستہ
چراغ ہدایت میں 'آب شیراز' کے دو معنی درج ہیں : ۱- نہر شیراز ۲- شراب شیراز -	وارستہ کہتا ہے آب شیراز را نام نہر گفتن آب درمیان دارد زیرا کہ جمہور ایرانیہ ازاں منکرند -
چراغ ہدایت میں وایہ کے معنی 'میعاد ہر روزہ' لکھے ہیں اور وحید کے اس شعر سے استدلال کیا ہے : گر کام وحید از تو طلب کرد، مرنجی جز سوختن خویش دگر وایہ ندارد	وارستہ کہتا ہے کہ ''بخلاف اہل لغت وایہ بمعنے میعاد گفتن و بشعر مذکور کہ بمعنے مراد دراں درست می شود - متمسک شدن بر غریب است -'' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس شعر میں 'مراد' زیادہ صحیح ہے -
چراغ ہدایت نے 'باجی' کے معنے میں یہ عبارت لکھی ہے ''خواجی نیز ہمشیرہ و خواہر و ایں از اہل زباں بتحقیق پیوستہ-''	وارستہ اس پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے ''کہ باج گزار و کنایۂ خواہرنیز - لیکن از ثقات ایران مسموع شد کہ ایں لفظ مخصوص بخطاب خواہر است و الا مرادف نیست''-

بعض صورتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وارستہ کا بیان زیادہ معتبر اور زیادہ پر از معلومات ہوتا ہے - مثلاً :

چراغ ہدایت

بت اشرفی : صورتیست کہ بر اشرفی سکہ کنند و ظاہراً مراد از اشرفی 'ہون' است کہ رائج دکن است ، با آنکہ مطلق طلاے

مسکوک را اشرفی خوانند ۔ **اشرف** سے

اشرف از حرص چه چسپی بزر و سیم مگر
چوں بت اشرفی از بہر زرت ساخته اند

وارسته

بت اشرفی یا بت زر : صورتی که بر اشرفی مسکوک کنند ۔ در عہد اکبری و جہانگیری در ہند بیک رویه اشرفی صورت گاؤ و آهو و امثال آں نقش می کردند ، مؤلف ازیں قسم اشرفی دیده ۔

اشرف سے

اشرف از حرص چه چسپی بزر و سیم مگر
چوں بت اشرفی از بہر زرت ساخته اند

طغرا سے

رخسار بت زر که نبودش مژه یک مو
تا گشته نظر کردۀ آں رو مژه دارد

و اشرفی که ہر دو رویش صورت مسکوک باشد آں را دو بتی گویند : **صادق دست غیب** سے

از سکۂ مہر شان ببازار وفا
قلبم چو طلاے دو بتی گشت عزیز

یہاں مؤلف کی جہانگیر کے ۱۰۱۴ھ ، ۱۰۳۷ھ کے آن طلائی[1] اور نقرئی سکوں سے مراد ہے جو بروج دوازدہ گانه کی تصاویر کے حامل ہوتے تھے ۔ اس قسم کے سکے احمد آباد اور آگرے کی ٹکسالوں سے زیادہ نکلے ہیں ۔ اس کے علاوہ بعض سنہری سکوں پر

---

۱ ۔ ان معلومات کے لیے میں استاد مرحوم پروفیسر شیرانی کا ممنون ہوں ۔

خود جہانگیر کی اپنی تصویر بھی ہوا کرتی تھی ۔ خان آرزو اس کو 'ھون' کا مترادف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ دکن میں رائج تھا ۔ وارستہ کا بیان بمقابلہ خان آرزو کے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے ۔ اس قسم کے کچھ سکے استاد محترم پروفیسر محمود خان شیرانی کے پاس بھی تھے ۔

وارستہ اور خان آرزو

ہم نے اب تک وارستہ کی حیرت انگیز قوت تنقید کو ثابت کرنے کے لیے اس کی کتاب کا چراغ ہدایت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے ؛ اب ہم بعض اور پہلوؤں سے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ وارستہ نے تنقید کے سلسلے میں سب سے زیادہ سراج اللغۃ اور بہار عجم پر نظر ڈالی ہے ۔ خان آرزو اگرچہ مقتدائے روزگار تھے لیکن وارستہ کی محققانہ تنقید سے خان آرزو بھی نہیں بچے ۔ وہ نہایت بے تکلفی سے سراج اللغۃ کا نام لیتا ہے ، اس کے بیانات کو توڑتا ہے ، ان پر جرح کرتا ہے ۔ سراج اللغۃ کے بیانات کو تسلیم نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وارستہ کے نزدیک ہندوستانی زبان دان فارسی کے لیے سند نہیں مانے جا سکتے ۔ وہ خان آرزو کے اشعار کو مثال کے طور پر پیش کرنے سے بالعموم احتراز کرتا ہے ۔ ایک جگہ 'خط آتش خوان' کے بیان میں خان آرزو کا ایک شعر سنداً پیش کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ لکھ دیا ہے ''کہ در اشعار شعرائے ولایت دیدہ نشد ۔'' ایک موقعے پر لکھتا ہے کہ ''ای کاش بشعرائے ایرانی کہ زبان دانی حق ایشان ست ، تمسک می جست تا تردد از میان برخاست ۔'' افسوس ہے کہ ہمارے پاس سراج اللغۃ موجود نہیں ورنہ ہم آسانی سے وارستہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کر سکتے ۔ مجبوراً خود وارستہ کے بیانات پر اعتماد کرتے ہوئے وہ الفاظ پیش کیے جاتے ہیں جن کے سلسلے میں وارستہ نے خان آرزو کے بیان پر اعتراض کیے ہیں :

'روز گار است' کے زیر عنوان آرزو کی تشریح پر نکتہ چینی کرتا ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آرزو نے سالک یزدی کے اس شعر پر شرح گلستاں میں اعتراض کیا ہے ؎

سالک منشیں بنا مرادی نومید مباش روزگار است

آرزو کو لفظ نامرادی پر اعتراض ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ ''سلب بلفظ 'نا' در مواضع است کہ محمول بطریق مواطات باشد ۔'' وارستہ اس کے جواب میں لکھتا ہے ''گوئیم چوں باشد کہ کلام پیشینیاں کہ امام فن ایشاں اند بصحت آں دال است حکم بغلط کردن از اغلاط فاحش است ۔''

'آل' کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ ''صاحب سراج اللغۃ در فصل میم ، دفتر دوم بتقریب مے شیراز نوشتہ کہ شراب خصوصیتے بہ شیراز ندارد ، بل شیشۂ خوب ، درآں جا بہم می رسد ، برنشأ یاب بادۂ سخن پیداست کہ جمیع شعراے ایران دیار بتوصیف شراب شیراز تر زبان گشتہ اند چنانچہ......(اشعار بطور سند)......الخ

فعلی ہذالتقدیر ، نفیٔ خوبیٔ شراب شیراز بخلاف جمہور از مردم ہندی الاصل غرابت دارد ۔''

وارستہ اور بہار عجم

وارستہ نے ۱۱۸۰ ھ میں اپنی مصطلحات کو مرتب کر لیا تھا اس لیے اس کو بہار عجم کی پہلی ایڈیشن سے فائدہ اٹھانے کا کافی موقع ملا ہوگا ۔ مقابلہ بتلاتا ہے کہ وارستہ نے بہار عجم کو بطور ماخذ استعمال کیا ہے لیکن بہار عجم کے بیانات اور تشریح کو نہایت تنقیدی نظر سے دیکھا ہے ۔ ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ وارستہ محاورے سے زیادہ باخبر ہے اور اہل ایران کے اطوار و عادات سے بخوبی آشنا ۔

بہار عجم نے لفظ 'ترک' کی تشریح
میں لکھا ہے "کہ بعضے شارحین
درمعنیٔ بیت مذکور شیخ گنجہ
[یعنی ــــ

ز سر ترک برداشت گفتا منم
هز بری که زیں گونه شیر افگنم]

نوشته اند که وقت خوشی و
مفاخرت کلاه از سر برداشتن رسم
ولایت است اما این معنی از هیچ
کتاب ظاهر نیست ، بل آنچه
دیده شد هنگام تواضع از فرنگیاں
چنیں رسم سر می زند، بهتر آنست
که کلاه از سر مخالف برداشتن
بود ، یعنی کلاه از سر خصم
مقتول برداشته بمردم نمود که از
من چنیں کار بوقوع آمده و این
از راه مفاخرت باشد ، انتهی
کلامه ۔

بنده وارسته از ثقات ایران
شنیده که چوں کسے خواهد
خود را بدیگرے بشناساند
کلاه را از مقدم سریکسو کند و
بمؤخر سر برساند و این کنایه
است از پیدا کردن سر و روئے
خود و گوید هاں مرا بشناس که
من بایں بزرگی و شجاعتم در شعر
حکیم شفائی بتصریح دیده شد ۔
و الله اعلم بالصواب ۔

ہمارے خیال میں وارستہ کا بیان زیادہ صحیح ہے اور اس معاملے میں بہار عجم کی بے خبری کا پتا چلتا ہے ۔ حالانکہ یہ قاعدہ عرب (اور شاید عجم میں بھی) ازمنۂ قدیمہ سے موجود ہے ۔ سب کو معلوم[1] ہے کہ حجاج نے ذیل کا شعر کوفے کے منبر پر پڑھا تھا ــــ

۱۔ ان معلومات کے لیے میں استاد مرحوم پروفیسر محمد شفیع کا ممنون ہوں ۔

انــا ابنُ جــلا و طَلّاعُ الثَّــنايــا
اذا أَضع العــمامـةَ تعرِ فُــونی

لالہ ٹیک چند بہار نے جب دوسرا ایڈیشن تیار کیا تو اس وقت وارستہ کی مصطلحات سے بہت فائدہ اٹھایا ۔ چنانچہ وہ دیباچۂ بہار عجم میں لکھتے ہیں کہ مجھے رسالہ میر افضل ثابت ، مصطلحات وارستہ اور رسالۂ مخلص تک پہلی ایڈیشن تیار کر چکنے کے بعد رسائی ہوئی ۔ بلوخمن کنٹریبوشنز میں لکھتے ہیں کہ ''بہار نے اس کتاب کو کاملاً بہار عجم میں شامل کر لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ زیادہ مشہور نہیں ہو سکا۔'' ہم نے خود بھی بہار عجم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بہار بالعموم وارستہ کی تمام عبارتوں کو حرف بہ حرف بہار عجم میں نقل کر لیتا ہے اور بہت کم اس پر تنقید کرتا ہے ۔ ذیل میں ہم بعض الفاظ و محاورات پیش کرتے ہیں جو بہار نے وارستہ سے حرف بہ حرف نقل کیے ہیں ۔

وارستہ : آب از آتش بروں آوردن و بر کشیدن امر غریب غیر ممکن بظہور آوردن ۔ شفیع اثر ۔ ؂

در گداز دل عجب دستی ست مژگان ترا
آب از آتش بروں آرد برنگ شیشہ گر

میر معزی ؂

من چو خواهم کرد فریاد آب از آتش بر کشم
او چو خواهد خورد تشویر آتش افروزد ز آب

بہار عجم : ایضاً

وارستہ : آبی شدن معاملہ : برہم شدن معاملہ و از نظام افتادن کار ۔ نعمت خان عالی در محاصرۂ حیدر آباد گوید 'فقرہ' طائفہ را بمقتضائے فــاغرقــناهــم فی الــیّم ۔ معاملہ چنداں آبی شد کہ

دست ازحیات مستعار شستند ۔

بہار عجم : ایضاً

اس کے علاوہ یہ اصطلاحات حرف بہ حرف بہار عجم اور وارستہ میں (تناظرالف مع منظرالف) ملتی ہیں ۔

آب دادن تیغ و خنجر، آب بریسماں بستن، آبدانی، آبلۂ پستان، آتش تاک، آتش ناک، آتش کش، آتش گیر، آتش گیرہ، آتش خوردن، آچار، آخر ندارد، آدم بہ آدم می رسد، آزاد درخت، آستین از چشم برداشتن و از مژہ جدا کردن، آستین برخ کشیدن، آستین بر چیزے زدن، آستین بر گزر گریہ سودن، آستین بر چشم و جبین و دیدہ و دل کشیدن، آستین نداشتن، آستین از دور برداشتن، آسیاے فلان بآب چشمۂ خضر و از آب طلا می گردد، آسیاے فلانے از بے آبروئی دائر است، آفتابگر، آفتاب مغربی، آلکی، آوردن آب چیزے را، آواز بآواز رسانیدن، آهار، آئینۂ حبابی، آئینہ بر پیشانی بستن، آیات متشابہات، آیات محکمات، آئینہ پیش نفس و بر نفس داشتن و پیش لب گرفتن، آئینۂ طاؤس، آیۂ بلند، آئینۂ تمثال دار، آئینۂ تصویر نما، آئینہ بر انگشتری لشاندن، آئینہ دار، آیۂ حجابی و حجاب وغیرہ ۔

اس میں شک نہیں کہ بہار عجم نے کہیں کہیں کاٹ چھانٹ بھی کی ہے ۔ بعض اوقات وارستہ کی نسبت زیادہ اشعار سند میں پیش کیے ہیں اور کبھی کبھی وارستہ سے مختلف بیان بھی دیتا ہے تاہم ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ بہار نے مصطلحات وارستہ کو کاملاً بہار عجم میں شامل کر لیا ہے ۔ بہار نے وارستہ کے بیانات اور معانی پر بہت کم تنقید کی ہے اور جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں محاورات کی فہرست دے کر واضح کر دیا ہے، بہار نے وارستہ کی کتاب کو حرف بہ حرف نقل کیا ہے ۔ بلا شبہ بہار عجم زیادہ ضخیم ہے اور بہت زیادہ محاورات و مصطلحات کی حامل ہے ۔ تاہم

دقت نظر ، صحت الفاظ ، تشریح و تنقید کے اعتبار سے ہم وارستہ کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ ہم اس مسئلے پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بہار عجم کے بیان میں روشنی ڈالیں گے۔

'فرہنگ جہانگیری' وارستہ کے مستقل مآخذ میں شامل ہے اور ہندوستان میں لغت کی ایک نہایت ہی مستند اور معتبر کتاب خیال کی جاتی ہے ۔ مؤلف نے ایک مقام پر فرہنگ جہانگیری کے بیان کو نا قابل قبول قرار دیا ہے :

پیر پنبه : فراهانی از صاحب اصطلاحات نقل نمود که آن علامتے ست که کنار مزروعات تعبیه کنند تا طیور برمند ۔ کمال اسماعیل ؎

در خانقاہ باغ نه صادر نه وارد است
تا پیر پنبه کشت حریف گران برف

ایضاً

اگر نیست اندر چمن پیر پنبه چرا زاغ را پر کند هر شگوفه

پر نهادن پس سر کردن و آواره ساختن و صاحب فرهنگ جهانگیری معنی 'پیر پنبه' پیرے که در تمام بدنش موے سیاه نمانده باشد ، نوشته و بیت اول آورده۔ گرفتم در بیت مذکور بتکلف این معنی راست توان نمود لیکن در بیت دوم اصلاً درست نمی شود ، فلا محاله قول شارح انوری صحیح ست فتامل ۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ صاحب جہانگیری نے اس شعر کے اندر ذرا تکلف کے ساتھ یہ معنی پیدا کیے ہیں ورنہ دوسرے معنی نہایت با موقعہ اور مناسب ہیں ۔

وارستہ کے بعض اور پہلو

جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں وارستہ کی بہت بڑی صفت اس کی تنقیدی قابلیت ہے ۔ مصطلحات میں اس صفت کو ہم بوجہ اتم

جلوہ گر پاتے ہیں۔ اس کی نظر بہت وسیع ہے، اس کی معلومات بہت زیادہ ہیں اور پھر اس کا تنقیدی مطالعہ ہماری نظروں میں اس کی وقعت کو اور بھی زیادہ کر دیتا ہے۔ مصطلحات میں مختلف پیشہ وروں کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔ جو 'زبان' میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک صاحب علم اہل زبان اور غیر اہل زبان میں یہی فرق ہوتا ہے کہ اہل زبان کو اپنے ملک کی تمام اصطلاحات، عام لوگوں کے محاورات، آلات و مصنوعات، تشبیہات و کنایات کا علم ہوتا ہے۔ فارسی زبان کا روزمرہ سب زندہ زبانوں کی طرح کچھ مدت کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک اہل زبان کو اس متروک زبان کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ایسے محاورات و الفاظ کے استعمال کرنے سے احتراز کرتا ہے جنھیں ملک نے متروک قرار دیا ہو۔ ایسے اہل حرفہ کی اصطلاحات اور ان کے خاص الفاظ پر عبور ہوتا ہے بخلاف اس کے غیر اہل زبان کو صرف کتابی فارسی سے واقفیت ہوتی ہے، اس لیے وہ علمی زبان کے سوا کوئی اور محاورہ نہیں جانتا۔ وارستہ نے پیشہوروں کی اصطلاحات کا خاص خیال رکھا ہے۔ منشیوں، پہلوانوں، بازی گروں وغیرہم کے خاص الفاظ و اصطلاحات بھی موجود ہیں جن کی تفصیل کو ہم بہ خوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

ہندی الاصل محاورات

وارستہ نے ہندی‌الاصل محاورات کو بالکل تسلیم نہیں کیا اور اپنی ان معلومات کی بنا پر جو اس کو ایرانیوں کے اختلاط سے حاصل ہو گئی تھیں وہ ہندی الاصل محاورات کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستانی شعرا کے اشعار کو بھی بطور سند نہیں پیش کرتا، اس لیے کہ اس کے نزدیک استعمال ہند، بلاغت اور فصاحت کے خلاف ہے اور یہ چیز ہندوستانی شعرائے فارسی کے ہاں بہت زیادہ ہے۔

نادر محاورات

مرزا محمد حسن قتیل نے چہار شربت میں نادر محاورات فارسی کی ایک فہرست پیش کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ محاورے ہندوستان میں بہت کم لوگوں کی زبان پر ہیں ، حالانکہ ایران میں ان کو شیوع حاصل ہے ۔ مثلاً بہند رفتن حنا، آب بدست و پائے کسے ریختن، آب آئینہ ریختن ، آبی شدن معاملہ ، آب گردش ، چشمۂ سلسبیل ، بانگ خلیل اللہی وغیرہ ۔ ان میں سے اکثر محاورات ہمیں وارستہ کی مصطلحات میں ملتے ہیں ۔

ہندی یا پنجابی مرادفات

بعض الفاظ کی تشریح کرتے وقت وارستہ ہندی مرادفات لاتا ہے ۔ مثلاً :

تفتان = پراٹھا	جامۂ نا شوی = کورا
چار سو = چوھٹہ	فازہ = جنبائی
چاہ مبرز = سنڈاس	
چراغ ہندو افروختن = دوالیہ	کجہ = چھلہ
جوق = پنجالی	لوطی = بانکہ
خط جواز = دستک	قزاز = پٹوہ

وغیرہ ۔

بعض لطیفے

وارستہ نے جن الفاظ میں تنقید کی ہے ان میں بلاغت کا ایک خاص رنگ ہے۔ہم یہاں ایک دو فقرے بطور تفنن پیش کرتے ہیں :

اہل لغت کے ایک گروہ نے 'آب شیراز' کے ایک معنی 'نہر شیراز' بھی لکھے ہیں اس کے متعلق وارستہ لکھتا ہے :

''آب شیراز را نام نہر گفتن آب درمیان دارد ۔'' بعض لوگ 'دودکش' کو ہندی فارسی کہتے ہیں ۔ وارستہ کو اس خیال سے

اختلاف ہے چنانچہ لکھتا ہے : ''و ایں را فارسی ساختۂ اہل عند گفتن، دود از نہاد فارسی بر آوردن ست ۔''

بعض خامیاں

مصطلحات وارستہ میں بعض محاورات کی تشریح بہت تشنہ ہوتی ہے ۔ علی الخصوص جبکہ وہ الفاظ و اصطلاحات کسی تاریخی واقعے یا جغرافیے کے ساتھ وابستہ ہوں ۔ مثلاً 'حروفی' کی تشریح بہت ناقص ہے ''حروفی فرقہ ایست کہ احداث عقائد کنند ، الحروفیون المحدثون ۔'' وحید ؎

ایں رقصیاں بنام صوفی یا نقطوی اند یا حروفی

یہ نہیں بتلایا کہ یہ فرقہ کونسی قوم اور ملک میں پیدا ہوا ؟ ان کو حروفی کیوں کہتے ہیں ؟ ان کے عقائد کیا ہیں ؟ وارستہ نے جو بیان دیا ہے اس سے تو مطلق کسی بات کا پتا نہیں چلتا ۔ حسن بن صباح کے متعلق لکھتا ہے :

''نام مزوّریست کہ تفصیل مکاری او در کتب تواریخ منصلاً و در تذکرۂ دولت شاہی مجملاً مسطور است ۔ نعمت خاں عالی در محاصرۂ حیدر آباد گوید فقرہ ۔ کفایت خاں کہ در امور ملکی رسیدنش از حسن صباح بیش ست دھقاناں را طلبیدہ گفت کہ أ انتم تزرعون ام نحن الزارعون ۔'' یہ امر قابل تعجب ہے کہ حسن بن صباح کا حال نعمت خاں عالی کے فقرے کے ذریعے کس طرح اور کیوں بیان کیا ۔ یہ ایک تاریخی چیز تھی اس کی تشریح کتب تواریخ سے ہونی چاہیے تھی نہ کہ عالی کے فقرے سے ۔ اسی طرح بعض جغرافیائی الفاظ کی ادب کی کتابوں سے تشریح کی گئی ہے ، حالانکہ ان کے لیے کتب تواریخ و جغرافیہ کو استعمال کرنا چاہیے تھا ۔

وارستہ کا علمی مرتبہ

بہر حال مصطلحات وارستہ لغت کی کتابوں میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے ۔ خان آرزو کے بعد لغت کی جو کتابیں لکھی

گئی ہیں ان میں تنقید اور تحقیق کے نقطۂ نگاہ سے ہمارے مصنف کو صف اول میں جگہ حاصل ہے ۔ اگرچہ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن بقول بلوخمن آسے ہم 'اوریجنل' کہہ سکتے ہیں[1] ۔ 'بقامت کہتر بقیمت بہتر' اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ بعد کے آنے والے لغت نویسوں نے وارستہ کی کتاب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ۔ قتیل نے اپنی کتابوں میں وارستہ سے استناد کیا ہے ۔ آغا احمد علی مؤید برہان میں لکھتے ہیں کہ ''مصطلحات در بیان لغات و محاورات تازہ گویا نست، از سیالکوٹی مل لاہوری و این دانش پژوہ نخست پانژدہ سال از زبان دانان ایران دیار محاورات اخذ کردہ''........الخ (مؤید برہان صفحہ ۸)' صاحب آصف اللغات لکھتے ہیں ''کتابے ست مختصر و مفید در تعریف مصطلحات فارسی پابند سند ست و خال خال مفردات را ہم ذکر می کند - ترتیب الفاظش مسلسل نیست کہ اکثر پیشینیان اعتنا بایں نمی فرمودند ۔ وارستہ بہ تحقیق الفاظ مذاق خاص دارد، تالیفش اگرچہ مختصر است لیکن خیلے معتبر۔'' (آصف اللغات ج ۱ ، صفحہ ۱۲) ان کتابوں کے علاوہ بہار عجم ، فرہنگ انند راج ، ہفت قلزم وغیرہ کی ترتیب میں مصطلحات وارستہ سے بے حد فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔ اس قبول عام سے صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مصطلحات کی تحقیق کو تمام علما و فضلا وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔

منشی ٹیک چند بہار
(بہار عجم)

سوانح حیات

سب سے آخر میں بہار عجم کا نمبر آتا ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بہار عجم کو ہندوستان میں بہت قبول عام حاصل

۱- بلوخمن کنٹر بیوشنز صفحہ ۳ ۔

ہوا لیکن رائے ٹیک چند بہار کے حالات کم ملتے ہیں ۔ ہم عصر تذکرہ نویس بھی نہایت ہی معمولی اور مختصر واقعات دے رہے ہیں اور ہم ان سب کی ورق گردانی کے بعد بھی کسی حد تک تاریکی میں رہتے ہیں ۔ تا ہم بہار کے حالات منتشرہ کو ہم یہاں ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

رائے ٹیک چند بہار[1] دہلی کا باشندہ تھا ۔ سراج الدین آرزو اور شیخ ابوالخیر خیراللہ وفائی کے شاگردوں میں سے تھا ۔ وہ بہار عجم میں اول الذکر کو سراج المحققین اور ثانی الذکر کو خیر المدققین کے نام سے یاد کرتا ہے ۔

فتح علی حسینی گردیزی[2] کے ساتھ بہار کے تعلقات و روابط دوستانہ تھے ۔ میر تقی میر[3] بھی اسے دوستوں میں شمار کرتا ہے ۔

تذکرۂ گلزار ابراہیم[4] کے مصنف کا بیان ہے کہ بہار نے ایران کی بھی سیاحت کی تھی ۔

بہار کو دربار دہلی کی جانب سے رائے یا راجہ کا خطاب بھی ملا تھا ۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ فاضل دہر ۱۱۸۰ھ میں دنیا سے رخصت ہو چکا تھا ۔

تصانیف

میر حسن[5] اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں :

---

۱ - بہار کی زندگی کے کچھ اور واقعات مجموعۂ نغز یا تذکرۂ شعرائے اردو میر قدرت اللہ قاسم سے ملے ہیں ۔

۲ - دتاسی ہندوستانی لٹریچر ، ج ۱ ، صفحہ ۲۸۱ ۔

۳ - نکات الشعرا صفحہ ۱۳۱ ۔

۴ - سپرنگر صفحہ ۲۱۱ ۔

۵ - تذکرہ میر حسن ۔ صفحہ ۶۰ ۔

"از مستعدان روزگار شاعر فارسی بود - از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت - از یاران سراج‌الدین علی خان صاحب بود - تصانیف بسیارے داشت -"

لیکن کاش وہ اپنی اختصار پسندی سے تھوڑا سا ہٹ کر ذرا 'تصانیف بسیار' کی فہرست دے دیتے ! ہم صرف ذیل کی کتابوں سے واقف ہیں :

(۱) بہار عجم (۲) جواہرالحروف

(۳) نوادرالمصادر (۴) ابطال ضرورت

(۵) جواہر الترکیب

ایک اور مصنف[1] کا بیان ہے کہ "بہار ہندی، آردو اور خصوصاً فارسی میں بہت سی کتابیں چھوڑکر مرا-" لیکن بد قسمتی سے مندرجۂ بالا کتابوں کے علاوہ کوئی اور کتاب بہار کے ذکر میں نہیں مل سکی - اب ہم بہار عجم پر تبصرہ کرتے ہیں -

بلوخمن صاحب[2] کی رائے ہے کہ "بہار عجم ایک آدمی کے قلم سے نکلی ہوئی سب سے بڑی لغت ہے -" یہ متواتر بیس سال کی محنت سے لکھی گئی ہے - یکے بعد دیگرے سات نسخے اصلاح و ترمیم کے بعد شائع ہوئے - پہلا نسخہ ۱۷۵۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور آخری نسخہ (۱۷۸۲ء میں چھپا جو اندرمن کا تصحیح کردہ ہے - آج کل جو نسخے بازار میں بکتے ہیں وہ اسی اندرمن کے ہیں جس نے پہلے سارے نسخوں کے مقابلے کے بعد اسے ایک خلاصے کے طور پر شائع کیا ہے - بہار نے ایک موقع پر شکایت کی ہے کہ اس کے ایک شاگرد نے اس کی ایک کتاب کے مضامین کا سرقہ کر لیا تھا - اور مصنف کو ساری شہرت سے محروم کرنے کا عزم کر لیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ

۱ - تذکرہ کریم الدین صفحہ ۵۶ -

۲ - کنٹری بیوشنز صفحہ ۲۸ -

وہ کون شاگرد تھا جس نے اپنے اُستاد کا حق خدمت اس طریق سے ادا کیا تھا اور غالباً وہ کتاب بہار عجم ہی تھی جسے اس حق نا شناس شاگرد نے اپنانے کی کوشش کی تھی -

بہار عجم کے مآخذ

مصنف نے دیباچے میں سو سے زیادہ کتابیں گنائی ہیں جو مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہیں اور ان سے وقت ضرورت استناد کیا گیا ہے -

ان میں بہت سے دواوین و شروح اور بے شمار کتب انشا و تاریخ درج ہیں - مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ پہلے ایڈیشن کے شائع ہو چکنے کے بعد اسے بعض اور کتابیں بھی دستیاب ہوئیں، مثلاً مصطلحات الشعرا، رسالہ مخلص[۱] اور ایک اور رسالہ - ان کے علاوہ تنبیہ الغافلین اور رسالہ میر افضل ثابت سے بھی کافی فائدہ اُٹھایا گیا ہے -

ترتیب

کتاب کی ترتیب میں کوئی خاص جدت نہیں - 'استعمال متاخرین' کے نمونے پیش کرنے کی خاطر عموماً جامی کے بعد کے شعرا کے اشعار بطور سند لائے گئے ہیں؛ اگرچہ متقدمین کے اشعار بھی بالکل نظر انداز نہیں کیے گئے - ایک ایک اصطلاح کے ماتحت کئی کئی اشعار پیش کیے گئے ہیں -

ہمارا مصنف عام طور پر متقدمین اور متأخرین کے مسلمات پر تنقید کرتا ہے، ان کے اقوال کی صحت کو پرکھتا ہے، اپنے معیار پر ان کو لاتا ہے اس کے بعد انہیں کتاب میں درج کرتا ہے - جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں- خان آرزو کو اپنے فاضل شاگرد کی

---

۱ - رسالۂ مخلص سے مراد مرآۃ الاصطلاح ہے - بعض کتابوں میں مخلص کاشی لکھا ہؤا ہے، یہ صحیح نہیں -

اس حیثیت کا اعتراف ہے ، چنانچہ لکھتا ہے[1] :

''و بہار عجم وغیرہ کہ از یاران فقیر آرزوست و مثل او دریں عصر بہم نرسیدہ و دریں کتاب گاہے با او صلح است و گاہے جنگ است ۔''

مصطلحات وارستہ اگرچہ ایک مختصر سا مجموعۂ محاورات ہے لیکن اس کے اوریجنل ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ بہار کا اپنا بیان ہے کہ یہ رسالہ پہلے ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا اور دوسرے ایڈیشن میں اس کو بتامہ شامل کر لیا گیا ہے ۔ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار جن مصطلحات کو وارستہ سے لیتا ہے انہیں بہت کم تبدیلی اور تغیر کے ساتھ نقل کر لیتا ہے ۔ اگر ہمارے پاس بہار عجم کا پہلا ایڈیشن ہوتا تو ہم زیادہ تیقن اور وثوق کے ساتھ اپنے اس خیال کو پیش کر سکتے ۔ اگر وارستہ کے مضامین اس میں شامل نہ ہوتے تو بہار عجم مقابلتاً ناقص کتاب ہوتی ۔ بہر حال چونکہ پہلا ایڈیشن ہمارے پاس موجود نہیں اس لیے ہم بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اکثر محاورات کی تشریح بہار عجم اور وارستہ میں یکساں ہے ؛ ممکن ہے کہ ان ہر دو مصنفوں کا ماخذ ایک ہی ہو ۔

افسوس ہے کہ بہار عجم کے سارے ایڈیشنوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم ہر نسخے کی خصوصیتوں ، ابتدائی نسخوں کے نقائص اور خامیوں اور مصنف کی آزاد معلومات کی پے در پے تبدیلیوں سے پورے طور پر واقف نہیں ہو سکتے ۔ یہی ایک چیز تھی جو مصنف کی حقیقی عظمت اور کتاب کی اصلی حقیقت کو ہماری نگاہوں میں متعین کر سکتی تھی ۔ ان حالات میں ہمارے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ ہم اپنی تفصیلی رائے کو کسی ایسے وقت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑیں جب اندرون ملک

---

۱ - مثمر خان آرزو (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ق ۱۳۳ -

با بیرونی دنیا کا کوئی کتب خانہ بہار کے سارے نسخوں کو بے نقاب کر دے ۔

بہار کی جامعیت

موجودہ معلومات کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بہار عجم مصطلحات و محاورات کی ایک جامع لغت ہے جو قدما ، متوسطین و متاخرین کے مختلف مجموعوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے ۔ باوخمن صاحب کی رائے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ''یہ ایک فرد واحد کے قلم سے نکلی ہوئی سب سے بڑی لغت ہے ۔'' غالباً بہار کی جامعیت ہی اس کے لیے ایک طرۂ امتیاز ہے ۔ آصف اللغات کے مصنف[1] نے اس کتاب پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے :

''مفردات چند و مرکبات بسیار را شامل ، در اکثر الفاظ از نظائر متعددۂ متقدمین و متأخرین سند گرفتہ کہ اکثر آں مرکبات تازہ را نشان می دھد طرفہ ترتیبے دارد کہ اصطلاحات بسیار در شیرازۂ ایں کتاب مضمر باشند و بیان اکثر استعمالات بروں از بیان و در خفای نظائر پنہان است ۔ اکثر تمثیلات برخلاف اصطلاح بینہ بنظرآمدہ ۔ من وجہ جامعیتش پیداست کہ بسیارے از کلام اساتذہ دو یک شیرازہ جمع فرمودہ است ۔''

بہار اور قوت تنقید

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اپنے تمام معاصرین میں وارستہ ہی ایک ایسا شخص ہے جو زبردست تنقیدی نظر کا مالک ہے اور ہم اس خیال کی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ بہار اس کے مقابلے میں پست درجہ رکھتا ہے ۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ بہار اس جوہر سے سراسر خالی تھا ۔ وہ بقول خان آرزو اپنے مسلمات پر اصرار کرنے والا اور دوسروں کے اقوال و آرا کو پوری تنقید

۱۔ آصف اللغات ، جلد ۱ ، صفحہ ۵ ۔

کے ساتھ قبول کرنے والا شخص ہے ۔

بہار عجم کی خصوصیت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی خصوصیتیں ہیں جن کی بدولت بہار عجم کو اقران و اماثل میں اتنا امتیاز حاصل ہوا اور بعد میں آنے والے لوگوں نے اسے قبول عام کی عزت بخشی ؟ ہمارے خیال میں سب سے بڑی خصوصیت بہار عجم کی جامعیت ہے ۔ ہمیں بہار عجم کے علاوہ کوئی ایسی کتاب معلوم نہیں جس میں فارسی کی اصطلاحوں کو اس استیعاب و احاطہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہو ۔ وارستہ اعلیٰ ناقد سہی مگر تھوڑے سے جدید و قدیم محاورات کی چھان بین اسے ایک جامع لغت کا رتبہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اس پر طرہ یہ کہ وارستہ تقریباً سارے کا سارا بہار عجم کے صفحات میں آ گیا ہے ۔ جس شخص کے پاس بہار عجم ہو اسے وارستہ کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے ؟ گویا دوسرے الفاظ میں یہ ایک بڑا دریا ہے جس میں سب چھوٹے دریاؤں کا پانی مل جاتا ہے ۔ بہار تیس سال کے طویل زمانے تک تحقیق و تنقید و جمع و ترتیب میں مشغول رہا اور بقول بعض اس نے ایران تک کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں جا کر جدید محاورات فراہم کر سکے ۔ یہ تمام واقعات ارباب نظر سے چھپے ہوئے نہ رہ سکتے تھے ۔ بہار نے کتاب کی ترتیب سے بہت پہلے اپنے علمی شوق اور ذوق جستجو کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا لیا ہوگا ۔ یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے عرصے میں بہار عجم کا شہرہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا ۔

اس کتاب کو اتنی شہرت عام حاصل ہوئی کہ ہم اپنے اس خیال کو بغیر کسی تذبذب کے پیش کر سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں اس کتاب کے علاوہ کسی ہندو اہل قلم کی اور کوئی قلمی کوشش موجود نہ ہوتی تو بھی بہار عجم سارے فارسی

لٹریچر میں اپنی جگہ تلاش کر ہی لیتی اور اس کی بنا پر ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ گراں قدر سمجھا جاتا ـ

آصف اللغات کے مصنف نے اپنی لغت کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے ـ وہ بعض صورتوں میں بہار عجم کی عبارتوں پر جرح کرتا ہے اور بہار عجم کے مسلمات کی تردید کرتا ہے ـ علاوہ ازیں بعد کے آنے والے جملہ مصنفین نے اس لغت سے فائدہ اٹھایا ہے ـ

اس عہد کے شعرا

ہم مندرجۂ بالا سطور میں لکھ آئے ہیں کہ اس عہد میں بہت سے شاعر پیدا ہوئے جن میں سے بعض کا نام دنیائے ادب میں خاص عزت و امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے ـ ہم ذیل میں تمام شعرا کی فہرست پیش کرتے ہیں ـ ان میں سے اکابر شعرا کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے ـ

(۱) **جسونت رائے منشی :** (۱۱۲۳ھ) یہ صاحب دیوان تھا ـ اس کے دیوان میں غزلیات اور رباعیات ہیں ـ ایک مثنوی مسمی پنوں کے نام سے سپرنگر نے اس کی طرف منسوب کی ہے ـ اسی شاعر نے 'گلشن بہار' کے نام سے ایک کتاب فن انشا پر لکھی ہے ـ دیوان کا ایک نسخہ انڈیا آفس[1] میں موجود ہے ـ شاعر کی وفات ۱۲۰۰ھ میں واقع ہوئی ـ

(۲) **سبقت[2] :** لالہ دھن راج برہانپوری (۱۱۲۶ھ پیدائش) کایستھ ـ

---

۱ ـ انڈیا آفس عدد ۱۶۹۵ ، سپرنگر صفحہ ۵۰۷ ، ۵۰۸ ـ

۲ ـ گل رعنا (بانکی پور لائبریری، جلد ۸ ، صفحہ ۱۲۲) ـ

(۳) بے تکلف[1] : لالہ سدانند عم بندرابن داس خوشگو (متوفی ۱۱۲۹ھ) صاحب دیوان ۔ اس کے آبا و اجداد لکھنؤ ھی کے رھنے والے تھے اور دارا شکوہ کی سلک ملازمت میں تھے ۔ ھارا شاعر زیب بالو بیگم زوجہ شاہ زادۂ محمد اعظم کا ملازم تھا ۔

(۴) بیغم : سوامی بھوپت رائے بیراگی از قانون گویان پنجاب متوطن پٹن از سرکار جموں (متوفی ۱۱۳۲ھ) ۔ اس شاعر کا حال ایک مستقل مضمون کی صورت میں سپرد قلم کر چکے ھیں (ضمیمہ الف میں ملاحظہ ھو ۔)

(۵) ھاتف[2] : (۱۱۳۶ھ میں بقید حیات تھا) رائے رامجی نام قوم کھتری ساکن انبالہ ۔

(۶) اخلاص[3] : کشن چند کھتری دھلوی ولد اچل داس کھتری (۱۱۳۶ھ) ۔ تذکرۂ ھمیشہ بہار اسی شاعر کی تصنیف ہے ۔ عبدالغنی بیگ قبول کشمیری کا شاگرد تھا ۔ صاحب مخزن الغرائب لکھتا ہے : ''ھندوے بود در دھلی از معقولیت نبودہ'' ۔ شفیق نے گل رعنا میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ خالی

(۷) بہار : اودے بھان دھلوی تلمیذ کشن چند اخلاص (۱۱۳۶ھ) ۔ ھمیشہ بہار (سپرنگر ۱۱۹) روز روشن میں اس کا یہ شعر درج ہے

باوجود آنکہ بر کف غیر نقد جاں نبود
بر سر بازار سودائے دکانے داشتم

۱ ۔ سفینۂ خوشگو (بانکی پور، جلد ۸، صفحہ ۹۴) : گل رعنا (بانکی پور، جلد ۸، صفحہ ۱۲۹) : نشتر عشق (قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری) جلد ۱، ق ۸۹ ۔

۲ ۔ ھمیشہ بہار (سپرنگر صفحہ ۱۳۰) ۔

۳ ۔ سپرنگر صفحہ ۱۱۷ ۔ روز روشن، صفحہ ۲۹ ۔ مخزن الغرائب (قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی) ۔

(۸) سبقت[1] : لالہ سکھ راج کایستھ (متوفی ۱۱۳۸ھ) - بڑا ہمہ دان فاضل تھا - شاعری میں مرزا بیدل کا شاگرد تھا - سید اسد اللہ خاں المعروف بہ نواب الاولیا اور امیرالاولیا سید حسین علی خاں کی ملازمت میں عمر بسر کی ، آخری عمر راجا گردھر بہادر گجراتی کے ہاں کاٹی اور وہیں کسی معمولی چپقلش کی بنا پر راجا کے ساتھ جنگ کی اور قتل ہو گیا - 'جنگ نامۂ فتح' کے نام سے ایک مثنوی سید حسین علی خاں کے اعزاز میں شاہ نامے کی طرز پر لکھی - پنج صدی منصب رکھتا تھا - علم صرف ، تاریخ ، عروض ، معانی ، طب ، ریاضی ، تصوف و علم اصطلاحات تصوف میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا - نشتر عشق میں اس کے اشعار کا یہ نمونہ دیا گیا ہے :-

چه خوں که در دلِ قمری نه کردهٔ ظالم
بباغ رفتی و شمشاد سرو قد برخاست

چو نقشِ پا بسرِ کوے انتظار کسے
نشسته ام که شوم خاکِ رهگزارِ کسے

به بزمِ وصلِ بتاں به که شمع ساں سبقت
کنیم نقدِ دل و جانِ خود نثارِ کسے

(۹) بانیہ[2] : بھوپت رائے (متوفی ۱۱۳۹ھ) -

(۱۰) مخلص[3] : گلاب رائے (متوفی ۱۱۳۹ھ) -

---

۱ - نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ، ق ۲۳۲ -

۲ - گل رعنا قلمی (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰) : سفینۂ خوشگو (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۹۷) -

۳ - سفینۂ خوشگو ، جلد ۳ (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۹۷) -

(۱۱) حیا[۱] : لاله شیو رام کایستھ (متوفی ۱۱۴۴ھ) - رائے بھگتی مل (یا بھگتی مل) کا دوسرا لڑکا تھا - مرزا بیدل کا شاگرد اور اسد خاں وزیر عالمگیر کے ملازمین میں سے تھا - شاعر ہونے کے علاوہ نثر میں طرز خاص کا مالک تھا - 'گلگشت بہار ارم' نام کتاب متھرا کی توصیف میں اور چہار عنصر مرزا بیدل کی طرز پر لکھی - 'ہمیشہ بہار' کے بیان کے مطابق وہ صاحب دیوان تھا - نشتر عشق میں اس کے یہ اشعار دیے گئے ہیں ؎

یاد چشم تو داریم ے پرستی ها
رسانده ایم به گردون دماغ مستی ها

تنها نه همیں بر سر مژگان تو آید
از هر بن مویم چو عرق اشک بر آید

(۱۲) امانت[۲] : لاله امانت رائے (۱۱۴۵ھ) بڑا پر گو شاعر تھا - (۱) بھگت مالا ، (۲) بھگوت یا جلوهٔ ذات ، (۳) ترجمۂ منظوم راماین ، (۴) مثنوی نایک وغیرہ اسی کی تصانیف ہیں - اکثر کتابیں مذہبیات و تصوف سے متعلق ہیں - بہ حیثیت شاعر بلند نہیں - اس کی ایک مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے :

ای رفیقاں قصۂ نے بشنوید . نالۂ دردِ دلِ وی بشنوید

اسے پڑھ کر مولانا روم کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائیها شکایت می کند

---

۱ - ایضاً ، صفحه ۹۹ - نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ، ق ۱۵۹ : گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحه ۱۳۰) : همیشه بهار (سپرنگر صفحه ۱۲۱) -

۲ - تذکرۂ حسینی (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ق ۳۷ : انڈیا آفس عدد ۱۶۹۶ -

تذکرۂ حسینی میں امانت کے یہ اشعار دیے گئے :

راست کیشاں را غمے از انقلاب دھر نیست
در نگیں حرف الف از راستی واژوں نشد

بسکہ خوں در جگر از دستِ نگارے دارم
در دل خود چو حنا جوشِ بہارے دارم
در تمنائے تو اے سرو رواں برلبِ جو
ہم چو ساحل تہی از خویش کنارے دارم

دلِ پر سوز خود از سینہ گر بیروں بر اندازم
درونِ خرمنِ آرامِ مردم اخگر اندازم

صاحب نشتر عشق نے مندرجۂ ذیل اشعار کا انتخاب کیا ہے

نمی گردد بلند از خاک ہم گردِ مزارِ ما
کہ بنشیند مبادا بر دلِ خوباں غبارِ ما

خاک بر سر می کنیم از روزگارِ ما مپرس
گرد بادیم از عروج و اعتبار ما مپرس

(۱۳) فرحت[1] : لالہ خوش حال چند (متوفی ۱۱۸۷ھ) عم لالہ دولت رائے بیدار -

(۱۴) بیدار[2] : منشی بساون لال (رائے) تلمیذ مظہر جان جاں (متوفی ما بعد ۱۱۸۷ھ) مصنف تذکرۂ عشقی کا بیان ہے

---

۱ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۲)

۲ - روز روشن ، صفحہ ۱۱۳؛ سفینۂ خوشگو ، جلد ۳ (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۱۲) ؛ تذکرۂ عشقی (سپرنگر صفحہ ۲۱۲) ؛گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰) -

که بیدار نے پٹنے میں وفات پائی اور ایک فارسی دیوان یادگار چھوڑا ۔

روز روشن میں یہ اشعار بطور نمونہ درج ہیں :

پیوسته چوں مسافر دریا کناره جو ست
در عشق او کسے که بود آشنائے ما

بفرزندان مردم دل غلط بستم ، ندانستم
که هرگز دیگرےمالک نگردد شعر تضمیں را

گر بود خورشید روے در نظر تا روز حشر
می تواں بے آب و ناں مانند عیسیٰ زیستن

(۱۵) تمیز[1] : صاحب دیوان سری گوپال برهمن (۱۱۶۷ھ) المعروف به آفتاب‌زاده ۔ هندی اور فارسی دونوں زبانوں میں ماہر تھا ۔ متھرا کی تعریف میں ایک مثنوی لکھی۔ یہ شعر اس کے ہیں :

رفتی و جلوهٔ تو نه رفت از برم هنوز
یک‌خرمن گل است ز پا تا سرم هنوز

یک جرعه مے بیاد تو خوردم برنگ گل
خون بهار می چکد از ساغرم هنوز

(۱۶) مخلص[2] ۔ انبے داس (۱۱۶۷ھ) اروڑہ ساکن لاہور ۔ بٹالے میں نواب ابوالبرکات خاں صوفی کا منشی تھا ۔

---

۱ ۔ روز روشن ، صفحه ۱۳۵ ؛ خوشگو ، جلد ۳ (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحه ۱۱۳) ۔

۲ ۔ خوشگو ، جلد ۳ (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحه ۱۱۳) ؛ گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحه ۱۳۲)

(۱۷) **الفت**[۱]۔ لاله اجاگر چند کایستھ (۱۱۴۷ھ) عظیم آبادی ۔ پہلے غربت تخلص کیا کرتا تھا ۔ اس کے اشعار پر میر محمد عالم تحقیق نے نظر ثانی کی ۔ نشتر عشق میں یہ اشعار اس کی طرف منسوب ہیں :

گشت گل جام، شراب و شد دل بلبل کباب
کیست یا رب در چمن امروز مہمان بہار

در آمد شام غم در سینہ حسرت نام مہمانے
ز داغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانے

(۱۸) **شہود**[۲] : بابو بالمکند، (۱۱۴۷ھ) رائے عالم چند کا رشتہ دار تھا اور مانک پور، الہ آباد کا رہنے والا تھا ۔ خوشگو نے پٹنے میں اس سے ملاقات کی ۔ خان آرزو شہود کی تمیز اور دانشمندی کی بہت تعریف کرتا ہے ۔ یہ شعر اس کا ہے :

مکن اشک مرا بے قدر اے مژگان تر رحمے
بریں طفل، غذا پروردۂ خون، جگر رحمے

(۱۹) **حضوری**[۳] : گوربخش (۱۱۴۷ھ) میر معصوم مشرب کا شاگرد تھا ۔ آخر میں مرزا بیدل کی شاگردی اختیار کی ۔

(۲۰) **ندرت**[۴]: لاله حاکم چند (۱۱۴۷ھ) بڑا شاعر تھا ۔

---

۱ ۔ خوشگو(بانکی پور، جلد۸ صفحہ ۱۱۳) گل رعنا (بانکی پور جلد ۸، صفحہ ۱۲۹) : روز روشن صفحہ ۶۸ : نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ۔ ق ۲۷ ۔

۲ ۔ خوشگو ۔ ایضاً : مجمع النفائس (قلمی) صفحہ ۴۲۸ : گل رعنا (بانکی پور، جلد ۸، صفحہ : ۱۳۱ ۔)

۳ ۔ خوشگو ایضاً : گل رعنا ایضاً : روز روشن صفحہ ۱۸۱

۴ ۔خوشگو و گل رعنا ۔

بھگوت کا منظوم ترجمہ ، مثنوی ذرہ و خورشید اور ساقی نامہ اس کی تصانیف ہیں ۔

(۲۱) موزوں[1] : راجا رام نراین عظیم آبادی (متوفی ۱۱۷۷ھ) شاعر اور شعرا کا قدردان تھا ۔ کہتے ہیں یہ شعر اسی کا ہے :

محروم ماند از تو لب ِ تشنۂ حسین
اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

یہ اشعار بھی اسی کے ہیں : ۔

خون در جگر نماند وخدنگ تومی رسد
حیف است ایں کہ تشنہ رود میہمان ما

ضعیف نالیم آخر بکار من آمد
کہ یار از اثر نالہ ام شناخت مرا

می خواستم کنم دل و جان را نثار دوست
حیف است ایں کہ ہر دو نیاید بکار دوست

(۲۲) خاکستر[2] : منشی سرب سکھ کایستھ (۱۱۸۷ھ)

(۲۳) مخلص : انند رام (متوفی ۱۱۶۳ھ) اپنے زمانے کا بہت بڑا فاضل تھا ۔ اس کا حال مرآۃالاصطلاح کے بیان میں لکھ آئے ہیں جس میں اس کی شاعری پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ۔ مخلص ایک متوسط درجے کا شاعر تھا اور ہم اسے دوسرے درجے کے شعرائے فارسی

---

۱ ۔ ایضاً : نشتر عشق (قلمی) جلد ۲ ، ق ۵۳ : گلزار ابراہیم قلمی (سپرنگر صفحہ ۲۵۷) ۔

۲ ۔ خوشگو ایضاً ۔

میں شمار کر سکتے ہیں - مرآۃ الاصطلاح فن لغت میں اس نے خوب لکھی ہے - (تفصیل کے لیے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء)

(۲۴) عشرت[۱] - جے کشن (۱۱۶۴ھ) از شاگردان خان آرزو - آرزو کہتا ہے : ''خیلے جوان اہلے ست'' مثنوی 'سیتا رام' اس کی تصنیف ہے - ایک ساقی نامہ بھی اس کی طرف منسوب ہے - ایک قصیدے میں لکھتا ہے :

گرچہ ہندویم بود لبریز عشق او دام

یہ شعر اس کے ہیں : -

عشرت ز تو صیاد طمع کردہ رہائی
بر سادگیش خندہ زدد چاک ِ قفسہا

کمتر از یک قطرۂ خونم بچشم روزگار
مے توانم دل‌شدن‌عشق اردہد پہلو مرا

رہین منت بخت خودم کہ‌در ہمہ عمر
بکوےبادہ فروشاں‌مراگدا کردہ است

دست ِ شوقم ہوس جیب دریدن دارد
جامہ از بہر من ِ بے سرو پا قطع کنید

(۲۵) خوشگو[۲] : بندرابن داس(متوفی ۱۱۷۰ھ) از شاگردان سرخوش - تذکرۂ خوشگو اسی کی تصنیف ہے جس سے معلوم

---

۱ - مجمع النفائس (قلمی) صفحہ ۶۳۸ : سپرنگر صفحہ ۱۵۸ : گل رعنا ایضاً : ریو ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۱۳ -

۲ - مجمع النفائس (قلمی) صفحہ ۱۹۸ ؛ گل رعنا ایضاً ؛ مخزن الغرائب (قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی) روز روشن صفحہ ۲۰۶ ؛ انیس العاشقین (قلمی پنجاب یونیورسٹی) جلد ۱ ، ق ۱۲۶ -

ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد جو بے غم بیراگی اور سدا نند 'بے تکلف' کے پاس حاصل کی، ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اس حیثیت سے اس نے ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے شہروں میں قیام کیا اور وہاں کے تمام شعرا سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ اس کے تذکرے کی یہی خوبی ہے کہ شاعر نے اپنے اکثر معاصرین کے حالات اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر لکھے ہیں۔ خان آرزو مجمع النفائس میں لکھتے ہیں: ''بہر حال شعر او بسیار خوب می‌گوید و نبض تازگی مضمون بدست او افتادہ۔''

خوشگو کا اپنا بیان ہے کہ وہ حکیم شفائی کی طرز کا متبع ہے۔ چناں چہ 'سفینہ' میں لکھتا ہے: ''خان صاحب و قبلۂ آرزومندان مدظلہ در ایام گزرانیدن مشق شعر بہ فقیر راقم خوشگو مقرر فرمودند کہ طبیعت تو بطرز شفائی مناسبت تمام دارد۔ بہتر ازیں سر مشقی نخواہی یافت و بارہا مبالغہ از حد گزرانیدہ بر مسودات فقیر نوشتہ کہ صائبانہ چرا می گوئید؟ شفائی! شفائی! شفائی! چوں فقیر اکثر تتبع دیوان حکیم نمودہ، ازیں جہت او را اوستاد خود می داند۔'' شفائی کی شاعری کی خصوصیت استعارہ ہے۔ چناں چہ خوشگو اپنے سفینہ میں لکھتا ہے۔ ''حکیم شفائی سرخیل قافلۂ استعارہ بندان است۔ طرز استعارہ را بعرش الکمال رسانیدہ'' خوشگو کا کلام ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس لیے ہم کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ شاعر چونکہ خان آرزو کا شاگرد تھا اس لیے ان کی رائے اس بارے میں خاص وقعت رکھتی ہے۔ وہ اپنے تذکرۂ مجمع النفائس میں فرماتے ہیں:-

''بندرابن داس خوشگو از ماہران لب و لہجۂ ارباب لسان است۔''

ہماری رائے میں خوشگو کی شہرت کا دار و مدار صرف اس کے تذکرے پر ہے جو جامع اور مفصل ہونے کے علاوہ بہت حد تک صحیح بھی ہے نہ کہ شاعری پر ۔ خوشگو کی شاعری کا نمونہ یہ ہے :

دہلی خوش است لیک ز یار این چنیں‌خوش است
یار این چنیں خوش ست و دیار این چنیں خوش ست

برائے یار تعظیمِ رقیباں ہم ضرور افتد
بشوق بت نخستین سجدهٔ پیشِ برهمن کن

آوازِ تیشه امشب در بے ستوں نیامد
شاید بخوابِ شیریں فرہاد رفته باشد

موجود گر نبودیم ، معدوم ہم نبودیم
امروز از کجائیم گر در عدم نبودیم

(۲۶) شوق[1] : لالہ تن سکھ رائے (۱۱۷۰ھ) ۔

(۲۷) موید[2] : پنڈت زندہ رام (متوفی نزد ۱۱۷۳ھ) صاحب دیوان ۔

(۲۸) آرام[3] : سند داس (متوفی بعد از ۱۱۷۴ھ) مصنف مثنوی سسی پنوں ۔

(۲۹) امتیاز[4] : راجا دیا مل (۱۱۷۴ھ)

---

۱ ۔ سپرنگر ۔ صفحہ ۱۵۷ ۔
۲ ۔ ایضاً صفحہ ۵۰۴ : ریو ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۱۴ ۔
۳ ۔ کپور تھلہ لائبریری کی انگریزی فہرست از پروفیسرمترا صفحہ ۱۰۷ ۔
۴ ۔ مقالات الشعرا (سپرنگر ، صفحہ ۱۵۴) ۔

(۳۰) ثروت[1] : جگل کشور (۱۱۷۳ھ) وکیل ناظم بنگاله ۔

(۳۱) عزت[2] : سنگھم لال (۱۱۷۳ھ)

(۳۲) نشاط[3] : رائے پھکنی مل (۱۱۷۳ھ)

(۳۳) معنی[4] : رائے بجے مل (۱۱۷۳ھ) برادر دیا مل امتیاز

(۳۴) عاشق[5] : شیو رام (متوفی ۱۱۷۹ھ) نورالعین واقف ایک خط میں اس کی تعریف کرتا ہے ۔

(۳۵) موزوں[6] : راجا مدن سنگھ اٹاوی کایستھ (متوفی ۱۱۷۹ھ) نشتر عشق میں یہ اشعار اس کی طرف منسوب ہیں :

بے جا کنند غمزدگاں شکوۂ فلک
موزوں چه فتنه ها ست که در چشم یار نیست

آشنائے گریۂ بے اختیارم کرده اند
بے تکلف روکش ابر بهارم کرده اند

مرا دلے ست که گردید از جهان فارغ
ولے نشد ز هوا داوری بتاں فارغ

از اخگر و سپند طپیدن خریده ایم
از آبشار و آب چکیدن خریده ایم

---

۱ - ایضاً ۔
۲ - مقالات‌الشعرا (سپرنگر ، صفحه ۱۵۸) ۔
۳ - مقالات الشعرا (سپرنگر ، صفحه ۱۶۰) ۔
۴ - ایضاً (سپرنگر ، صفحه ۱۵۹) ۔
۵ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحه ۱۳۲) ۔
۶ - ایضاً ۔

بیانِ حالِ دلِ خویشتن چگونه کنم
ز بے دماغیِ آن کجکلاه می ترسم

(۳٦) تازہ[1] : لال جی (۱۱۸۱ھ)

این کہ می گوید بگوش ما صدائے نوبتے
عمر شاہاں می زند ہر لحظہ کوس رحلتے

(۳۷) دبیر[2] : لالہ دولت رائے برہانپوری (۱۱۸۱ھ)

(۳۸) قدرت[3] : لالہ مشتاق رائے کہتری (۱۱۸۱ھ)

(۳۹) ذہین[4] : لالہ روپ نراین (۱۱۸۱ھ) آزاد بلگرامی کا شاگرد تھا ۔

(۴۰) مشربی[5] : بھورے سنگھ اکبر آبادی (متوفی بعد از ۱۱۸۱ھ) ۔

(۴۱) منشی[6]: لالہ فتح چند برہانپوری(۱۱۸۱ھ)صاحب مثنویات در تتبع شوکت بخاری ۔

(۴۲) ہنر[7] : گیان رائے (متوفی ۱۱۹۰ھ) آزاد بلگرامی کا شاگرد تھا ۔

---

۱ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰)؛ روز روشن صفحہ ۱۲۳ ۔
۲ - گل رعنا ایضاً ۔
۳ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۲) ۔
۴ - گل رعنا و روز روشن صفحہ ۲۳۰ ۔
۵ - مخزن الغرائب قلمی ؛ گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ صفحہ ۱۳۳) ۔
٦ - گل رعنا ایضاً ۔
۷ - گل رعنا (بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۳) ۔

(۴۳) انیس[1] : موہن لعل صاحب دیوان ، صاحب انیس الاحبا
(۴۴) دیوانہ : لالہ سرب سکھ
(۴۵) ولی : پنجاب رائے

۱۱۹۷ھ شاگردان مرزا فاخر مکین

(۴۶) مختار : سیتل داس
(۴۷) مطیع : رام بخش
(۴۸) بسمل : بھگوان داس
(۴۹) عزیز : شتاب رائے
(۵۰) بہار : میدنی لال
(۵۱) مائل : مٹھو لال
(۵۲) رفیق : داتا رام
(۵۳) سائل : دیبی پرشاد

۱۱۹۷ھ - شاگردان مرزا فاخر مکین

سرب سکھ دیوانہ[2] (نمبر ۴۴) آردو ، فارسی اور ہندی کا اچھا شاعر تھا۔ میر حیدر علی حیران اور جعفرعلی حسرت اس کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ اس کے تین دیوان ہیں عشقیہ، دردیہ ، شوقیہ ۔ کہتے ہیں مغلی وضع کو بہت پسند کرتا تھا ۔ عام رائے یہ ہے کہ ۱۲۱۳ھ میں دنیاے فانی سے چل بسا ۔ یہ اشعار اس کے ہیں :

گفتند از زبان تو با من پیام وصل
باور نیایدم که پیام از زبان تست

---

۱ - انیس الاحبا بحوالۂ سپرنگر ۔

۲ - روز روشن ، صفحہ ۲۲۵ : انیس العاشقین (قلمی) جلد ، ق ۱۸۳ : خمخانۂ جاوید ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۱۷ : شعرالہند : گلشن ہند علی لطف صفحہ ۱۰۲ ، سپرنگر صفحہ ۲۲۱ : بانکی پور ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰ : دتاسی ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۲۶ ۔

به من تو وعده نکردی و سادگیم به بین
که عمر من بره انتظار می گزرد

من و دل هر دو در راهے ز ضعف افتاده در ساعت
گہے من دستِ دل گیرم گہے دل دستِ من گیرد

عجب است این که با آن همه ربطِ آشنئی
چو به بیندم نه پرسد چه کسی و از کجای

از جفایت تا یکے از دیده خون بارد کسے
آخر اےجان کسے رحمے که جان دارد کسے

(۵۴) خوش[1]: انند کہن (۱۲۰۹ھ) ساکن کپنیل (اکبرآباد)۔ فارسی اور هندی میں ماهر تها ۔ باپ کی وفات کے بعد بندرابن میں مقیم هو گیا ۔ جہاں اس نے بھگوت اور راماین کا منظوم فارسی میں ترجمہ کیا ۔ اس نے ایک اور مثنوی بهی لکهی جس کا نام 'کجکلاه' هے (۱۲۰۹ھ) جو سات جلدوں میں منقسم هے ۔ اس کی دوسری جلد انڈیا افس لائبریری میں هے ۔ هارا شاعر احمد شاه درانی کے حملے میں مارا گیا ۔

یه شعردمِ نزع اس کی زبان سے نکلا ؎

اے زخم نصیبان ترا عار ز مرهم
قربان سرِ تیغِ تو یک زخم دگر هم

(۵۵) بہجت[2] ۔ لاله ٹکا رام (۱۲۱۲ھ) اس کے اکثر اشعار مذهبیات سے متعلق هیں ۔

---

۱ ۔ تذکره شعرائے اردو کریم الدین ۔ صفحه ۲۸۱ ۔
۲ ۔ ایشیاٹک سوسایٹی بنگال، عدد ۸۸۴ ۔

(۵٦) شفیق : لچھمی نراین اورنگ آبادی کا ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے ۔ جہاں ہم نے اس کی مؤرخانہ حیثیت پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا ۔ شعر و شاعری میں وہ آزاد بلگرامی کے تلامذۂ خاص میں سے تھا ۔ اردو شعر کی اصلاح میر عبدالقادر مہربان سے لیتا تھا ۔ شفیق بحیثیت شاعر بہت شہرت رکھتا ہے ۔ اس کی شاعری کا نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں ، اس لیے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا ۔ آزاد بلگرامی اور دیگر ارباب علم کی آرا کی بنا پر ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ شفیق کا رتبہ شاعری میں بلند ہوگا ۔ اگرچہ اس کی مؤرخانہ حیثیت شاعرانہ حیثیت سے اعلیٰ معلوم ہوتی ہے ۔ مخلص کی طرح شفیق بھی دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اور فارسی کے ہندو شعرا میں بلند ترین لوگوں میں سے ہے ۔ کچھ اشعار تذکروں میں ملتے ہیں جن میں سے بعض یہاں درج کیے جاتے ہیں ؎

بر لب نازکِ او بوسہ تواں داد شفیق
کہ مرا یاد کند باز بہ دشنامے چند

شنیدہ ام کہ بسوے شفیق می آئی
بیا بیا کہ دل و جان نثار خواہم کرد

ز خار ہاے مغیلاں پرست وادیِ عشق
شفیق آبلہ پا می روی خدا حافظ

جو اشعار نظر سے گزرے ہیں ان میں شیرینی ، روانی اور لطافت کافی حد تک موجود ہے ۔

پانچواں باب

مغل تہذیب کا دمِ واپسیں
(از ۱۲۲۱ھ تا عہد حاضر)

اسلامی حکومت کا آخری دور

گزشتہ باب میں ہم نے ۱۱۲۴ھ سے لے کر ۱۲۲۱ھ تک کے لٹریچر کا ذکر کیا تھا۔ اب ۱۲۲۱ھ سے لے کر موجودہ زمانے تک کے ادب پر تبصرہ کریں گے۔ اس عہد کے سیاسی حالات یہ تھے کہ اودھ کی حکومت اپنی پرانی شان و شوکت کو کھو چکی تھی اور انگریز ملکی انتظام میں بیش از بیش دخیل ہو رہے تھے۔ تا آں کہ ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ انگریزی مقبوضات میں داخل ہو گیا اور ۱۸۵۷ء میں تیموری خاندان کا ٹمٹاتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا اور دھلی اور اس کے مضافات بھی سرکار انگریزی سے متعلق ہو گئے۔

مسلمانوں کے ہندو ملازم

جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں شاہان اودھ مغلیہ سطوت اور طاقت کا پاسنگ بھی نہ تھے، تاہم حکومت کے خاتمے تک ان کے درباروں میں ہندو منشیوں اور مہتمموں کی بھر مار رہی۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی ہمیں ان درباروں میں بعض اعلیٰ درجے کے انشا پرداز ملتے ہیں۔ حیدر آباد، بہاولپور، بھوپال، ٹونک اور دوسری چھوٹی ریاستوں میں بھی یہی حالت رہی۔

بلکہ بعض ریاستوں میں تو آج سے بیس تیس سال قبل تک فارسی زبان کا رواج رہا اور ہندو منشیوں کو بعض اہم مناصب ملتے رہے ۔

سکھ اور فارسی

انگریزوں کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سکھ قوم کے متعلق بھی کچھ اشارات کر دیے جائیں ۔ یہ نہایت ہی تعجب کا مقام ہے کہ سکھوں میں بہت کم لوگ ایسے نکلے جنھوں نے فارسی زبان میں کچھ کتابیں لکھی ہوں ۔ بدھ سنگھ منشی اور اس قسم کے ایک دو آدمی تو ملتے ہیں مگر جہاں تک ہمارا خیال ہے اس قوم میں فارسی زبان کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی ۔ اس کے وجوہ ظاہر ہیں ۔ سکھوں نے ابتداے کار ہی سے پنجاب کی زبان کو اپنانا شروع کیا اور گورو گرنتھ صاحب کی زبان ہی ان کے نزدیک محبوب ترین زبان رہی ۔ سیاسی تنازعات کی وجہ سے سکھوں اور مسلمانوں میں یک گونہ منافرت بھی موجود تھی لٰہذا فارسی جو کہ مسلمان حکومت کی زبان تھی ان میں کیسے مقبول ہو سکتی تھی ۔ مزید براں سکھ مذہب زیادہ‌تر پنجاب کی دیہاتی آبادیوں میں پھیلا جہاں کے اکثر لوگ زمیندار اور زراعت پیشہ تھے اور تعلیم و تعلم ان کا کوئی محبوب مشغلہ نہ تھا ۔

ظفر نامہ گورو گوبند سنگھ

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فارسی کے ساتھ سکھوں کا سلوک شروع سے ہی معاندانہ تھا ۔ گورو نانک جی[1] نے اپنے کلام میں فارسی الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے اور دو تین اشعار تو خالص فارسی کے ہیں ۔ گورو گوبند سنگھ صاحب کی فارسی

---

۱ ۔ دیکھو گورو نانک صاحب کی فارسی تعلیم ، دیکھو ضمیمہ ب ۔

واقفیت اچھی خاصی معلوم ہوتی ہے - ظفر نامہ کے نام سے ایک رسالہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس میں فارسی کے اشعار ہیں - اگرچہ باعتبار شعر اکثر اشعار وزن اور قافیہ کے مطابق صحیح نہیں مگر فارسی کی نثری قابلیت کا ان سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہوتا ہے -

مہاراجا رنجیت سنگھ اور فارسی

پنجاب میں سکھوں کی حکومت سلطنت مغلیہ کی ویران بنیادوں پر کھڑی کی گئی تھی اس لیے مہاراجا رنجیت سنگھ نے گزشتہ روایات کو بہت حد تک برقرار رکھا - مہاراجا کا دربار ہندو مسلمان اہل علم کا مرجع تھا اور اس سلسلے میں مہاراجا کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کیے جاتے ہیں - حکیم عزیز الدین انصاری ، فقیر نور الدین ، مصر بیلی رام ، دیوان امر ناتھ اکبری ، دیوان دینا ناتھ ، دیوان گنگا رام وغیرہ اس دربار کے اکابر علما میں سے ہیں - دفتری کاروبار فارسی میں انجام پاتا تھا - روز نامچے اور واقعات کی مسلیں فارسی میں مرتب ہوتی تھیں اور اسی زبان میں انگریزی حکومت کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوتی تھی اور معاہدے لکھے جاتے تھے - پنجاب یونیورسٹی لائبریری[1] میں جو روز نامچے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت حد تک مغلوں کی وقائع نویسی کے طریقے کو برقرار رکھا گیا ہے - سکوں پر فارسی عبارت کندہ ہوتی تھی - جسا سنگھ کلال نے اپنے سکوں پر یہ عبارت کندہ کرائی تھی سے

سکہ زد در جہاں بفضل اکال ملک احمد گرفت جسا کلال

سکھوں کے عہد میں مہاراجا رنجیت سنگھ کا دربار اہل علم کے لیے جاذب توجہ رہا - یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے علاوہ بعض اچھے ہندو مصنف بھی پیدا ہوئے مثلاً منشی

۱ - اس کے علاوہ -

سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ ، دیوان امر ناتھ اکبری ، پنڈت کاچر (مصنف مجمع التواریخ) ، منشی دیا رام در ،کرنل مہان سنگھ ، دیوان کرپا رام اور دیوان اننت رام - آخری دو تین مصنف کشمیر سے متعلق ھیں۔ دیوان[۱] بخت مل سکھوں کے زمانے کا ایک بلند پایہ مصنف تھا - ریاست جموں نے بھی ایک دو ہندو مصنف پیدا کیے ھیں جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا - دیوان اجودھیا پرشاد نے بھی وقائع جنگ سکھاں کے نام سے کتاب لکھی ھے -

انگریزوں کی حکومت

سکھوں کے زوال اور خاتمے کے بعد انگریز تمام پنجاب پر قابض ھو گئے اور ان کی سلطنت پشاور سے راس کماری تک اور بلوچستان سے برما تک پھیل گئی - ھم پچھلے باب میں کہہ آئے ھیں کہ انگریز افسروں کی توجہ اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے اکثر ہندو منشیوں نے تاریخ اور دوسرے فنون پر کتابیں لکھیں لیکن اس زمانے میں فارسی کا زوال اور خاتمہ ھوا اور اس کے بجائے انگریزی زبان کی سرپرستی کا آغاز کیا گیا ، اس لیے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ان اسباب و علل کا مختصراً تذکرہ کیا جائے جو اس انحطاط میں ممد و معاون ھوئے -

تعلیمی حکمت عملی

ھم سب سے پہلے حکومت انگریزی کی تعلیمی حکمت عملی پر نظر ڈالتے ھیں - ھوول[۲] نے 'برطانوی ہندوستان میں تعلیم' کے موضوع پر لکھتے ھوئے لکھا ھے کہ : ''تعلیم کو ابتداے کار میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا ؛ بعد ازاں اس کی مخالفت کی گئی اس کے

---

۱ - دیوان بخت مل کی چند اور تصانیف کتب خانہ ؟ میں موجود ھیں - مثلاً باغ با بہار -

۲ - Selections From Educational Records - Sharp, I. p. 2.

بعد غلط بنیادوں پر (جسے سب عقلا آج غلط کہہ رہے ہیں) شروع کی گئی اور آخرکار اس انداز پر آسے لایا گیا جس پر آج ہے۔'' یہ حقیقت میں انگریزوں کی تعلیمی حکمت عملی کی ایک مختصر مگر جامع تعریف ہے - ۱۸۱۳ء تک تعلیم ، حکومت کے فرائض میں متصور نہ ہوتی تھی۔ لارڈ منٹو' نے ۱۸۱۱ء میں اور لارڈ موئرا[۲] نے ۱۸۱۵ء میں کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ کیا - ۱۸۱۴ء میں ڈائرکٹران نے اس ضرورت کو تسلیم کیا اور ادھر اُدھر کچھ کالج اور سکول کھولے گئے جن میں فارسی ، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جاتی تھی جن کی تفصیل فشر صاحب[۳] کے روزنامچے میں ملے گی -

فارسی کی درسگاہیں

لیکن اس سے بہت قبل بعض زندہ دل اور ہمدرد انسران کمپنی نے اپنی ذمے داری پر (اور بعض اوقات اپنے صرف پر) ہندوستانیوں کی تعلیم کی طرف توجہ کی - ۱۷۸۱ء میں وارن ہیسٹنگز نے کلکتے میں ایک مدرسہ ، مدرسۂ عالیہ[۴] کے نام سے کھولا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمان نوجوانوں کو فارسی عربی کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ حکومت کے مناصب اور عہدوں میں حصہ لے سکیں جن پر ہندو بوجہ اپنی ہشیاری کے فایز ہو رہے تھے - ۱۷۹۱ء میں وایم ڈنکن نے بنارس میں ہندو سنسکرت کالج کا افتتاح کیا جس میں سنسکرت کے علاوہ فارسی کی تعلیم بھی ہوتی تھی - ۱۷۸۴ء میں سر ولیم جونز نے ایشیاٹک سوسایٹی بنگال[۵] کی بنیاد رکھی جس کی

۱ - ایضاً صفحہ ۱۹ -
۲ - ایضاً صفحہ ۲۴ -
۳ - ایضاً صفحہ ۱۸۵ - ۴ - ایضاً صفحہ ،
۵ - Carey, Good Old Days of o n Company I '417

غرض یہ تھی کہ مشرقی علوم میں تحقیق و تدقیق کے شوق کو ترقی دی جائے ۔ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کھولا جس میں ملازمین کمپنی کو فارسی ، عربی ، ہندوستانی اور بعض اور علوم کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ اس کالج کے مشہور اساتذہ میں ڈاکٹر گلکرسٹ ، جان بیلی ، ولیم کرک پیٹرک ، فرانسس گیڈون اور ولیم ہنجامن ایڈ مانسٹن تھے جن میں سے ہر ایک ، ایک خاص حیثیت رکھتا ہے ۔

۱۸۱۳ء سے لے کر ۱۸۳۵ء تک کا زمانہ مشرقی علوم کی حوصلہ افزائی کا زمانہ تھا ۔ فارسی ، عربی ، سنسکرت کی تعلیم کے لیے ایک خاص رقم علیحدہ کردی گئی تھی جس سے طلبہ کو وظائف دیے جاتے تھے اور ان زبانوں کی مشہور کتابوں کو طبع کرایا جاتا تھا ۔

آگرہ کالج اور دھلی کالج

اس زمانے میں جو کالج کھولے گئے ان میں سے ہم صرف دو کا ذکر کریں گے یعنی آگرہ کالج[۱] اور دھلی کالج[۲] ۔ اس لیے کہ ان کالجوں میں بعض ہندو طلبہ نے فارسی زبان کی تعلیم پائی اور بعد ازاں وہ مصنف بنے ۔ آگرہ کالج ۱۸۲۲ء میں گنگا دھر پنڈت آنجہانی کے عطیے سے کھولا گیا ۔ کمیٹی نے تجویز کی کہ اس کالج میں فارسی ، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جائے ۔ ۱۸۲۷ء کے قریب انگریزی کی ایک جماعت بھی کھول دی گئی ۔ یہ کالج بہ لحاظ تعلیم اور نتائج علمی بہت مشہور رہا ہے ۔ سیل چند مصنف تفریح العبارات اور مانک چند مصنف عبارات الاکبر اسی کالج کے نونہال تھے ۔

دھلی کالج ۱۸۲۷ء میں کھولا گیا ۔ اس کالج سے بھی قابل طلبہ نکلے[۳] ۔

۱ ۔ سیلیکشنز صفحہ ۱۸۵ وما بعد ۔ ۲ ۔ ایضاً ۔
۳ ۔ اس کے لیے دیکھو مولانا عبد الحق کی کتاب "مرحوم دھلی کالج" ۔

فارسی کے دو حریف

ان حالات میں ایسے دو حریف میدان میں آتر پڑے جن کے مقابلے کی تاب فارسی نہ لا سکی اور آخر آسے زوال کی آفت سے دوچار ہونا پڑا۔ ہماری مراد ایک تو انگریزی زبان سے ہے اور دوم ورنیکلر زبانوں سے۔ بعض سیاسی مقتضیات نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ فارسی کی بجائے ان زبانوں کی ضرورت اور اہمیت زیادہ ہوتی گئی۔کیونکہ انگریزی پسند اصحاب کا منشا یہ تھا کہ فارسی کو عدالتی زبان کے طور پر برقرار نہ رکھا جائے اور مشرقی علوم کی بجائے مغربی علوم کی ترویج ہو اور ان دونوں صورتوں میں انگریزی کو ذریعۂ اظہار خیال قرار دیا جائے۔

چارلس گرانٹ[1] نے ۱۷۹۲ء میں ہندوستانیوں کی اخلاقی حالت کی زبونی پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانیوں میں انگریزی تعلیم کو رائج کیا جائے کیونکہ ''تاریکی کا علاج روشنی ہے اور جہالت کا مداوا علم۔'' مگر اس وقت اس تجویز پر توجہ نہ کی گئی۔

۱۸۱۳ء سے لے کر ۱۸۳۰ء تک انگریزی پسند اور مشرق پسند اصحاب میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہا لیکن اس جھگڑے کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ ملک میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو چاہتی تھی کہ مشرقی علوم کی بجائے انگریزی تعلیم کو رائج کیا جائے۔ راجا موہن رائے (جو خود فارسی، عربی کے عالم تھے) اس گروہ کے پیشوا تھے۔ جب حکومت نے کلکتے میں ایک ہندو سنسکرت کالج کے افتتاح کا خیال ظاہر کیا تو راجا موہن رائے نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور درخواست کی کہ سنسکرت اور دیگر مشرقی علوم کی بجائے انگریزی کو رواج دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسیحی مبلغوں نے بھی انگریزی کو رواج دینے کے لیے بہت سے کالج کھولے۔

۱۔ سیلیکشنز جلد ۱، صفحہ ۸۱ ومابعد۔

۱۸۲۳ء میں حکومت نے جو 'کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن' قائم کی تھی وہ بھی کوئی زیادہ تعلیمی کام نہ کر سکی اس لیے کہ اس کے ارکان میں مشرق اور مغربی علوم کے مسئلے کے متعلق زبردست اختلاف موجود تھا ۔ لارڈ میکالے نے ۱۸۲۵ء میں اس کمیٹی کی صدارت قبول کی لیکن اس سے بوجہ اس اندرونی اختلاف کے کوئی خاطر خواہ کام نہ ہو سکا ۔ آخر معاملہ حکومت کے سامنے پیش ہوا جس کے سلسلے میں لارڈ میکالے نے اس مبحث پر وہ شذرہ لکھا جسے بے حد شہرت حاصل ہے ۔ اس نے اس 'نوٹ' میں انگریزی تعلیم کے رواج پر زور دیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ضمن میں اس نے مشرقی علوم و فنون کا بھی استخفاف کیا ۔ بالآخر میکالے کی مسلّمہ فصاحت نے فیصلہ کن اثر ڈالا اور انگریزی تعلیم حکومت کے مقاصد عظیمہ میں داخل ہو گئی ۔

فارسی کا اخراج

۱۸۲۹ء میں فیصلہ ہوا کہ فارسی کی بجائے انگریزی کو دفتری زبان قرار دیا جائے اور عدالتوں میں اسی کو رائج کیا جائے ، لیکن اس پر جلد عمل نہ ہو سکا ۔ تا آں کہ ۱۸۳۴ء میں فارسی کو اس حیثیت سے محروم کر دیا گیا ۔

اسی کے ساتھ ھی ورنیکلر زبانوں کو آھستہ آھستہ بہت ترقی ہوتی گئی اور غیر سرکاری حلقوں میں بھی نجی معاملات کو فارسی کی بجائے اردو یا ھندی میں سر انجام دینے کی طرف رجحان پیدا ھو گیا ۔

ھندوؤں نے انگریزی حکمت عملی کے منشاے اصلی کو پا لیا اور ان احکام کے صادر ھوتے ھی انگریزی کی جانب متوجہ ھوتے گئے چنانچہ اس عہد کے اکثر مصنفین انگریزی زبان سے واقف نظر آتے ھیں ۔ آگے چل کر ھم بتائیں گے کہ ان کی تصنیفات میں کہاں تک انگریزی تعلیم کے اثرات موجود ھیں ۔

اگرچہ ۱۸۴۴ع کے بعد فارسی رو به انحطاط ہو گئی ، لیکن شعر و شاعری کا ذوق ، فارسی ادب اور تاریخ کے ساتھ وابستگی ، اکثر کایستھ اور برہمن خاندانوں میں موجود رہی ۔ ہندو طلبہ ۱۹۰۰ع تک اختیاری مضامین میں فارسی کو ترجیح دیتے تھے ۔ آرنلڈ صاحب ۱۸۵۷ع میں پنجاب کی تعلیمی حالت پر رپورٹ[1] کے دوران میں رقمطراز ہیں :

> کہ ''فارسی اور قرآن'' کے مدارس ملک کی حقیقی تعلیمی درسگاہیں ہیں ۔ ان درسگاہوں میں مسلمانوں کی نسبت ہندو طالب علم زیادہ تعلیم حاصل کرتے ہیں'' ۔

پھر لکھتے ہیں :

> ''کہ ہندوؤں کا اتنی کثرت کے ساتھ فارسی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان سکولوں میں داخل ہونا تعجب خیز ہے ۔''

دور آخری کے فاضل ہندو

۱۸۵۷ع سے لے کر اس وقت تک ملک میں انگریزی زبان کا چرچا ہے مگر ہندوؤں میں فارسی دان اصحاب کی پھر بھی کمی نہیں ۔ عہد حاضر میں لالہ رتن ناتھ سرشار ، برج نراین چکبست (متوفی ۱۹۲۸ع) ، سوامی رام تیرتھ (متوفی ۱۹۰۸ع) لالہ بانکے دیال دھلوی (متوفی ۱۸۵۱ع) پنڈت راج ناتھ (متوفی ۱۸۳۲ع) منشی پیارے لال رونق (تلمیذ داغ) ، راج نراین ارمان دھلوی ، منشی دوارکا پرشاد آفق ، مہاراج بہادر برق ، پنڈت نراین پرشاد بیتاب ڈراما نویس ، منشی پریم چند ، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ، لالہ تلوک چند محروم ، منشی نوبت رائے نظر ، منشی دلورام کوثری ، پنڈت تربھون ناتھ ہجر (مدیر اودھ پنچ) ، لالہ سری رام ایم ۔ اے ،

---

۱ - سلیکشنز حصہ دوم (از رچی) صفحہ ۲۹۰ -

پنڈت جوالا پرشاد برق ، منشی درگا سہائے سرور ، منشی اقبال ورما سحر ، منشی دیبی پرشاد سحر ، منشی جگت موہن لال رواں ، پنڈت دیا نراین نگم (مدیر زمانہ) وغیرہ آن لوگوں میں سے تھے جو اردو ، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں سے واقف تھے ۔

پنڈت موتی لال نہرو نے ۱۹۲۹ء میں کانگرس کے اجلاس کلکتے میں جو خطبۂ صدارت پڑھا تھا اس میں فارسی کے بہت سے اشعار پڑھے ۔ سر تیج بہادر سپرو ، جو ہندوستان کے لبرل لیڈر فارسی زبان کے ماہر تھے ۔ ان کے علاوہ رائے بہادر راجا نرندرا ناتھ اور ڈاکٹر گوکل چند نارنگ بھی فارسی سے خاص شغف رکھتے ہیں ۔

لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے اور بہت ممکن ہے کہ فارسی آیندہ بیس پچیس سال تک ہندو تو کیا مسلمانوں کے گھروں سے بھی نکل جائے اس لیے کہ مغرب کے علوم و فنون بڑی تیزی کے ساتھ ملک میں پھیل رہے ہیں اور خود مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کا یہ خیال ہے کہ فارسی یا دیگر مشرق زبانوں میں وقت صرف کرنا بیکار ہے ۔ تلک الایام نداولها بین‌الناس ۔ فارسی رخصت ہو رہی ہے ، اردو کا خدا حافظ !

ہندوؤں میں فارسی کا بیج اکبر اور ٹوڈرمل نے بویا ۔ یہ درخت مسلسل تین سو سال پھولتا پھلتا رہا ۔ اسی کے باغ بے خزاں سے میں نے اس کتاب میں گل و لالہ اکٹھے کیے ہیں مگر دنیا سرائے فانی ہے یہاں کسی شے کو بقا نہیں ، فارسی کو کیا بقا ہوتی ۔ تقریباً تین صدیوں کے بعد اس چمنستان کو دائمی پت جھڑ کا سامنا ہو رہا ہے جس کے بعد آمد بہار کی توقع امید موہوم ہے ۔

منشی نولکشور

ان بے شمار قابل قدر خدمات کے پیش نظر جو منشی نولکشور[۱] اور ان کے مطبع نے فارسی زبان کو زندہ اور عام کرنے میں انجام دی ہیں ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منشی نولکشور اور ان کے مطبع کا بھی یہاں کچھ ذکر کیا جائے ۔

منشی نولکشور کی ولادت موضع ساسنی ضلع علی‌گڑھ میں ہوئی ۔ منشی جمنا داس بھارگو ان کے والد ایک خوش حال زمیں دار تھے جن کے نولکشور کے علاوہ چار بیٹے تھے ۔ نولکشور کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہوئی ، اس کے بعد انہیں آگرہ کالج میں داخل کیا گیا جہاں انہوں نے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی ۔ انہوں نے اسی زمانے میں اخبار آگرہ سفیر میں بہت سے اصلاحی مضامین لکھے جن کے صلے میں حکومت نے ان کو وظیفہ عطا کیا ۔

کالج سے فارغ ہونے کے بعد نولکشور لاہور آ گئے اور 'کوہ نور' پریس میں ملازم ہو گئے ۔ حسن کارکردگی اور معاملہ فہمی کے طفیل منشی ہر سکھ رائے مالک مطبع کا کافی اعتماد حاصل کر لیا اور تھوڑے عرصے میں مطبع کے مختار کل بن گئے ۔

کچھ عرصے کے بعد منشی نولکشور لاہور کو چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے ۔ وہاں انہوں نے اپنا مطبع قائم کیا ۔ ان کا تجربہ اس قدر وسیع تھا کہ وہ تھوڑے دنوں میں بہت وسیع کاروبار کے مالک ہو گئے ۔ ان کے مطبع کی شاخیں اطراف ملک میں قائم ہو گئیں ۔ لاہور ، کانپور اور لکھنؤ میں ان کا کام بہت بڑے پیمانے پر تھا ۔

---

۱ ۔ یہ حالات سیرالمصنفین حصہ دوم اور قاموس المشاہیر حصہ دوم سے لیے ہیں ۔

آپ نے حکومت ہند کے بہت سے اعزاز حاصل کیے ۔ جب امیر عبدالرحمان مرحوم والئی افغانستان ہندوستان میں وارد ہوئے تو انہوں نے منشی نولکشور کو بھی اپنے پاس بلایا اور بہت محبت کا اظہار کیا ۔

اس زمانے میں فارسی علوم میں انحطاط آ چکا تھا اور فارسی پڑھنے والے کتابوں کی کمی سے بد دل ہو کر اس کو چھوڑ رہے تھے بلکہ اس زمانے سے بہت قبل ۱۸۱۱ء میں لارڈ منٹو نے اپنی تعلیمی یادداشت میں اس علمی انحطاط اور فقدان کتب پر بڑے زور دار انداز میں اظہار خیال کیا ہے ۔

ہندستان میں پریس کا رواج ہو چکا تھا جس کی وجہ سے قلمی کتابوں کی کتابت وغیرہ خارج از استعمال ہو رہی تھی ۔ عربی ، فارسی کتابیں کچھ تو انگریز اہل علم کے ہاتھوں یورپ پہنچ رہی تھیں اور بعض بے علم مالکان کتب کے ہاتھوں ضائع ہو رہی تھیں ۔ ایسے زمانے میں منشی نولکشور کو ، فارسی کو زندہ کرنے کے ارادے سے ، یہ خیال پیدا ہوا کہ عربی فارسی کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کریں اور ارزاں اور دیدہ زیب نسخے طول و عرض ہند میں پھیلا دیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ منشی نولکشور کا یہ اقدام فارسی زبان کے حق میں بےاندازہ مفید ثابت ہوا ۔ انہوں نے سینکڑوں کتابوں کو تلف ہونے کی آفت سے بچا لیا اور فارسی کے تن بے جان میں زندگی کی عارضی سی روح پھونک دی ۔

اس دور کا ادب

اگرچہ اس زمانے میں ہر قسم کا انحطاط شروع ہو چکا تھا مگر دور انحطاط کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں مفید اور اعلیٰ درجے کا لٹریچر کم اور بے کار تصنیفات بہت زیادہ لکھی جاتی ہیں ۔ چنانچہ اس دور میں بھی بے شمار شعرا و مؤرخ پیدا

ہوئے اور بہت سی انشائیں لکھی گئیں ۔ لیکن اعلیٰ درجے کی تصنیفات بہت کم ہیں ۔

ہم نے اس باب میں پینتیس مؤرخین کا ذکر کیا ہے جن میں سے صرف ذیل کے اسما کو کچھ امتیاز حاصل ہے ۔

خلاصۃالتواریخ	مصنفہ	کلیان سنگھ
منتخب‌التواریخ	مصنفہ	سدا سکھ نیاز
امیر نامہ	مصنفہ	بساون لال شادان
عمدۃالتواریخ	مصنفہ	منشی سوھن لال
گلزار کشمیر	مصنفہ	رائے کرپا رام

باقی فنون کی تفصیل بشرح ذیل ہے :—

سوانح.................. ۷
قصص.................. ۷
مترجمات.................. ۱۵
علوم طبعیہ.......... ۲۲
طب.................. ۷
موسیقی.................. ۱
انشا.................. ۲۶
لغت.................. ۹

بعض خصوصیات : علوم طبعیہ

اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علوم طبعیہ پر متعدد کتابیں لکھی گئیں ۔ ان کتابوں کے مضامین میں مغربی علوم کے اثرات نمایاں ہیں ۔ اس زمانے میں اکثر ہندو مصنفین نے مغربی علوم سے واقفیت پیدا کر لی تھی جس کے اثر سے ان کی کتابیں خالی نہ رہ سکتی تھیں ۔ فلسفہ ، نجوم ، ہیئت ، ریاضی اور طب کے متعلق بعض مفید کتابیں لکھی گئیں ۔ اشکی ، فلسفی ، زخمی ، قتیل ، بجھو مل ، تمکین ، لالہ کانجھی مل وغیرہ

اس عہد کے بہترین مصنفین میں سے ہیں ۔ لالہ کانجھی مل کی کتاب 'خزانۃ العلم' ان کتابوں میں سے ہے جو حکومت کے صرف پر طبع ہوئیں ۔ اس میں مغربی علوم کی معتدبہ آمیزش ہے ۔

تقابل مذاہب

مغربی تعلیم کا پہلا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں ذہنی کشمکش پیدا ہوئی ۔ یورپ کی زندگی کو ایک کامل نمونہ قرار دیا گیا ، خیالات میں انقلاب پیدا ہوا اور خود سری کے جذبات پیدا ہونے لگے ۔ اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہندو مصنفین اسلام، عیسائیت اور دیگر مذاہب پر اعتراض کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ اس دور میں مغربی اصول اور مغربی طرز زندگی کی روشنی میں ہندو اپنے اندر اصلاح کے کام کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ بت پرستی کی مخالفت ہے ۔ راجا رام موہن رائے مصنف تحفۃ الموحدین ، دیوان کرپا رام مصنف مدینۃ التحقیق و دیوان اننت رام مصنف حقیقت تناسخ اس تحریک اصلاح کے علمبردار سمجھے جا سکتے ہیں ۔

انشا اور شاعری

یہ یاد رہے کہ انشا اور شاعری اس زمانے میں کوئی دشوار چیز نہ سمجھی جاتی تھی ۔ ہر شخص ایک تخلص کے ساتھ کچھ غزلیں لکھ لینے سے شاعروں میں شمار ہو سکتا تھا ۔ خطوط اور مکتوبات کے مجموعے کا مرتب کر لینا بھی چنداں دقت طلب امر نہیں تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں بے شمار منشی اور شاعر ایسے موجود ہیں جو صرف صاحب تخلص ہونے کے الزام میں شاعر سمجھے جاتے ہیں ۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے غزلیات کا دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے مگر ان میں بہ مشکل تمام دو تین ہی ایسے ہوں گے جنھیں صحیح طور پر اعلیٰ منشیوں اور شاعروں میں شمار کیا جا سکے ۔ 'دستور الصبیان' سال ہا سال تک ہندوستان

کے مکاتب میں پڑھائی جاتی رہی ہے اور حقیقت میں یہ ایک مفید کتاب ہے ۔ منشی خیالی رام کے منشآت کو بھی ملک میں خاصی مقبولیت حاصل رہی ہے مگر ان منشآت کے فائدے کا دائرہ بہت محدود ہے ۔ اس لیے کہ پرانی انشاؤں کے ان دو اوصاف سے کہ ان میں زبان اور تاریخ ہر دو موجود ہوتی تھیں ، متاخرین کی انشائیں خالی ہیں ۔

شعرا میں بھی برھمن ، مخلص ، شفیق اور منوہر کے پایے کا کوئی شاعر نہیں ۔ قتیل ایک ممتاز شخصیت ہے مگر اسے مسلمانوں میں شمار کرنا زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ وہ ابتدائے عمر میں مسلمان ہو گیا تھا ۔ تفتہ ، زخمی ، ذوق رام حسرت ، محیط ، شعلہ ، خاموش اور اندر من البتہ قابل ذکر شعرا ہیں ۔

صحافت

ہندوستان میں صحافت[1] اور اخبار نویسی منظم طریق پر ۱۷۸۰ع سے کچھ قبل شروع ہوتی ہے ۔ ۱۸۰۰ع تک اس فن میں کافی ترقی ہو چکی تھی ۔ کلکتہ اخبار نویسی کا مرکز تھا ۔ پہلے پہل جو اخبارات شائع ہوئے ان میں سے بعض فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے ۔ ذیل کی فہرست سے معلوم ہوگا کہ اکثر اخبارات ہندو اہل قلم کی زیر ادارت شائع ہوتے تھے ۔

(۱) جام جہاں نما ۔ ہفتہ وار اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا ۔ ایڈیٹر سدا سکھ ۔
(۲) مرآۃ الاخبار ۔ مالک و نگران راجا رام موہن رائے ۔
(۳) شمس الاخبار (اردو ، فارسی) منی رام ٹھاکر ۔
(۴) بنگال ہیرلڈ (انگریزی ، بنگالی ، فارسی اور ناگری) ہر اتوار کو شائع ہوتا تھا ۔ یہ بھی راجا رام موہن رائے

---

۱ - یہ بیان Carey's Good Old Days سے لیا ہے - نیز رسالہ معارف ۱۹۲۹ع -

دوارکا ناتھ ٹیگور ، پرسنا کمار ٹیگور وغیرہ کی زیر نگرانی شائع ہوتا تھا ۔

مفصل تبصرے

اب ہم ہر فن کی کتابوں کی مفصل فہرست پیش کرتے ہیں اور اہم کتابوں پر مختصر سا تبصرہ بھی کریں گے ۔

تاریخ

(۱) **مخزن الفتوح**[1]: (۱۲۲۲ھ) بھگوان داس ۔ لارڈ لیک اور مرہٹوں کی جنگ کے حالات ہیں ۔ طرز بیان منشیانہ ہے ۔ نثر کے ساتھ بے شمار اشعار بھی لکھتا ہے ۔

(۲) **خالصہ نامہ**[2]: (۱۲۲۲ھ) دیوان بخت مل ۔ سکھوں کے آغاز سے لے کر ۱۲۲۲ھ تک کی تاریخ ہے ۔ اس کا ایک نسخہ راجا نریندرا ناتھ صاحب کے پاس لاہور میں محفوظ ہے ۔

(۳) **وقائع هلکر**[3]: (۱۲۲۳ھ) موہن رائے یا موہن سنگھ ۔ ملہار راؤ هلکر کے حالات زندگی ہیں ۔

(۴) **مرآۃ دولت عباسیہ**[4]: (۱۲۲۴ھ) دولت رائے ، بہاول خاں بانیٔ دولت عباسیہ بہاول پور کا ملازم تھا ۔ اس کتاب میں عباسی خاندان بہاول پور کے حالات ہیں ۔

(۵) **چار چمن**: (۱۲۲۵ھ) ریو جلد ۳، صفحہ ۱۰۵۸۔ یہ بھی اسی مصنف کی کتاب ہے اور ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے ۔

---

۱ - ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۴۸ ۔

۲ - ریو ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹۴ و ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن اجلاس لاہور ۱۹۲۷ع کی رپورٹ ۔

۳ - معارف ۱۹۱۸ع ۔

۴ - معارف ۱۹۱۸ع ۔

اس میں چار چمن اور سات بہاریں ہیں ۔ پہلے تین چمنوں میں دہلی کا ذکر ، ہندوؤں کے میلوں کے حالات ، ان کے مقدس مقامات کا تذکرہ ، راگوں اور راگنیوں پر تبصرہ اور شاعروں اور نثر نگاروں کی زندگی کے حالات ہیں ۔ اولیا کے سوانح بھی ہیں اور آمرائے مغلیہ کی فہرست بھی دی گئی ہے ۔ چمن چہارم میں شاہان ایران و سلطنت انگلشیۂ ہند کا بیان ہے ۔ کتاب اگرچہ کافی ضخیم ہے اور مضامین کے اعتبار سے کافی متنوع ہے لیکن سب کچھ سرسری اور سطحی ہے ۔ زبان بھی ناصاف ہے اور مشکل ۔ پنجاب پبلک لائبریری میں ایک نسخہ محفوظ ہے ۔

(۶) **عمارات الاکبر** : (۱۲۲۵ھ) منشی چھتر مل ۔ اس میں اکبر آباد (آگرہ) کی عمارتوں کا حال ہے ۔ منشی چھترمل نے 'دیوان پسند' کے نام سے ایک عمدہ کتاب سیاق پر لکھی ہے ۔

(۷) **شیر و شکر**[۱] (۱۲۲۸ھ) منشی دیا رام در ولد نراین پنڈت ۔ مصنف نے شیخ غلام حیدر نامی ایک استاد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر الور میں اپنے بھائی نند رام پنڈت کے پاس چلا گیا جو راجا کا ملازم تھا ۔ وہاں تھوڑا عرصہ مقیم رہنے کے بعد وہ دہلی چلا آیا اور مہاراجا رنجیت سنگھ کے پاس ملازم ہو گیا ۔ مہاراجا نے اسے دیوان گنگارام کے ماتحتوں میں شامل کر دیا جو اس وقت ایک با اثر و رسوخ عہدہ دار تھا ۔

'شیرو شکر' ۱۲۲۸ء میں مرتب ہوئی جب کہ مصنف دیوان گنگارام کے ساتھ حملہ و تسخیر پنچھ میں شامل ہوا ۔ یہ سکھوں کی مختصر سی تاریخ ہے اور زیادہ تر مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد حکومت سے متعلق ہے ۔ اس رسالے میں عہد رنجیتی کے بعض اکابر

۱۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا قلمی نسخہ پیش نظر تھا ۔

و علما کے حالات بھی ھیں ۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی خصوصیت نہیں ۔

منشی دیا رام کا ایک دیوان بھی ھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ دونوں کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ھیں ۔

(۸) خلاصۃالتواریخ[۱]: (۱۲۲۷ھ) } مہاراجا کلیان سنگھ ۔ حال آگے آتا ھے۔
(۹) واردات قاسمی : }

(۱۰) منتخب‌التواریخ[۲] : (۱۲۳۳ھ) سدا سکھ نیاز

(۱۱) تنقیح‌الاخبار[۳]: (۱۲۳۷ھ) منو لال فلسفی

(۱۲) امیر نامہ[۴] : (۱۲۴۰ھ) بساون لال شاداں

(۱۳) اشرف التواریخ[۵]: (۱۲۴۱ھ) کشن دیال۔ یہ ھندستان کی عمومی تاریخ ھے ۔ راجا چندو لال حیدر آبادی کی خاطر لکھی گئی ۔

(۱۴) وقائع شورش افغانیہ[۶]: (۱۲۳۷ھ) برج نراین خیال ۔ یہ حیدرآباد میں مہدوی افغانوں کی شورش کا حال ھے ۔

(۱۵) مجموعۂ فیض و گل بیخزاں[۷]: (۱۲۴۱ھ) سندر لال کایستھ ۔ کول اور مضافات کا تاریخی حال ھے ۔

(۱۶) فرح بخش جاں[۸] (۱۲۴۴ھ) رائے شو پرشاد ۔ یہ نرسنگھ چرتر کا ترجمہ ھے ۔ نرسنگھ ابوالفضل کا قاتل تھا ۔

---

۱ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۸۳ ، ۳۱۳ ۔
۲ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۱۹ : ایلیٹ جلد ۸ ، صفحہ ۴۰۳۔
۳ ۔ یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ ھے ۔
۴ ۔ ریو ۔ جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ ۔
۵ ۔ ایلیٹ ، جلد ۸ ، صفحہ ۴۱۱ ۔
۶ ۔ نسخہ یونیورسٹی لائبریری ۔
۷ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۵۰ ۔
۸ ۔ انڈیا آفس فہرست ، عدد ۴۸۳ ۔

(۱۷) **تاریخ ہزارہ**[1]: (۱۸۱۹ع تا ۱۸۴۹ع) منشی مہتاب سنگھ کایستھ ۔

(۱۸) **یادگار بہادری**[2]: (۱۲۴۹ھ) بہادر سنگھ ولد ہزاری مل کایستھ ساکن شاہ جہاں آباد ۔

(۱۹) **احوال شہر اکبرآباد**[3]: (۱۸۲۶ع) مانک چند ۔ یہ انعامی کتاب ہے ۔ جیمز نشنگٹن کے کہنے سے لکھی گئی ۔

(۲۰) **احوال عمارات مستقرالخلافہ**[3]: (۱۸۲۶ع) سیل چند ۔

(۲۱) **نصرت و ظفر بھرت پور**[5] : (۱۸۲۶ع) شنکر ناتھ نادر ۔ راجا بلونت سنگھ کی تخت نشینی کا حال ہے ۔

(۲۲) **تواریخ سورت**[6] : (بعد از ۱۸۲۳ع) رنچھورجی ۔

(۲۳) **راجپوتان بنارس**[7] : (۱۲۶۰ھ) چونی لال ۔

(۲۴) **عجائب الہند**[8] : (بعد از ۱۲۳۳ھ) سداسکھ نیاز ۔

(۲۵) **تواریخ جموں**[9] یا راج درشنی: (۱۲۶۳ھ)گنیش داس بدھرہ قانون گو ۔ راجگان جموں کی پوری تاریخ ہے ۔

---

۱ ۔ انڈیا آفس فہرست ، عدد ۵۰۶ ۔

۲ ۔ ابلیٹ ، جلد ۸ ، صفحہ ۳۱ے ۔

۳ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۵۸ : انڈیا آفس فہرست ۔ عدد ۳۱ے ۔ نشنگٹن ۱۸۲۶ع میں آگرے کے مجسٹریٹ تھے ۔

۴ ۔ قلمی نسخہ پروفیسر شیرانی صاحب ۔ معارف ۱۹۱۸ع ۔

۵ ۔ نسخۂ یونیورسٹی لائبریری ۔ مصنف کے حالات کے لیے دیکھو تذکرۂ خوشنویسان صفحہ ۱۲۲: آثار الصنادیدصفحہ ۲۵۵ ۔

۶ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۳۱ ۔

۷ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۳۲ (۱۰) ۔

۸ ۔ ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۰ (۶) ۔

۹ ۔ انڈیا آفس فہرست ، عدد ۵۰۷ : ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۵۲ ، ۹۵۵ ۔

(۲۶) **صاحب نامہ یا صاحب نما** : اسی مصنف کی کتاب ہے ۔ نظر سے نہیں گزری لیکن مشہور کتاب ہے ۔ اس میں پنجاب کی مفصل تاریخ ہے اور خاص کر راجا رنجیت سنگھ کا ذکر مبسوط ہے ۔ 'منشآت منشی' بھی اسی گنیش داس کی تصنیف ہے ۔

(۲۷) **نظارۃ السندھ**[1] : (۱۸۵۸ع) بشن نراین ۔ اصل کتاب انگریزی میں پوسٹن صاحب نے لکھی تھی جس میں سندھ کے حالات و مشاہدات درج کیے ہیں ۔

(۲۸) **ظفر نامۂ رنجیت سنگھ**[2] : (۱۸۳۶ع و ما بعد) امر ناتھ اکبری ۔

(۲۹) **مجمع التواریخ**[3] : (۱۲۵۱ھ) بیربل پنڈت معروف بہ کاچر۔

(۳۰) **عمدۃ التواریخ** : (قبل از ۱۸۵۲ع) منشی سوھن لال۔

(۳۱) **تحفۂ الہند**[4] : (۹۱ صدی عیسوی) بھولا ناتھ کھتری ملتانی ولد رائے دین دیال منشی ساکن شاہ جہاں آباد ۔

(۳۲) **ظفر نامہ رنجیت سنگھ**: (نزد ۱۲۹۰ھ) کنھیا لال ھندی ۔

(۳۳) **سلطان التواریخ**[5] : (۱۲۵۸ھ) رتن سنگھ زخمی ۔ شاھان اودھ کے حالات (از آغاز تا ۱۲۵۸ھ) ۔

(۳۴) **گلاب نامہ**: (نزد ۱۸۵۷ع) دیوان کرپا رام ۔

(۳۵) **گلزار کشمیر** : (۱۸۵۷ع) ایضاً ۔

---

۱ - ایشیاٹک سوسایٹی بنگال ایوناف کیٹالاگ عدد ۱۸۶ ۔

۲ - یونیورسٹی لائبریری کا قلمی نسخہ اور مطبوعہ ایڈیشن از پروفیسر سیتا رام کوھلی ۔

۳ - قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری ۔

۴ - قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری ۔

۵ - ریو ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۶۲ ۔

(۳۶) **مہاتمئی کشمیر منڈل**[1]: (۱۹۱۳ع سموت) گلاب رام زتو ۔ یہ کشمیر کی ایک بے ربط سی تاریخ ہے ۔

(۳۷) **کشمیر نامہ** (۱۸۳۵ع) گنیش لال ۔ یہ لارڈ ہارڈنگ کا سفرنامۂ کشمیر ہے جو گنیش لال منشی نے مرتب کیا ۔

(۳۸) **کشمیر نامہ**[۲]: (انیسویں صدی) کرنل مہان سنگھ نے رنجیت سنگھ کے عہد میں آئین اکبری کے انداز پر لکھا ۔ مصنف کشمیر کے گورنروں میں سے تھا........ ....اس کا صرف ایک قلمی نسخہ (جو غالباً خود نوشت ہے) کپور تھلہ لائبریری میں محفوظ ہے ۔

تاریخی کتابوں کی اس مفصل فہرست کے بعد اب ہم بعض نامور مؤرخوں کا ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں :

مہاراجا کلیان سنگھ

انتظام‌الملک ، انتظام‌الدولہ ، مہاراجا کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ ، رائے ہمت سنگھ کایستھ دھلوی کا پوتا تھا ۔ اس کا باپ شتاب رائے بنگالے کا ناظم تھا ۔ (۱۱۸۷ھ) کلیان سنگھ اپنے باپ کے بعد بنگالے کی نظامت پر متمکن ہوا (مل تاریخ ہند ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۶۵) ۔ ہمارا مصنف اس کے اپنے بیان کے مطابق پہلا ہندوستانی تھا جس نے انگریزوں کی ملازمت قبول کی ۔ وارن ہیسٹنگز نے اس پر چونتیس لاکھ روپیہ ٹیکس عائد کیا جس سے وہ تباہ و برباد ہوگیا ۔ اس کے بعد وہ کلکتے میں چوبیس سال تک کس مپرسی کے عالم میں وقت بسری کرتا رہا ۔ طویل علالت نے اس کی بینائی کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا جس سے وہ ۱۲۱۸ھ میں پھر

---

۱ ۔ قلمی نسخہ پروفیسر شیرانی صاحب ۔

۲ ۔ کپورتھلہ لائبریری کیٹالاگ از پروفیسر مترا ، عدد ۲۰ ۔

بہرہ اندوز ہو گیا ۔ اس کے بعد پٹنے میں قیام پزیر ہونے کی پھر اجازت مل گئی ۔ مسٹر ابراھم ولانڈ نے اس سے درخواست کی کہ آپ ناظان بنگالہ کی ایک تاریخ مرتب کریں ۔ چونکہ مصنف نیم بینا تھا اس لیے وہ کتابوں سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا ۔ لیکن حافظے سے کام لیتے ہوئے اس نے تاریخ لکھوا دی ۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے کا نام 'خلاصۃ التواریخ' اور دوسرے کا نام 'واردات قاسمی' ہے ۔

حصۂ اول میں مغل بادشاہوں کا تذکرہ ہے ۔ اورنگ زیب سے لے کر اکبر ثانی تک حالات تفصیلی ہیں ۔ واردات قاسمی خاص طور پر ناظان بنگالہ سے بحث کرتی ہے ۔ یہ میر قاسم خان کی نظامت سے لے کر اپنی معزولی کے وقت تک کی تاریخ ہے ۔ یہ کتاب اس عہد کے اہم حالات سے مفصل بحث کرتی ہے ۔

سدا سکھ نیاز

'منتخب التواریخ' ہندوستان کی مفصل و مشرح عمومی تاریخ ہے جو ۱۲۳۳ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ سدا سکھ نیاز دھلی میں پیدا ہوا اور الہ آباد میں وفات پائی ۔ سرکار انگریزی کا ملازم تھا ۔ چھپن برس کی عمر میں الہ آباد آیا، وھاں ھی یہ تاریخ لکھنی شروع کی۔ دس سال تک علمی کاموں میں مصروف رھا ۔کہتے ھیں اس نے اس عرصے میں ۱۲۵۰۰ اشعار اور ۵۰۰۰ صفحے نثر میں لکھے۔ منتخب التواریخ اس کی قابل ذکر کتاب ہے ۔

یہ کتاب دو قصروں پر مشتمل ہے ۔ ھر قصر کئی ایوانوں اور محلوں میں منقسم ہے ۔ غزنوی حکومت سے شروع کرتا ہے ۔ کتاب کا اہم حصہ وہ ہے جس میں اپنی معلومات کی بنا پر حالات کو قلمبند کرتا ہے ۔ آخری مغلوں کی مالی فہرستیں اور بعض جغرافیائی تفاصیل قابل ذکر ھیں ۔

نیاز تاریخ فرشتہ کی مذمت کرتا ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ قبل از اسلام کے ہندو عہد کے بارے میں اس نے تفحص سے کام نہیں لیا لیکن خود اس کی نہ صرف پیروی کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اس کے بیانات کو حرف بہ حرف نقل کرتا ہے ۔

اس کا خاص انداز یہ ہے کہ وہ حکایات و قصص سے واقعات کو زیب دیتا ہے ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ''میں نے دوسرے مصنفین کی طرح بے جا مداحی اور بے جا مذمت کا طریق نہیں اختیار کیا بلکہ صحیح تاریخ نویسی میرا مقصود و منتہا ہے ۔ میں صلہ و ستایش کی غرض سے نہیں بلکہ نام نیک کی خاطر سب کچھ کر رہا ہوں ۔'' اس بلند دعوے کے باوجود وہ برٹش کی مدح میں بہت سے صفحے صرف کرتا ہے ۔ اور ان کے نظم و نسق کی مبالغہ آمیز تعریف کرتا ہے ۔ ایلیٹ نے اس کتاب کی بہت مدح سرائی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے انگریزوں کی حکومت کی ستایش اور مسلم حکومت کی قدح و مذمت میں بہت زور قلم صرف کیا ہے ۔

کتاب کا بہت سا حصہ ایلیٹ صاحب نے بصورت ترجمہ اپنی تاریخ میں شامل کیا ہے ۔

منو لال فلسفی

مصنف تنقیح الاخبار (۱۲۳۷ھ) کا سلسلۂ نسب رائے رگھناتھ شاہجہانی تک پہنچتا ہے ۔ اس کتاب میں شاہان تیموری شاہان ایران و بابل ، شام و مصر اور بادشاہان فرنگستان کی فہرست بقید سنین دی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ مصنف کے ذاتی حالات بھی ملتے ہیں ۔ فلسفی کے بیٹے کندن لال اشکی نے باپ کی وفات کے بعد اس کو مرتب کیا تھا ۔ یہ باپ بیٹے دونوں اس عہد کے بہترین مصنفین میں سے ہیں ۔ اشکی کا ذکر آگے آئے گا ۔

بساون لال شادان

'امیر نامہ' امیر الدولہ محمد امیر خان والئ ٹونک کی تاریخ ہے جو منشی بساون لال ولد تن سکھ رائے کایستھ نے ۱۲۴۰ھ میں

مرتب کی تھی - شادان امیر خان کی شجاعانہ سرگرمیوں میں اس کے ساتھ تھا ، اسی لیے کتاب میں چشم دید حالات بہت ہیں - کتاب کے چار باب ہیں جن میں اصل موضوع کے ساتھ ہم عصر امرا اور دیگر قابل ذکر لوگوں کے حالات بھی دیے گئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو اہم سمجھا جاتا ہے - لکھنے کا انداز منشیانہ ہے - نثر کے ساتھ اشعار بھی لاتا ہے - امیر نامے کا ترجمہ ایچ - ٹی پرنسپ صاحب نے انگریزی میں کیا تھا جو ۱۸۳۲ع میں بمقام کلکتہ طبع ہوا -

منشی سیل چند

اس کتاب کا نام تفریح العمارات ہے - بعض لوگوں نے تعریف العمارات بھی لکھا ہے - یہ بھی احوال اکبر آباد کی طرح تشنگٹن کے اعلان انعام کے جواب میں لکھی گئی تھی - غالباً اپنی قسم کے مضامین میں یہ سب سے اعلیٰ مانی گئی ہوگی ، کیونکہ اس کی شہرت بہت عام ہے اور اس نے عمارات و مزارات ، مساجد و باغات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ساتھ ساتھ ان عمارتوں کے بانیوں کے حالات زندگی بھی اچھے انداز میں دیے ہیں - چنانچہ ہم نے راجا ٹوڈرمل اور چندر بھان برہمن کا عمدہ حال بھی اسی سے لیا ہے - استاد محترم شیرانی صاحب کے پاس جو قلمی نسخہ ہے اس میں تصاویر بھی ہیں -

امرناتھ اکبری

'ظفر نامۂ اکبری' مہاراجا رنجیت سنگھ کی تاریخ ہے - دیوان امرناتھ بخت مل کا پوتا تھا - لاہور کے مشہور صاحب ثروت بزرگ راجا نریندرا ناتھ انھی کی اولاد میں سے ہیں - اس نے مولوی احمد بخش چشتی سے تعلیم حاصل کی - گیارہ سال کی عمر تھی کہ لاہور کے باغات پر ایک کتاب موسوم بہ 'روضۃ الازہار'

لکھی - ظفر نامہ ۱۸۳۲ع میں رنجیت سنگھ کے حکم سے لکھا گیا - پروفیسر سیتا رام کوھلی نے چند برس ھوئے طبع کرایا ہے جس کے شروع میں ایک لمبا چوڑا دیباچہ بھی لگایا ہے - وھاں مصنف کے پورے حالات زندگی اور کتاب پر مفصل ریویو درج ہے - ہم یہاں مختصر اشارات پر اکتفا کرتے ھیں جو زیادہ‌تر کوھلی صاحب کے دیباچے پر مبنی ھیں -

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے - پہلا حصہ کتاب کا ضروری حصہ ہے - اس میں مہاراجا کی لائف ۱۸۹۳ سمت (۱۸۳۶ع) تک دی گئی ہے - دوسرے حصے میں باغات لاھور کا تذکرہ ہے - تیسرے حصے میں ایک نظم ہے جو مرزا اکرم بیگ اور جرنیل الٰہی بخش کی زندگی سے متعلق ہے - چوتھے حصے میں ایک اخلاق نظم ہے

ظفر نامہ عہد رنجیتی کی تاریخوں میں خاص منزلت اور پایہ رکھتا ہے اور تاریخ پنجاب بوٹے شاہ اور سوھن لال کی کتابوں سے کیا بہ اعتبار عام دلاویزی کے اور کیا بہ اعتبار صحت و ثقاہت بہتر ہے - مگر افسوس کا مقام ہے کہ تاریخ مکمل نہیں -

ظفر نامے سے معلوم ھوتا ہے کہ امرناتھ عربی اور فارسی کا اچھا خاصا ماھر تھا - وہ عربی کی لمبی لمبی عبارتیں لاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات سے بھی اپنی نثر کو زینت دیتا ہے - نثر کے ٹکڑوں میں مناسب اور موزوں اشعار کو اس طریق سے کھپاتا ہے کہ کلام کا لطف زیادہ ھو جاتا ہے - لیکن جہاں تک زبان کا تعلق ہے اکثر بے محاورہ فارسی لکھتا ہے اور کتاب کے شروع سے لے کر آخر تک بعض گھڑی ھوئی ترکیبیں نظر آتی ھیں جنھیں بار بار دھراتا چلا جاتا ہے - آمد کی بجائے آورد اور بے ساختہ پن کی بجائے تکلف نمایاں ہے - نیز فارسی میں 'پنجابی' آمیزش بھی دکھائی دے رھی ہے - پٹیالوی کو پٹیالیہ اور اسی طرح دوآبیہ

اور رام گڑھیہ جیسے الفاظ جا بجا نظر آ رہے ہیں - اچکن ، آچکہ ، سورھنگ ، مائی اور ماتا اور اس طرح کے بے شمار ہندی یا اردو الفاظ کا استعمال کرتا ہے -

منشی سوھن لال مصنف عمدۃالتواریخ

لالہ سوھن لال سوری کا دادا لالہ حکومت رائے سوری ، مہاراجا رنجیت سنگھ کا وکیل تھا - خود لالہ سوھن لال اور اس کے باپ نے اسی حیثیت سے دربار میں مدت تک کام کیا -

۱۸۳۱ع میں کیپٹن ویڈ پولیٹیکل ایجنٹ لدھیانہ نے فقیر عزیزالدین کی زبانی اس کتاب کا حال سنا ، پھر مہاراجا نے خود بھی اس کی تعریف سنی تو بہت خوش ہوا اور بطور صلہ مصنف کو انعام دیا -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمدۃالتواریخ ۱۸۱۲ع سے پہلے شروع نہ ہوئی تھی - کتاب کے چار دفتر ہیں -

پہلے دفتر میں سکھ مذھب کے آغاز سے مہاراجا رنجیت سنگھ کی تخت نشینی تک کا حال ہے - اس حصے میں آخری مغل بادشاہوں اور پنجاب کے گورنروں کا بھی ذکر ہے -

آخری تین دفتروں میں مہاراجا رنجیت سنگھ اور اس کے دو جانشینوں کے مفصل حالات ہیں - کتاب کی ابتدا گورو نانک کی لائف اور ان کی تعلیمات سے ہوتی ہے پھر باقی گورووں کا تذکرہ ہے -

عمدۃالتواریخ سوھن لال کے مشاہدات کا خلاصہ ہے - نیز ان واقعات پر بھی مشتمل ہے جو سوھن لال کے باپ نے لکھے تھے - اس کے علاوہ مذھب اور سکھوں کی ایسی تاریخ ہے جو زیادہ تر سکھ نقطۂ نگاہ کے مطابق لکھی گئی ہے -

مرے اور ویڈ صاحبان نے رنجیت سنگھ کی لائف کے سلسلے میں اس کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے - سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاھور

و تاریخ پنجاب اپنے ایک خط میں جو سوہن لال کے بیٹے کے نام تھا ، اس کتاب کی بے حد تعریف کرتے ہیں ۔

کپتان ویڈ کی اس کے متعلق یہ رائے ہے کہ : ''سنین اور تاریخوں کے اعتبار سے نیز اس زمانے کے عینی مشاهدات کو صحت و درستی کے ساتھ ضبط کرنے کے اعتبار سے نیز اس لحاظ سے کہ اس میں اکثر واقعات کا دوسری تاریخوں کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے ، میں سکھوں میں اپنے سترہ سالہ قیام کے تجربات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی سچی اور صحیح سوانح عمری ہے ۔''

غلام محی الدین بوٹے شاہ کی تاریخ پنجاب زیادہ وسیع پیمانے پر لکھی گئی ہے اور بہ اعتبار درستی اور صحت بھی اس کتاب سے کم نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ سوہن لال کو بہ حیثیت وکیل دربار حالات گرد و پیش سے اوروں کی نسبت زیادہ واقفیت ہونی چاہیے ۔

انشا پرداز کی حیثیت سے مصنف کا درجہ چنداں بلند نہیں ۔ اس کی نثر صاف اور واضح ہوتی ہے لیکن مشکل پسندی کے مرض میں مبتلا ہے ۔ نیز اس میں 'پنجابی' اثرات بہت نمایاں ہیں ۔ 'فارسی پنجابی' ترکیبیں بہت عام ہیں مثلاً کنٹھہ مروارید ، فرستادن ہنڈویات ، چند جوڑی کڑہ ہا ، پچکاری‌ہاے طلا، بازو بند و پونچیاں مرصع ، ڈیرۂ سرکار عالی ، تھان ہاے پوربی ، دیوڑھی سرکار والا ، تھان ہاے کھیس ، بگی ہاے طلائی ، صاحب سنگھ گجراتیہ ، نظام‌الدین افغان قصوریہ وغیرہ ۔

کنھیا لال ہندی

مصنف ظفر نامۂ رنجیت سنگھ (نمبر ۳۲) یہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی منظوم تاریخ ہے مگر چنداں اہم نہیں ۔ کنھیا لال ہندی بہت طومار نویس تھا ۔ اس نے بے شمار کتابیں لکھیں ۔ وہ فارسی کے

علاوہ انگریزی سے بھی واقف تھا اور انگریزی زمانے میں پنجاب کا پہلا انجنیر تھا اور آخر ایگزکٹو انجنیر ہو کر رائے بہادر ہوا ۔ اس نے اُردو اور انگریزی میں بھی کتابیں لکھی ھیں ۔ اس کی بعض تصانیف کے نام یہ ھیں :

یادگار ہندی	نبیوں اور اوتاروں کا تذکرہ
بندگی نامہ	'نام حق' کی طرز پر ایک اخلاق نظم
نگاریں نامہ	قصہ ہیر و رانجھا
مخزن التوحید	ہندی کا فارسی دیوان
گلزار ہندی	اخلاق کتاب

اُردو میں اخلاق ہندی ، مناجات ہندی ، تاریخ پنجاب ، تاریخ لاہور ، ارمغان ، رسالہ علم حساب ۔

کنہیا لال کی کتابوں میں جدید خیالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ مذہبی بے تعصبی پر جا بجا وعظ کہتا ہے ۔ پیغمبر اسلام (علیہ الصلوۃ والسلام) کا ذکر بہت عقیدت مندی کے ساتھ کرتا ہے۔ وحدت الوجود کا قائل ہے اور انگریزوں کے اثر صحبت سے تعدد ازدواج کی مذمت کرتا ہے ۔

ہندی جتنا پرگو ہے اس قدر اس کی کتابیں عمق اور متانت ، تحقیق و تنقید سے خالی ھیں ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ وسیع لٹریچر اس کی وسعت معلومات اور تنوع پسندی پر دلالت کرتا ہے ۔

دیوان کرپا رام

مصنف گلاب نامہ (نمبر ۳۴) اس کتاب میں مہاراجا گلاب سنگھ اور اس کے آبا و اجداد کے حالات ھیں ۔ دیوان کرپا رام مہاراجا رنبیر سنگھ کا وزیر تھا ۔ اس کا بیٹا اننت رام بھی فارسی کا ماہر تھا ۔ گلاب نامہ راجا رنبیر سنگھ والیٔ کشمیر کی فرمایش سے لکھا گیا ۔ دیوان کرپا رام نے اس تاریخ کے علاوہ 'مدینۃالتحقیق'

کے نام سے ایک کتاب ہندو مذہب کی حمایت میں لکھی ہے ۔ مصنف سکھوں کے عہد کا بہترین نثر نگار ہے ۔ اس کی زبان صاف اور شستہ اور بہت حد تک بے عیب ہے ۔ زبان پر قدرت ہے اور مشکل نگاری کے نقص سے بھی بہت حد تک پاک معلوم ہوتا ہے ۔

گلزار کشمیر (نمبر ۳۵) بھی اس مصنف کی کتاب ہے جو پنجاب کے ایک جوڈیشل کمشنر کی فرمایش پر لکھی گئی اور کشمیر کے ذخائر قدرتی ، صنائع ، پیداوار اور دیگر عجائبات کے حال پر مشتمل ہے ۔ کتاب کے چھے 'گلبن' ہیں ۔ صوبے داران کشمیر کے حالات مختصر ہیں مگر دیگر اوضاع و اطوار زندگی پر اچھی روشنی ڈالتا ہے ۔ یہ کتاب اس دور کی بہت اچھی کتابوں میں شمار کرنے کے قابل ہے ۔

مؤرخین اور کتب تاریخ کا تبصرہ ہو چکا ، اب سوانح ، قصص ، اور دیگر فنون کے مصنفین کی خالی خولی فہرست دی جاتی ہے ۔ ان کے بارے میں ہم نے زیادہ تفصیل سے قطع نظر کیا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ، اس دور کی تصانیف میں وہ بلند پایہ کتابیں موجود نہیں جو اس سے پہلے ادوار میں ہم نے دیکھی ہیں ۔ با ایں ہمہ ضرورتاً کہیں کہیں تشریحی نوٹ دے دیے گئے ہیں ۔

سوانح

(۱) **حقیقتہائے بے خود:** رام سیتا سنگھ نکرت (قاموس المشاہیر ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۵۳) نے اپنے پیر و مرشد منشی سیتل سنگھ بیخود کی لائف لکھی ہے ۔ یہ کتاب ۱۸۳۸ع میں بمقام لکھنؤ طبع ہوئی ۔

(۲) **وقائع معین الدین چشتی:** (۱۸۷۹ع) بابو لال ابن منشی کشوری لال منصف درجۂ اول الہ آباد ۔ اپنے استاد مولوی عظمت علی کی فرمایش پر لکھی ۔

(۳) **انیس العاشقین**[1] : (۱۲۳۵ھ) رتن سنگھ زخمی ۔ یہ فارسی شعرا کا تذکرہ ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے ۔ پہلا حصہ ضیائی پر ختم ہوتا ہے ۔ اسا حروف تہجی کے اعتبار سے ہیں ۔ حالات نہایت مختصر ہیں ؛ بعض اوقات ایک دو سطر پر اکتفا کی گئی ۔ نمونۂ کلام بھی تھوڑا دیا گیا ہے ۔ دیباچے میں نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کی مدح کی گئی ہے ۔ شاعر نے اپنا ذکر چار صفحوں میں کیا ہے ۔

(۳) **تذکرۂ صوفیہ** : مصنفۂ اشکی (متوفی ۱۲۳۸ھ) اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے ۔

قصص

(۱) **عجیب القصص** : (انیسویں صدی عیسوی) بخت سنگھ ۔

(۲) **سنبلستان**: (قبل ۱۲۸۵ھ) ہرگوپال تفتہ کایستھ ۔ شاعر کا حال آیندہ اوراق میں آتا ہے ۔ یہ مجموعہ منظوم اخلاق حکایات پر مشتمل ہے ۔ 'اردوے معلیٰ'[2] غالب میں اس کا ذکر ہے ۔

(۳) **سداما چرتر**[3]: (انیسویں صدی عیسوی) جگن ناتھ سہائے۔ 'کرشنا ساگر' ہندی کتاب کا ترجمہ ہے ۔

(۳) **مخبر همت**: (انیسویں صدی عیسوی) جے گوپال ۔ شاہ یمن کا افسانہ نظم میں ۔

(۵) **دستور عشق**[3]: (انیسویں صدی عیسوی) جوت پرکاش ۔ سسی پنوں کا قصہ ہے ۔

---

۱ - قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری : اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۲۷ع صفحہ ۹۳ ۔

۲ - اُردوے معلیٰ (مبارک علی ایڈیشن) صفحہ ۲۹ ۔

۳ - فہرست کتب فارسی مطبوعۂ برٹش میوزیم ۔

۳ - سپرنگر ۔ صفحہ ۳۵۲ ۔

(۶) **جہان ظفر**: (انیسویں صدی عیسوی) مکھن لال ظفر۔ (کتب مطبوعۂ فارسی برٹش میوزیم) سنسکرت کتاب 'رام شمیدھ' کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس مصنف نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

(۷) **قصہ بہمن و مرزبان**: (انیسویں صدی عیسوی) حکم چند (برٹش میوزیم) مصنف گورمنٹ سکول دہلی میں ٹیچر تھا۔ ۱۲۶۵ھ میں طبع ہوئی۔

(۸) **قصہ کامروپ**[1]: کوڑا مل (متوفی ۱۸۳۸ع)

(۹) **شبستان عشرت**: (انیسویں صدی عیسوی) بخت سنگھ (معارف ۱۹۱۸ع) ملکۂ بدیع الجمال کا قصہ۔

مترجمات و کتب ہنود

(۱) **تنبیہ الغافلین**: (۱۲۳۳ھ) سدا سکھ نیاز (ریو، جلد ۳، صفحہ ۹۱۸) نے چار مقالات میں ہندوؤں کے مختلف فرقوں اور جاعتوں کا ذکر کیا ہے۔

(۲) **رام نامہ**: (انیسویں صدی عیسوی) منشی رام داس قابل خلف مصر بیلی رام: (نسخہ پبلک لائبریری لاہور)

(۳) **حدائق المعرفت**: (انیسویں صدی عیسوی) لکشمی نراین۔ (پبلک لائبریری لاہور) 'شنکر' کا ترجمہ ہے۔

(۴) **بھگت مالا**: (انیسوی صدی عیسوی) منشی نتھن لال بہجت۔ (پبلک لائبریری لاہور) بھگت مالا کا ترجمہ ہے۔

(۵) **ریاض المذاہب**[2]: (۱۲۲۸ھ) پنڈت متھرا ناتھ مالوی۔ اس کتاب میں ہندو فرقوں کا ذکر ہے۔ مصنف نے

۱ - سپرنگر صفحہ ۱۶۰۔
۲ - ریو، جلد ۱، صفحہ ۶۳

اس رسالے میں وہ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب باطل ہیں ، کیونکہ باوجودیکہ سب الہامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔

یہ رسالہ پہلے عربی میں اور پھر فارسی میں لکھا گیا ۔

(۱۰) تحفة‌الاسلام } نزد ۱۸۶۶ع (پبلک لائبریری لاہور) پاداش ا.لام } اندر من - یہ دونوں رسالے ہندو مذہب کی حمایت میں لکھے گئے ۔

(۱۱) مدینۂ التحقیق : (۱۹۳۲غ سموت) کرپا رام (یونیورسٹی لائبریری) 'تحفة‌الہند' کی تردید ہے ۔

(۱۲) تحقیق‌التناسخ : (۱۸۷۵ع) اننت رام (یونیورسٹی لائبریری) اس میں تناسخ کی حمایت کی گئی ہے - مصنف دیوان کرپا رام کا بیٹا تھا ۔

(۱۳) راماین منظوم: (انیسویں صدی عیسوی) منشی موہرسنگھ ۔ (یونیورسٹی لائبریری لاہور)

(۱۴) کاشی کنڈ : (انیسویں صدی عیسوی) پٹنی مل - (پبلک لائبریری لاہور) بنارس کے بعض فرقوں کا حال ہے ۔

(۱۵) بھگوت گیتا : (؟) کرشنا داس (برٹش میوزیم مطبوعات فارسی)

(۱۶) وثیقۂ یادگار فارسی: (انیسویں‌صدی عیسوی) منشی سانگ رام (پبلک لائبریری لاہور) پانچ بابوں میں بعض مذہبی مباحث پر یہ کتاب لکھی ۔

(۱۷) چشمۂ فیض : (انیسویں صدی عیسوی) گردھاری لال ۔

فنون و علوم طبعیه

(۱) زبدة‌الرمل : (انیسویں صدی عیسوی) امبا پرشاد (پبلک لائبریری لاہور)

(۲) **شرح گل کشتی**: (انیسویں صدی عیسوی) گوبند رام ۔ میر نجات کی گل کشتی کی شرح ہے ۔

(۳) **شرح گل کشتی**: (انیسویں صدی عیسوی) رتن سنگھ زخمی۔

(۴) **خزانۃ العلم**[1]: (۱۲۲۹ھ)کانجھی مل ۔ یہ ریاضی اور سیاق پر ایک عجیب و غریب تصنیف ہے جو فرانسس ہاکنس کے نام معنون کی گئی ہے ۔ اس میں ایک مقدمہ، دس باب اور ایک خاتمہ ہے ۔ انگریزی علمی اصطلاحات کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا ہے ۔ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف جدید علوم کا کافی ماہر تھا ۔ مدت تک یہ کتاب بطور نصاب زیر تعلیم رہی ہے ۔ ۱۸۳۷ء میں ڈاکٹر جے ۔ ٹی ۔ ٹیلر کی زیر نگرانی کلکتے میں طبع ہوئی ۔ یہ ریاضی اور ہندسہ اور دیگر علوم متعلقہ پر ایک مستند اور زبردست تصنیف ہے ۔ بلا شبہ خزانۃالعلم اپنے فن کی تمام کتابوں میں وقیع ترین مقام کی مستحق ہے جس میں جدید اور قدیم علوم کو تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔

(۵) **مرآۃ الخیال**[2]: رسالہ در حساب :(انیسویں‌صدی عیسوی) جے موہن لال کایستھ المتخلص بہ صادق ۔

(٦) **رسالۂ حساب**: (انیسویں صدی عیسوی) انند کاھن کایستھ ۔ کتاب میں چار باب ھیں ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ۔

(۷) **سراج‌السیاق**: (انیسویں‌صدی عیسوی) منشی میڈولال زار۔ (پبلک لائبریری لاہور ۔)

---

۱ ۔ انڈیا آفس کیٹالاگ ، عدد ۳ : ریاض الوفاق (سپرنگر ۱۷۰) معارف ۱۹۱۸ء ۔

۲ ۔ ریاض‌الوفاق ۔ (سپرنگر ۱۶۹)

(۸) **دیوان پسند**[۱]: (؟) منشی چھترمل۔ انتظام مالی و بندوبست ملکی کے متعلق ایک عمدہ رسالہ ہے جو 'چار دستور' میں منقسم ہے ۔ اسی مصنف نے تمکین کے خطوط کو گلدستۂ فیض کے نام سے شائع کیا ۔

(۹) **رسالۂ سیاق**: (انیسویں صدیعیسوی) جگپت رائے (آصفیہ لائبریری بحوالۂ معارف ۱۹۱۸ع)

(۱۰) **رسالۂ سیاق** : (انیسویں صدی عیسوی) مدن لال (آصفیہ لائبریری بحوالۂ معارف ۱۹۱۸ع)

ہیئت و نجوم

(۱) **جواہرالافلاک**[۲] : جواہر سنگھ (متوفی ۱۲٦۷ھ) ولد بختاور سنگھ راقم لکھنوی ۔ مصنف نے جو ناطق مکرانی کا شاگرد تھا ، جواہر ادراک کے نام سے ایک اور کتاب بھی لکھی اور اُردو و فارسی میں دو دیوان چھوڑے ۔

(۲) **حدائق‌النجوم**[۳]: (۱۲۵۳ھ) رتن سنگھ زخمی۔ محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کی فرمایش پر لکھی۔ اس کے چھپن اجزا ہیں۔ یہ اس فن کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے ۔ انگریزی کتابوں سے بھی فائدہ اُٹھایا گیا ہے ۔

(۳) **کاشف‌الدقائق** : (۱۹ صع) کیول رام کول ۔

(۴) **خاص‌النجوم**[۴]: (۱۹ صع) خوش وقت رائے ولد بھوپت رائے ۔

---

۱ ۔ معارف ۱۹۱۸ع ، ریو : جلد ۳ ، صفحہ ۹۹۰ وغیرہ ۔
۲ ۔ روز روشن ، صفحہ ۱۵۸ : قاموس المشاہیر ، جلد ۱ ۔
۳ ۔ معارف ۱۹۱۸ع ۔
۴ ۔ ایضاً ۔

(۵) **سالہ نجوم**[1] : (۱۹ص ع) بیربل ۔
(٦) **مفتاح الناظرین**[2] : (۱۹ ص ع) رام پرشاد ۔
(۷) **زیج اشکی** : (۱۹ ص ع) کندن لال اشکی ۔

طب

(۱) **معیارالامراض**[3] : (۱۲۷۳ھ) رام پرشاد ولد گنگا پرشاد جو پٹنے میں کمپنی کے زمانے میں صدر امین تھا ۔
(۲) **مفردات طب** : (۱۲۳۸ھ) منولال فلسفی ۔
(۳) **مجربات تمکین**[4] : (۱۹ ص ع) بجھو لال تمکین ۔ مصنف قاضی اختر کا ہم‌عصر تھا ۔
(۴) **کحل الابصار** : (۱۹ ص ع) پنڈت لال چند ۔
(۵) **پاکا ھوے کالی** : (۱۹ ص ع) مترجمۂ دیا ناتھ ۔
(٦) **ضروری الطب** : (۱۹ ص ع) منشی مہتاب نراین ۔

خوش خطی

تعلیم‌المبتدی[5] : ۔ جگت نراین (متوفی ۱۲۱۲ھ) ۔

موسیقی

دیو راج ساگرا (انیسویں صدی عیسوی) کرشنا نند کایستھ (برٹش میوزیم کتب مطبوعہ)

انشا

شمع شبستان: (۱۲۱۳ھ) درگا پرشاد عاشق ۔ (پبلک لائبریری) (شبستان نکات کی شرح ہے ۔)

---

۱ ۔ معارف ۱۹۱۸ع ۔ ۲ ۔ ایضاً ۔ ۳ ۔ ایضاً ۔
۴ ۔ اکثر کتابوں کا ذکر معارف ۱۹۱۸ع سے لیا گیا ہے ۔
۵ ۔ روز روشن ، صفحہ ۱۳۵ ۔

(۲) تضمین گلستان : ہر گوپال تفتہ (یونیورسٹی لائبریری) اپنے بیٹے ہیتم بر کی یاد میں لکھی -

(۳) انشاے دل پسند: (۱۲۲۷ھ)سیتل داس سیٹھی (یونیورسٹی لائبریری) ، کتاب کے آٹھ باب ھیں -

(۴) منشآت مہنگو لال : (۱۲۵۰ھ تا ۱۲۵۴ھ) منشی مہنگو لال ساکن بانس بریلی (یونیورسٹی لائبریری) - دو حصے ھیں ایک کا نام 'مختصر منتظمی' اور دوسرے کا نام 'نوادر منتظمی' ہے -

(۵) خیالات شیدا : (۱۲۴۸ھ) پنڈت امرناتھ شیدا (پبلک لائبریری لاھور) فلسفیانہ مسائل پر بحث کی گئی ہے -

(۶) مفیدالانشا : (۱۲۲۳ھ) پنڈت لچھمی نراین (یونیورسٹی لائبریری قلمی نسخہ) کتاب کی دو فصلیں ھیں -

(۷) خیالات ضائع: (مطبوعہ ۱۸۵۳ع) چرنجی لال ضائع (پبلک لائبریری) چند مضامین متعلقۂ مطالعۂ نیچر کا مجموعہ ہے -

(۸) انشاء فیض پیرا: (۱۷۵۳ع - ۱۷۷۵ع) منشی ھر سہائے قانون گو (فہرست کتب خانۂ نولکشور) شجاع الدولہ کے عہد میں لکھی گئی -

(۹) منشی بھاگ چند کے مکاتیب : (نزد ۱۲۶۰ھ) (فہرست کتب خانۂ نولکشور)

(۱۰) منشآت امرت لال : مطبوعہ ۱۸۹۱ع (فہرست کتب خانہ نول کشور)

(۱۱) منشآت کالی رائے تمیز : (نزد ۱۲۶۰ھ) ایضاً و پبلک لائبریری -

(۱۲) **رقعات فیض آگیں** : نند کشور۔ مطبوعۂ ۱۸۷۱ع (پبلک لائبریری)

(۱۳) **منشی ہرجس رائے کے مکتوبات** : (فہرست کتب خانۂ نولکشور)

(۱۴) **خیال بیخودی** : مضامین تصوف کا مجموعہ ۔ سیتل سنگھ بیخود ۔ (پبلک لائبریری)

(۱۵) **گنجینۂ خیال**[۱] : منشی خیالی رام خیالی ۔ احسان‌اللہ ممتاز کا شاگرد خاص تھا ۔ واجد علی شاہ کے ہاں ملازم تھا۔ اس کی تصانیف سو تک پہنچتی ہیں ۔

(۱۶) **رقعات نظامیہ** : لچھمی داس بن نراین داس (فہرست نولکشور)

(۱۷) **نادرالانشا** : کشن جی پنڈت ۔

(۱۸) **خیالات نادر** : (۱۲۹۷ھ) ہرنراین دھلوی (پبلک لائبریری)

(۱۹) **مرصع خورشید** : (۱۸۰۲ع) سدا سکھ بن بشن پرشاد (پبلک لائبریری)

(۲۰) **دستورالصبیان** : } نونده رائے ۔ یہ کتاب بہت مشہور ہے
(۲۱) **دستورالمکتوبات**: } اور مدت تک مکاتب میں زیر تعلیم رہی ۔ (یونیورسٹی لائبریری)

(۲۲) **انشاء بے نقاط** : (۱۲۹۳ھ) کالکا پرشاد نادان ۔ مولوی برہان الدین کا شاگرد تھا ۔ (پبلک لائبریری لاہور)

(۲۳) **انشاء دولت رائے** : منشی دولت رائے (پبلک لائبریری)

(۲۴) **منشآت ہیرا لال المعروف** : بہ انشائے لطیف

---

۱ - ایوناف فہرست ایشیاٹک سوسایٹی بنگال ضمیمہ ۲ ، عدد ۹۶۵ : سپرنگر ۲۶۲ یہ گنجینہ چار گز میں منقسم ہے ۔

لغت و صرف

(۱) **گنج اللغات :** گردھاری لال - (آصفیہ لائبریری بحوالہ معارف ۱۹۱۸ع)

(۲) **نصاب مثلث :** (قبل ۱۲۹۷ھ) گوبند رام - (یونیورسٹی لائبریری)

(۳) **کشف‌اللغات افغانیہ:** (متعلق پشتو) (۱۲٦۷ھ) نراین داس پشاوری - (یونیورسٹی لائبریری)

(۴) **غنچۂ بے خار** (صنائع و بدائع) گنیش داس لائق - (پبلک لائبریری)

(۵) **ھفت‌گل** :(۱۲۹۴ھ)منشی کامتاپرشادناداں(پبلک‌لائبریری)

(٦) **دریائے عقل :** گنگا پرشادبن دولت چند- مطبوعہ ۱۲۹۴ھ (پبلک لائبریری)

(۷) **بہار علوم :** (۱۲۸۵ھ) مینڈو لال زار- (پبلک لائبریری)

(۸) **رسالۂ ضمیر :** منشی ھیرا لال ضمیر - (فہرست ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، ضمیمہ ۲ ، عدد ۹۷۵) -

(۹) **جواھر منظومہ :** منشی دولت رائے -

(۱۰) **مفتاح‌الصفات :** رام نرائن - (پبلک لائبریری)

شعرا[۱]

ذوق رام حسرت[۲] ، متوطن شاہ جہان آباد - ایک عرصے تک شاہ جہان آباد میں مقیم رہا - دکن میں بھی گیا اور آخر کار

۱- ہم نے مرزا محمد حسن قتیل کو ہندو شعرا میں شمار نہیں کیا -

۲ - دیکھو انیس العاشقین (قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی) جلد ۱ ق ۱۴۵ : مخزن الغرائب (مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) سپرنگر صفحہ ۲۴۳ (بحوالہ عیارالشعرا و گلشن بے خار) مجموعۂ نغز (قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی) ق ۱۰۵- روز روشن ، صفحہ ۱۷۰ : تذکرہ کریم‌الدین صفحہ ۲۵۳ -

رام پور میں قیام کیا ، جہاں ۱۲۲۱ھ کے اواخر میں دنیا سے رخصت ہو گیا -

اس نے فارسی کے دو دیوان چھوڑے - اُردو میں بھی شعر لکھا کرتا تھا - انیس‌العاشقین کے مصنف کا بیان ہے کہ اس نے فارسی میں خاص سٹایل پیدا کیا - اس کا لب و لہجہ بہت صاف اور ایرانی تھا - مجموعۂ نغز میں لکھا ہے کہ حسرت محاورے کی بہت کم غلطی کیا کرتا تھا - کلام کا نمونہ یہ ہے :

حسرت آں عاشق و دیوانۂ مادر زادیم
کہ ز ما دست بہ طفلی پدر ما برداشت

چہ کنم ترک غمِ عشقِ بتاں کارم نیست
ور نہ آں‌نیست کہ‌از خواریٔ خود عارم‌نیست

دمے کہ آں مۂ بے‌مہر مہرباں باشد
دلم بخویش رقیبانہ بدگماں باشد

تا بعد مرگ هم نہ گزارد مرا بخویش
بر خاک من گزشت و عزا را بہانہ ساخت

منشی ہرگوپال تفتہ[۱] - کایستھ متوطن سکندرآباد ولد موتی‌لال ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوا - وفات ۱۲۸۵ھ - غالب کے شاگردان رشید میں سے تھا - پہلے پہل رامی تخلص اختیار کیا بعد ازاں 'تفتہ' اختیار کیا - حسین قلی خاں عشق‌کو نشتر عشق کے اثنائے ترتیب میں بہت مدد دی جس سے اس کی شاعرانہ قابلیت میں بہت اضافہ ہوا - مرزا غالب کے ساتھ عقیدت مندانہ تعلقات تھے جن کا

۱ - قاموس‌المشاہیر ، جلد ۱، صفحہ ۵۹ ؛- روز روشن ، صفحہ ۲۳۶ (دیکھو رامی) خمخانۂ جاوید ، جلد ۲، صفحہ ۱۱۵: یادگار غالب ، صفحہ ۷۵ - کلیات نثر غالب ، صفحہ ۸۳ - اُردوے معلٰی دیباچہ - آب حیات صفحہ ۵۰۸ -

حال رقعات غالب وغیرہ سے ملتا ہے ۔ تفتہ کے چار ضخیم دیوان ہیں اور تضمین گلستان بھی لکھی ہے البتہ اردو میں بہت کم اشعار کہے ۔

راجا رتن سنگھ زخمی[1] ۔ فخرالدولہ منشی الممالک خطاب ۔ رائے بالک رام کایستھ کا بیٹا تھا ۔ اسلاف کئی پشتوں سے شاہان اودھ کی ملازمت میں تھے ۔ ایک کتاب سلطان التواریخ شاہان اودھ کے واقعات پر لکھی جو ۱۲۵۸ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ ایک دیوان بھی ہے جس میں غزلیات ، مخمسات اور رباعیات ہیں ۔ مخمسات بہت دلچسپ اور شیریں ہیں ۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :

نہ ہمیں حسرتے بما باقی ست
رفت جاں ہم صد بلا باقی ست
شب بسر شد بشکر آمدنش
می دمد صبح شکوہ ہا باقی ست

ناصحا می کنی عبث منعم
مضطرم ضبط گریہ دشوار ست
مرغ و ماہی بخواب رفت و ہنوز
ہمچناں زخمی تو بیدار ست

با من نشیں کہ خوف خدا خود بہانہ ایست
مے دہ کہ بیم روز جزا خود بہانہ ایست
خون من است ایں کہ نہاں می کند ز خلق
ہر لحظہ وصف رنگ حنا خود بہانہ ایست

---

۱ - ریو: جلد ۳ ، صفحہ ۹۶۲- انیس العاشقین (قلمی) جلد ۱ ، ق ۲۱۳- سپرنگر: صفحہ ۵۹۱ - اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۲۷ع -

زخمی بطرز تازه ام او می کشد کنون
ترک جفا بقصد وفا خود بهانه ایست

مانده باقی ز من و دل نفسے یا قسمت
نیست از حال من آگاہ کسے یا قسمت !
هم صفیران بشما باد مبارک گلزار
یاد تنهائی و کنج قفسے یا قسمت !

از شرم ۔ بسوئے من نمی دید
شاید از درد من خبر داشت

پئے شنیدن افسانه می روی بر غیر
بیا بیا که مرا نیز حسب حالے هست

وفا کردم خطائے من همیں بود
جفا کر دی سزائے من همیں بود

اندومن ولد لاله کیول رام کایستھ ۔ یه شاعر بصارت سے محروم تھا اور حسین قلی خاں عشق کا ذاتی دوست تھا جس نے اپنے تذکرۂ نشتر عشق[1] میں اس کے کافی حالات لکھے ھیں ۔ اس کے بعض اشعار عمده ھیں ۔ نمونۂ کلام یه ہے :

ز آهم برق و ابر از دود افغاں ، بارش از اشکم
بیا از ما تماشا کن بهار برشگالی را

اگرچه مصحف روئے تو زیبا با خط موزوں
ولے با چشم جادو آیت تسخیر هم دارد

---

۱ ۔ نشتر عشق (قلمی ، مملوکه پنجاب یونیورسٹی) جلد ۱ ، ق ۱٦۲ ۔

تو ہر جا کہ نہی آں کف پا گل خیزد
بر زمینے کہ فتد زلف تو سنبل خیزد
گر در آئی بچمن با قد بالا گل رو
سرو از پا فتد و نالہ ز بلبل خیزد

سرمہ بر چشم و حنا بر کف و صندل بہ جبیں
چشم بد دور چہ با نقش و نگار آمدۂ

ذکر رود گر از بلا ، زلف کشا کہ ہمچنیں
فتنہ بجوید ار کسے چشم نما کہ ہمچنیں
ہر کہ طلب کند نشاں ، چوں بشود قیامتے ؟
ناز کناں ز خانۂ خویش بر آ کہ ہمچنیں

صاحب رام خاموش ۔ کھتری متوطن بنارس ۔ پہلے پہل شاہ عالم کا ملازم تھا پھر انگریزوں کی ملازمت اختیار کر لی ۔ تاریخ مظفری کا مصنف شاعر اس کا دوست تھا ۔ اس کا بیان ہے کہ اس کی وفات ۱۲۲۵ھ میں واقع ہوئی ۔ پہلے پہل اس کا تخلص مجزون تھا ۔ خاموش ، علی حزیں کا شاگرد تھا ۔ اس کا ایک ضخیم دیوان ہے جس میں غزلیات ، قطعات ، رباعیات و قصائد موجود ہیں[1] ۔ اس کا یہ شعر بہت پسند کیا جاتا ہے ؎

غرض کردم ہمہ تقصیر من است بعد ازیں گو کہ چہ تدبیرمن است

منشی رامجس محیط لاہوری کھتری[2] ۔ بنارس میں ملازم تھا ۔ مصنف ریاض الوفاق کا دوست تھا ۔ بہت سی کتابیں لکھیں ۔ مثلاً

---

۱ ۔ نشتر عشق (قلمی) جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۱ ؛ انیس العاشقین (قلمی) جلد ۱ ، ق ۱۶۷ ؛ ریو : جلد ۲ ، صفحہ ۷۲۴ ؛ سپرنگر : صفحہ ۱۶۷ ؛ مخزن الغرائب (قلمی، مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) ۔
۲ ۔ ریاض الوفاق مست (سپرنگر : صفحہ ۱۷۱) ۔

(۱) محیط عشق ، (۲) محیط درد ، (۳) محیط غم، (۴) حسن و عشق، (۵) ایک اور مثنوی ۔ ان پانچوں مثنویوں کا نام 'خمسۂ عشقیہ' رکھا ۔ سنسکرت کتابوں کے ترجمے بھی کیے مثلاً محیط الحقائق ، محیط الاسرار ، گلشن معرفت ، محیط معرفت ، محیط اعظم ۔ اس نے انوار سہیلی کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا جس کا نام محیط دانش رکھا ۔

اب ہم اس عہد کے باقی شعرا[۱] کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے یہاں درج کرتے ہیں :

بابو رائے احقر ، پنڈت بینی رام احقر لکھنوی ، بلدیو پرشاد احقر ، رام دیال احقر ، لالہ کندن لال ارشاد ، لالہ کندن لال اشکی، منا سنگھ آشنا، منشی گرسہائے آشنا، دیوان امرناتھ اکبری، کالکا پرشاد انور ، لالہ جگن ناتھ انور بھاگپوری ، خیالی رام افسر اٹاوی ، پرشاد رائے عالم ، لالہ بیج ناتھ آنس ، لالہ کیرت سنگھ اسد ، راجا گردھاری پرشاد باقی ، پنڈت مت رام بیخود ، مکھن لال بہجت ، لالہ مینڈی لال بیار ، لالہ جے کشن بے جان ، لچھمن پرشاد بہار ، رائے ٹکا رام تسلی لکھنوی ، گنگا داس تسکین، رائے بھجو لال تمکین ، جلیس لکھنوی بن موہن لال انیس ، جواہر سنگھ جواہر ، بہمن ناتھ دھلوی ، بشن نراین حیران ،

۱ - ہر شاعر کے لیے علیحدہ حوالے دینے کی بجائے ہم بغرض اختصار تمام ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن میں ان شعرا کے حالات دستیاب ہو سکتے ہیں - روز روشن ، تذکرۂ کریم الدین اردو ، سپرنگر (تذکرے) انیس العاشقین (قلمی دو جلد) ، عیار الشعرا (سپرنگر) ، قاموس المشاہیر ، ریاض الوفاق مست (سپرنگر) فہرست کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، فہرست کتب پنجاب پبلک لائبریری ، مخزن الغرائب قلمی (مملوکۂ پروفیسر شیرانی صاحب) تذکرۂ خوشنویساں ، تذکرۂ عشقی (سپرنگر) آثار الصنادید ، خمخانۂ جاوید ، مجموعۂ نغز قدرت اللہ قاسم ، شعر الہند ۔

منشی کنج بہاری لال حیرت ، پنڈت بینی رام حقیر ، خوش وقت رائے لکھنوی ، جے سکھ رائے خیال ، بہاری لال خود رفتہ ، جواہر لال دبیر ، پنڈت نراین داس دل ، دیبی نراین سنگھ ، دیا رام در (یا دیا) ، پنڈت دھرم نراین ذکر ، جے سکھ رائے ذہین ، رام پرشاد رام ، رائے شیو سہائے رائے ، راهب کشمیری ، لاله لچھمی نراین رفیق ، لاله بهاگ مل ریخ ، راکو پنڈت ، دیو ناتھ پنڈت رنگیں ، لاله جواهر سنگھ رام ، گوبند رام زیرک ، منشی منو لال زاری ، لاله هیئت پرشاد سرور ، گنگا پرشاد شاد ، لاله بدھ سنگھ شاداں ، بساون لال شاداں ، راجا کشن پرشاد شاد ، پنڈت امرناتھ شیدا ، لاله خوش وقت رائے شاداب ، لاله دیبی پرشاد شامل ، رادھے کشن شائق ، بستی رام شائق ، لاله متھرا داس شاعر ، شنبھو ناتھ جودت (یا شنبھو) ، امرناتھ شعله ، کنور دولت سنگھ شکری ، لاله طوطا رام شایاں ، جے جے رام صبا ، رائے بالک رام صبوری ، پنڈت سیتا رام صوفی ، لاله جے موهن لال صادق ، سکھ رائے ضمیر ، لاله هیرا لال ضمیر، پنڈت نراین داس ضمیر ، جانکی پرشاد ضمیر ، لاله ٹکا رام ظفر ، بدیا دھر فصیح ، پریم کشن فراق ، لاله دین دیال فرحت ، لچھمی نراین فرزانه ، رائے منو لال فلسفی ، پنڈت بدیا دھر فطرت ، گوبند پرشاد فضا ، منو لال فہیم ، رائے بیج ناتھ عاشق ، موهن لال عاشق ، مهاراجا کلیان سنگھ عاشق ، بابو سرجیت سنگھ عاشق ، رائے سوهن لال عاشق ، درگا پرشاد عاشق ، رائے زور آور سنگھ عزیز ، لاله هندوپت عشرت ، لاله شتاب رائے عزیز ، آتما رام عاشق ، بھولا ناتھ عاشق ، منشی بھگوان دیال عاقل ، لچھمن سنگھ غیوری، لاله موهن لال غالب ، رائے رتن لال غریب، رائے چنی لال قریب ، رام داس قابل، کانجھی، راجا اپروکشن کنور، نند لال گویا ، پرکاش داس لطفی ـ راجا کانجھی سہائے متین ، منشی کنور سین مضطر ، سیتل داس ممتاز ، بیج ناتھ مشتاق ، مکھن لال

موحد ، گنگا بشن مسرور ، لاله مٹھو لال مرشد ، لاله بلند سنگھ مصروف ، پنڈت مادھو رام مشتاق ، موتی رام مفتون ، منشی مہر چند مہر ، موھن لال منعم ، لاله درگا پرشاد مضطرب ، کنھیا لال منیر ، منشی کنور جی مدھوش ، رائے چنی لال نحیف ، منشی درگا پرشاد نشاط ، لاله مول راج نظمی ، دیا شنکر نسیم ، سدا سکھ نیاز ، لاله مٹھن لال نامی ، شنکر ناتھ نادر ، منشی بنسی دھر همت ، رائے کنھیا لال هندی ، گوکل چند لاهوری هندو، نوبت رائے وقار ، رائے جوالا پرشاد وقار ، راجا آدت نراین ۔

ان شعرا میں سے اکثر نے کتابیں لکھی هیں ، لیکن اتنی اهم اور وقیع نہیں ، اس لیے هم انهیں نظر انداز کرتے هیں ۔ مہاراجا چندو لال شاداں اور راجا کشن پرشاد شاد کی کتابیں تصوف میں هیں اور اس لحاظ سے کہ ان کے مصنف عالی مرتبت هیں ، خاص توجه کی مستحق هیں ۔

چھٹا باب

نظر باز گشت[1]

فارسی ادب درباروں میں:

''مشرق میں تمام حقیقی علوم و فنون درباروں میں پیدا ہوتے ہیں۔'' پروفیسر براؤن[2] آنجہانی کا یہ مقولہ بعینہ ہندوستان کے فارسی ادب پر بھی صادق آتا ہے۔ جس ملک میں رائے عامہ، سوسائٹی کے حالات و اوضاع پر خاص طور سے اثر انداز نہ ہوتی ہو وہاں بادشاہ کی ذات ہی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنتی ہے۔ خاندان تیموری کے تقریباً تمام حکمران، بلند ذوق اور علمی رجحان طبع رکھتے تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے زیر اثر بے شمار مصنفین پیدا ہوئے جنھوں نے وسیع اور کار آمد لٹریچر پیدا کیا۔

جب سلطنت مغلیہ میں انحطاط آ گیا تو وہی علمی سرگرمیاں بعض نئے مراکز کی طرف منتقل ہو گئیں جن میں اودھ، حیدرآباد، بنگال کا نام خاص طور سے لیا جا سکتا ہے۔ سکھوں نے پنجاب میں اور مرہٹوں نے اپنی سلطنت میں مغلوں کی طرز حکومت کی پیروی کرتے ہوئے فارسی کو بہت حد تک برقرار رکھا۔ پھر جب انگریز ملک پر قابض ہو گئے تو ایک خاص وقت تک انھوں

۱۔ اس باب میں بعض پچھلے واقعات دہرائے گئے ہیں تاکہ ہندوؤں کی فارسی تعلیم کی کہانی یکجا بیان کی جا سکے۔ اس تکرار کے لیے مؤلف معذرت خواہ ہے۔

۲۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا، براؤن، جلد ۳، صفحہ ۳۹۶۔

نے فارسی کی دفتری حیثیت سے تعرض نہ کیا اور بہت سے لوگوں نے ان کے زمانے میں فارسی میں کتابیں لکھیں۔

ریاست ہائے الور، ٹونک، بہاولپور اور بھوپال میں بھی ہندو منشی بہ تعداد کثیر موجود تھے اور ان میں بعض نے فارسی زبان میں کتابیں بھی لکھیں۔

گزشتہ ابواب میں ہم نے جن ہندو مصنفین کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اکثر اعالی مناصب پر فائز تھے چنانچہ ہمیں بہت سے رائے، دیوان، راجا، میر منشی، بخشی، قانون گو، کام دار، امین، پیشدست، مشرف، پیش کار، میر سامان، نایب، دیوان خالصہ، دیوان تن، وزیر، منشی‌الممالک، فوجدار[1] وغیرہ ملتے ہیں۔ مسلمان مصنفین کی طرح یہ ہندو مصنفین بھی بادشاہوں اور امیروں سے انعام و اکرام پاتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں کے طرز انشا اور قابلیت کی تعریف خود مغل شہنشاہوں نے کی ہے۔ مسلمان ارباب علم کی طرح ہندو ارباب قلم نے بھی لٹریچر میں اضافہ کرنے کے علاوہ اپنے زمانے کے سیاسی حالات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لٹریچر کا مطالعہ اور بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

---

۱ - 'مغل ایڈمنسٹریشن' پروفیسر سرکار، جلد ۱؛ مور لینڈ ایگریرین سسٹم انڈر دی مغلز؛ مرآۃ‌الاصطلاح (قلمی پنجاب‌یونیورسٹی) معلومات‌الآفاق(قلمی، پنجاب یونیورسٹی)؛ دستورالعمل یوسف میرک (قلمی، پنجاب یونیورسٹی) وغیرہ کتب میں یہ اصطلاحیں مفصل ملیں گی۔ ان اصطلاحوں کے مفہوم کے لیے دیکھیے سید ابن حسن کی انگریزی کتاب 'The Central Structure of the Mughal Empire'؛ پروفیسر عبدالعزیز کے مضامین: انڈین ہسٹاریکل جرنل میں۔

کایستھ :

عام طور سے مشہور ہے کہ کایستھوں کو فارسی زبان کے ساتھ خاص مناسبت ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ گزشتہ صفحات میں جتنے مصنفوں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان میں کایتھوں یا کایستھوں کو اکثریت حاصل ہے ۔ یہ لوگ صاحب ذوق سلم مانے گئے ہیں اور ایسا ہونا بالکل قرین قیاس ہے ۔ ازمنۂ قدیمہ سے ان لوگوں کا کام نوشت و خواند تھا ۔ راجاؤں کی منشی‌گری انھی کے سپرد تھی ۔ اگرچہ خود ان کا دعویٰ ہے کہ وہ چھتری ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے پہلے پہل اسی جماعت سے فائدہ اٹھایا ۔ انھیں مالیات میں ان سے کافی مدد ملی ۔ پٹواری [جو مسلمانوں سے پہلے کا لفظ ہے] انھی لوگوں میں سے ہوتے تھے ۔ دفتر ہندی میں تھا اس لیے انھیں کاروبار میں کوئی خاص دقت نہیں محسوس ہوئی ہوگی ۔ مشہور ہے کہ سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں یہی لوگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے فارسی تعلیم حاصل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ۔ شیر شاہ کے زمانے میں ان لوگوں نے بہت ترقی کی ۔ چنانچہ اکبر کے زمانے میں جب راجا ٹوڈرمل نے فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا تو معاملات سلطنت میں اس سریع اقدام سے ابتری نہ پھیلنے کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک جماعت فارسی دان ہندوؤں کی پہلے سے موجود تھی جس نے فی‌الفور نئے نظام پر عمل درآمد شروع کر دیا ۔ یہ جماعت گمان غالب ہے کہ کایستھوں میں سے تھی ۔ اس زمانے سے لےکر آج تک کایستھوں نے جس قابلیت ، ماحول کے مطابق بدل جانے کی صلاحیت اور حسن فہم کا ثبوت دیا ہے ، اس کے اثبات کے لیے آن کی بے شمار تصانیف کافی ہیں ۔ اٹھارہویں صدی کے وسط تک ہندوؤں میں صرف راجپوت اور کایستھ ہی تھے جن کا اثر و اقتدار مسلم تھا ۔ درگاہ پرشاد نادر نے تذکرۃالنسا (صفحہ ۳) میں لکھا ہے کہ

مردوں کے علاوہ کایستھ عورتیں بھی فارسی زبان جانتی تھیں ۔ مجمع‌النفائس[۱] کا بیان ہے کہ عہد محمد شاہی میں کایستھ لوگ سرکاری دفتروں پر چھائے ہوئے تھے ۔ مرھٹوں کی حکومت میں بھی منشیانہ کاروبار یہی لوگ انجام دیتے تھے ۔ برھمن جو کایستھوں کو شودر کہتے ھیں ، ان کی اس علمی ترقی اور دنیاوی رسوخ سے بہت ناراض تھے ۔ کایتھوں کی اس ترقی اور اقبال کا اصلی راز مطابعت ماحول میں مضمر ہے ۔ راجپوت سپاہیانہ مشاغل کے لوگ تھے ، انھیں قلم دوات سے کوئی محبت نہ تھی ۔ برھمن تفرد اور علیحدگی میں ھی علو شان خیال کرتے تھے ۔ صرف کایستھ ھی تھے جنھوں نے اس میدان میں قدم رکھا ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت ان کا مقابلہ نہ کر سکی ۔ مآثرالامرا[۲] کا بیان ہے کہ کایتھوں میں باھمی ھمدردی اور قبیلہ پروری بہت ہے ۔ چنانچہ اس کتاب میں اس کے کئی شواھد ملتے ھیں ۔ جب انگریزوں نے حکمرانی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو اکثر اکابر اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور آج بھی یہ قوم اپنی ذھانت اور ذکاوت کے لیے بہت مشہور ہے[۳] ۔

برھمنان کشمیر :

کایستھوں کے بعد سب سے زیادہ کشمیری پنڈتوں کو فارسی زبان سے شغف رہا ہے ۔ کشمیر میں فارسی کا رواج

---

۱ ۔ مجمع‌النفائس (قلمی، یونیورسٹی لائبریری) صفحہ ۴۲۸ ۔

۲ ۔ مآثرالامرا، جلد۲ صفحہ۲۳۷؛ مآثرالامرا، جلد ۳ صفحہ ۳۴۴ ۔

۳ ۔ کایستھوں کے لیے دیکھیے سپرنگر: جلد۱، صفحہ ۳۰۵-۳۱۳؛ رزلے: پیپل آف انڈیا، صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۱۴؛ انسائیکلوپیڈیا انڈکا صفحہ ۴۸۳، ۵۱۳؛ کایستھ درپن (ھندی) جلد ۱، صفحہ ۶۶۴؛ انڈین اینٹکوبری جلد ۵ ، صفحہ ۵۷ ؛ جرنل ایشیاٹک سوسایٹی ۱۸۷۵، پارٹ ۱، صفحہ ۵؛ ھنٹر: انڈین ایمپایر، جلد ۱، صفحہ ۳۲۱ ، ۳۲۷ ؛ شوا جی سرکار ، صفحہ ۴۸۴ ۔

سلطان زین‌العابدین کے زمانے سے ہو چکا تھا ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیری برہمنوں میں سے 'سپرو' قوم نے سب سے پہلے فارسی زبان کی تحصیل کی[1] ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے 'سلطان' پنڈتوں نے مسلمان حکمرانوں کی ملازمت قبول کی ، للہذا انھوں نے ہی فارسی کی تحصیل میں ابتدا کی ہوگی ۔ بہر حال ہندوستان میں رواج پانے سے پہلے کشمیر میں کافی ترقی ہو چکی تھی ۔ اکبر کے عہد میں کشمیر عظیم‌الشان مغلیہ سلطنت کا ایک جزو بن گیا تھا اور اسی تاریخ سے کشمیری پنڈتوں کی ہندوستان میں آمد و رفت شروع ہو گئی تھی ۔ شاہ جہاں کے عہد میں فارسی دان کشمیری پنڈتوں کا دربار مغلیہ میں اچھا خاصا عنصر معلوم ہوتا ہے ۔ دیوان بخت مل (جو حقیقت میں مہاراجا رنجیت سنگھ کے قصر حکومت کا سب سے بڑا معمار تھا) کے آبا و اجداد اسی زمانے میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور مغلوں کی ملازمت قبول کی ۔ سکھوں کے عہد میں اور انگریزوں کے ابتدائی زمانے میں کشمیری برہمن کافی اقتدار پر تھے ۔ وہ حسن ظاہری کے علاوہ ذہن رسا کے لیے بھی بہت مشہور ہیں اور آج کل بھی ملک کی بعض ممتاز شخصیتیں انھیں میں سے ہیں[2] ۔

۱ ۔ مہاتمئی کشمیرہ منڈل (ہم پہلے باب میں اس پر لکھ آئے ہیں) ۔

۲ ۔ تعجب ہے کہ بعض مصنفین نے کشمیریوں کی بہت مذمت کی ہے مثلاً شیخ حزیں کشمیریوں کی ہجو کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو روز روشن بذیل زیرک) :

شرح قومے شنو از من کہ ندارند نسب
ادب و شرم و حیا غیرت ازیشاں مطلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

یہی دو طبقے ہیں جنھوں نے فارسی کا بہت سا لٹریچر پیدا کیا اور انہی میں فارسی تعلیم نے بہت رواج پایا ۔ تاہم ان کے علاوہ کھتری اور بعض دوسری ذاتوں کے مصنفین بھی کافی تعداد میں موجود ہیں کیوں کہ مغلوں کے آخری ایام میں تقریباً تمام ہندو قوم فارسی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی ۔

فارسی کی مقبولیت کے اسباب :

گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندوؤں نے فارسی تعلیم کی ابتدا سلطان سکندر لودھی کے عہد میں کی ۔ اکبر کے زمانے میں اس کی ترویج کی منظم اور ہمہ گیر کوشش کی گئی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ سے)

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را
در جہاں چوں صفر مورند رواں دانہ طلب
یک ازیں قوم ندید است دو نوبت کشمیر
بر نہ گردد چو ز سوراخ برآید عقرب
جزو نظمے کہ کند خامۂ ایشاں تحریر
ہزج و سالم آں را ہمہ بینی اخرب

وغیرہ وغیرہ ۔ اس کا جواب 'زیرک' ایک کشمیری برہمن نے دیا جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں ۔ ابوالفضل اور عہد مغلیہ کے دوسرے مصنفین اگرچہ کشمیریوں کے خلاف رائے رکھتے ہیں لیکن ان کی ذہانت، پھولوں سے محبت اور بعض دوسرے اوصاف کی تعریف کرتے ہیں (آئین، جیرٹ، ۳۵۱) ۔ خافی خاں کا بیان ہے کہ ''مردم آں گل زمین بہ حدت فہم و ذکا و جوہر رشادت آراستہ اند'' (جلد ۱، صفحہ ۳۰۳) ۔ اورنگ زیب عالمگیر اپنے خطوط میں کشمیریوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے ''کشمیری دریں صوبہ نیست کہ مقرر کنیم ۔'' (رقعات صفحہ ۹۵) نیز برنیر (ترجمہ اردو جلد ۱، صفحہ ۷۱) ۔

بلوخمن کا خیال ہے کہ ہندوؤں نے صرف اقتصادی اسباب کی بنا پر فارسی تعلیم حاصل کی - دفاتر پہلے ہندی میں تھے اور بابر کے بیان کے مطابق عامل ، مستاجر اور دوسرے عہدہ دار ہندو ہی تھے لیکن جب راجا ٹوڈر مل کے اعلان نے صورت حال کو دگرگوں کر دیا تو انھوں نے بلا تامل دوسری راہ اختیار کر لی ، اسی میں ان کی ترقی اور عروج کا راز پنہاں ہے -

کیا فارسی تعلیم ہندوؤں کے لیے مضر ثابت ہوئی!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فارسی زبان کی تحصیل ہندوؤں کے لیے مضر ثابت ہوئی لیکن واقعات و حالات کے اعتبار سے یہ گہان صحیح نہیں - تمدنی اور عمرانی نقطۂ نظر سے یہ اختلاط بہت مفید ثابت ہوا - انسانوں کے دو گروہ قوانین قدرت کے دباؤ سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور ان کے اس امتزاج سے ایک نئے قسم کا کلچر نمودار ہوا - ہندوؤں کی علیحدگی اور تفرد پسندی کے متعلق علامۂ البیرونی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ، ان کے پیش نظر فارسی اور اسلامی علوم کے ساتھ ہندوؤں کا یہ ارتباط تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے - فارسی بہ حیثیت ایک سرکاری زبان کے ، ہندوؤں کی آزادانہ ترقی میں حارج ثابت نہیں ہوئی - چنانچہ ہول اپنی کتاب 'ایرین رول ان انڈیا' میں اسی موضوع پر لکھتا ہے :

> ''فارسی زبان انگریزی زبان کی نسبت ہندوؤں کے لیے بہت آسان تھی - ہندو وزیر معاملات سلطنت میں اسی طرح چابک دست ہوتے تھے جس طرح مسلمان وزیر - اس سے معلوم ہوا کہ فارسی زبان ہندوؤں کی ترقی کے لیے سنگ راہ نہ تھی -''

(انگریزی سے ترجمہ)

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :

اب ہم ہندوؤں کی فارسی تعلیم کے انتظام کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔ ذیل کی سطور میں جو کچھ بیان ہوگا ، وہ عہد مغلیہ کے سارے نظام تعلیم کا ایک خاکہ ہے ۔ چونکہ ہمارے مضمون کا تعلق صرف ہندوؤں سے ہے اس لیے ہم نے جا بجا ہندوؤں ہی کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے ۔

ہندوستان میں پرانے زمانے سے تعلیم کا انتظام پنچایتوں کے سپرد تھا ۔ پنڈت دیہی نظام کا ایک جزو لاینفک ہوتا تھا ۔ گاؤں کے لوگ اس کی ضروریات زندگی کو پورا کرتے تھے ۔ یہ پنڈت اپنے مکان پر یا کسی اور معین مقام پر لڑکوں کو تعلیم دیا کرتا تھا ۔

مغلوں سے پہلے ہندوستان میں اسلامی مدارس بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض تو اوقاف کی آمدنی سے اور بعض عطیات پر چلتے تھے ۔ ابتدائی تعلیم مکاتب اور مساجد میں ہوتی تھی ، جب طالب علم ان منازل کو طے کر چکتا تو پھر ان مراکز علمی کی طرف متوجہ ہوتا جن کا سارے ملک میں شہرہ ہوتا تھا ۔ ان مراکز میں طالب علم عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے تھے اور نصاب کو ختم کرنے کے بعد فارغ التحصیل ہو جاتے تھے ۔

عہد اکبری :

اکبر کے زمانے میں مکاتب اور مدارس کو زیادہ رونق حاصل ہوئی ۔ یہی زمانہ ہے جب کہ ہندو اور مسلمان بکثرت ایک جگہ تعلیم حاصل کرنے لگے تھے ۔ آئین اکبری میں تعلیم ، نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کے متعلق ایک آئین موجود ہے :

''آئین آموزش : در ہر کشور خاصہ دریں آباد بوم سالہا نو آموز را بدبستان باز دارند و مفردات حروف معجم را

بچندیں گونه اعراب آموزش رود ۔ بفراواں نامه گرامی انفاس رائیگاں شود ۔ اخلاق ، حساب ، سیاق ، فلاحت ، مساحت ، هندسه ، نجوم ، رمل ، تدبیر منزل ، سیاست مدن ، طب ، منطق ، طبیعی ، ریاضی ، الٰہی ، تاریخ مرتبہ مرتبه اندوزد و از هندی علوم بیا کرن ، نیای ، بیدانت و پاتنجل برخواند و هرکس را از بایست وقت در نگزارند ، ازیں طرز آگہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازه یافت ۔''

مکاتب اور مدارس :

غالباً اکبر کے زمانے سے مشترکہ مکاتب کا دستور قایم ہوا اور مغلیہ سلطنت کے زوال و انحطاط کے بعد تک بحال رہا۔ مکتب کا مفہوم یہ ہے کہ محلے میں کوئی تعلیم یافتہ فرد اپنے ذاتی مکان میں یا کرائے کے مکان میں ایک مدرسہ کھول لیتا تھا جس میں لوگ اپنے لڑکوں کو بغرض تعلیم بھیجا کرتے تھے۔ معلم کا ذریعۂ معاش انھی اطفال کی امداد پر منحصر تھا ۔ بعض اوقات مشترکہ تعلیم کا انتظام مساجد میں بھی ہوتا تھا ۔ مسلمانوں میں مساجد ہمیشہ علم و تعلیم کی اشاعت کا ذریعہ بنی رہی ہیں ۔ ہندوؤں نے جب فارسی کو اپنایا تو وہ اپنے مسلمان ہم مکتبوں کے ساتھ مساجد میں بھی تعلیم حاصل کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے ۔ فارسی کے مکاتب عام حالات میں مسلمان 'میاں جی' اور بعض صورتوں میں 'ہندو معلمون' کے زیر ہدایت چاتے تھے ۔ 'خورشید جهاں نما' (پچھلی صدی کی ایک تصنیف ہے) کا بیان ہے کہ بنگال میں انگریزوں کی حکومت کی ابتدا میں بے شمار مدارس اور مکاتب عربی فارسی تعلیم کے لیے موجود تھے ۔ جب انگریز ہندوستان میں اچھی طرح سے جم گئے تو انھوں نے اپنی تعلیمی پالیسی پر غور کیا ۔ پہلے پہل تو ایک عرصے تک وہ ہندوستانیوں کی تعلیم کے مخالف رہے ؛ زاں بعد وارن‌هسٹنگز کے زیر ہدایت ان کا مسلک یہ تھا کہ ہندوستان میں

فارسی، عربی ، سنسکرت تعلیم کو رواج دینا چاہیے ۔ چنانچہ وارن ہسٹنگز نے کلکتے میں 'مدرسۂ عالیہ' قائم کیا اور سنسکرت کی تعلیم کے لیے ولیم ڈنکن نے بنارس میں سنسکرت کالج کا افتتاح کیا ۔ اس سلسلے میں آگرہ کالج اور دہلی کالج کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے بے شمار ہندو مسلمان مصنف نکلے ۔ ان سب کالجوں کو سرکاری امداد ملتی تھی ۔ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے تعلیمی پالیسی کا رخ تبدیل کر دیا تھا اور فارسی سنسکرت کی بجائے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی ترویج ضروری قرار دی گئی ۔ یہی نہیں بلکہ ۱۸۴۴ء کے قریب فارسی زبان کی کاروباری حیثیت کو بھی مٹا دیا گیا اور دفاتر میں فارسی کی جگہ انگریزی کو دخل حاصل ہو گیا ۔

نصاب تعلیم :

فارسی کی ابتدائی تعلیم میں بول چال ، خط و کتابت اور اخلاق حکایات کی کتابیں ہوتی تھیں ۔ مثلاً پند نامۂ عطار ، کریما ، ما مقیماں ، دستورالصبیان ، نصاب الصبیان ، اخلاق محسنی وغیرہ ۔

ثانوی تعلیم کے لیے گلستان ، بوستان ، یوسف زلیخا ، انشائے خلیفہ ، انشائے مادھو رام ، سہ نثر ظہوری ، پنج رقعہ ، اخلاق ناصری ، بہار دانش ، انوار سہیلی ، سکندر نامہ ، شاہ نامہ وغیرہ ۔

بندرا بن داس خوشگو اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ "میں اور لالہ حکیم چند ندرت ایک دوسرے کے مخلص دوست تھے اور دونوں میاں محمد عابد کے پاس اخلاق ناصری پڑھا کرتے تھے ۔"

چندر بھان براہمن اپنے فرزند خواجہ تیج بھان کو ایک مکتوب میں گلستان ، بوستان ، اخلاق جلالی اور اخلاق ناصری کے دائمی مطالعے کی سفارش کرتا ہے ۔ یہی مصنف اپنی کتاب چار چمن میں اس مسئلے پر زیادہ تفصیل سے بحث کرتا ہے ۔ ہم اس اقتباس کو یہاں درج کرتے ہیں :

''چون در آغاز حال پاس بعضے از شرائط در تهذیب‌الاخلاق مطلوب ست ، می باید که پیوسته گوش بر سخنان بزرگان نهد و مطابق آن عمل نماید و مطالعهٔ اخلاق ناصری و اخلاق جلالی و گلستان و بوستان دست مایهٔ وقت خود ساخته یک لحظه از حصول سعادت علم با عمل غافل نباشد ـ اگرچه اصل مطلب در قابلیت ظاهر ربط کلام متانت عبارت است اما حسن خط اعتبار دیگر دارد و بوسیلهٔ این جا در مجلس بزرگان توان یافت ، آن فرزند عزیز کوشش نمایدکه در هنر فایق گردد و باین حال اگر سیاق و نویسندگی نیز حاصل شود بهتر و خوب تر خواهد بود ـ چه منشی سیاق دان کم بهم می رسد و سیاق دان منشی کمتر می باشد و اگر در شخصے هر دو هنر جمع شود نادر است ، و نورٌعلی نور ـ منشی هان‌ست که راز دار باشد و نویسندهٔ هان‌که نیک ذات است ـ کمترین بندگان‌که در سلک منشیان آستان خلافت نشان منظم ست اگرچه جاے بشریت و غفلت خالیست اما در رازداری با صد زبان همچو غنچه بسته دهان است ـ اگرچه علم فارسی دستگاه بسیار دارد و احاطهٔ جمع اش از حد بشریت متجاوز، لیکن اولاً بجهت افتتاح ابواب سخن بطریق تیمن مطالعهٔ گلستان و بوستان و رقعات ملا جامی از ضروریات است و چون تقدیر شعور بهم رسد خواندن کتب اخلاق مثل اخلاق ناصری و اخلاق جلالی و مطالعهٔ تواریخ سلف مثل حبیب‌السیر و روضة‌الصفا و روضة‌السلاطین و تاریخ گزیده و تاریخ طبری و ظفر نامه و اکبر نامه و امثال آن ضرورتر ، که هم متانت بسخن می رسد و هم اطلاع بر احوال جهان و جهانیان حاصل شود و در مجالس و محافل بکار می‌آید و از دیوانها و مثنویهاے از اوستادان روزگار که این نیازمند در عنفوان شباب مطالعه نمود اسامی گرامی طبقهٔ والا را در ذیل این رقیمه مرقوم می سازد تا

این فرزند بقدر فرصت هر چه تواند از تصانیف این بزرگان مطالعه نماید تا برکتے و فرحتے و مایهٔ استعداد حاصل گردد و سررشتهٔ سخن بدست آفتد، حکیم سنائی، ملا روم، شمس‌تبریز، شیخ فریدالدین عطار، شیخ سعدی، خواجهٔ حافظ، شیخ کرمانی، ملا جامی و دیگر شعرا و بلغاے مشهور روزگار مثل سر دفتر شعراے روزگار ملا رودکی، حکیم قطران، عسجدی، عنصری، فردوسی، فرخی، ناصر خسرو، جمال‌الدین عبدالرزاق، کمال اسماعیل، خاقانی، انوری، امیر خسرو، حسن دهلوی، ملا جامی، ظهیر فاریابی، کمال خجندی، (نظامی) عروضی سمرقندی، عمعق بخاری، عبدالواسع جبلی، رکن صاین، محی‌الدین (؟) مسعود بک، فریدالدین (؟) عثمان مختاری، ناصر بخاری، ابن یمین، حکیم سوزنی، فرید کاتب، ابوالعلا گنجوی، ازرق، فلکی سودائی، بابا فغانی، خواجهٔ کرمانی، آصفی، ملا بنائی، ملا عماد، فغانی، خواجه عبید زاکانی، بساطی، لطف الله حلوائی، رشید وطواط، اثیر اخسیکتی، اثیر اومانی ـــ واضح ضمیر پند پزیر فرزند نیکوکار باد که چون در عنفوان حال خاطر از مطالعهٔ کتب متقدمین فی‌الجمله فراغ یافت طبع سخن دوست را میل بسخنان متاخرین بهم رسید تا آن که شروع در بهم رسانیدن دیوانها و مثنویها بمرور ایام نسخهٔ بسیارے بدست آورد بعد از مطالعهٔ ایشان بشاگردان داد ازان جمله اسامی بعضے از ارباب سخن این ست ـ اهلی، هلالی، محتشم، وحشی، قاضی نور، نرگس، محفی امیدی، میرزا قاسم گونا آبادی، ملا زبانی، پرتوی، جیرانی، حسابی، صبری، ضمیری، رشکی، حسانی، هلاکی، نظیری، نوعی، ناظم یغما، میر حیدر، میر معصوم، نظیر، مشهدی، ولی دشت بیاضی و دیگر ارباب سخن و اهل طبع که صاحب دیوان و مثنوی اند و اظهار تفصیل اسامیِ آنها



خوشخطی کا نمونہ — مشق نرایندا س

دریں نسخۂ مختصر گنجایش ندارد ۔''

(چار چمن قلمی ورق ۶۲ تا ۶۵)

اعلیٰ تعلیم کے لیے ضروری ہوا کرتا تھا کہ طالب علم ایسے مقامات کا سفر کریں جہاں خاص طور پر نامور استاد مقیم ہوں ۔ اعلیٰ درجے کے طالب علم صرف و نحو ، عروض ، قافیہ ، منطق ، شعر و شاعری کے علاوہ عربی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے ۔ اگرچہ ہندوؤں میں عربی تعلیم کا رواج کم تھا مگر بعض شوقین طالب علم عربی بھی حاصل کرتے تھے ۔ لچھمن سنگھ غیوری نے تحریر اقلیدس ، شرح چغمنی وغیرہ کو نہایت خوش اسلوبی سے ازبر کیا تھا (ملاحظہ ہو مخزن‌الغرائب) ۔ لچھمی نراین دہلوی منطق اور فلسفے کا بہت بڑا عالم تھا ۔ اٹھارویں صدی میں حساب وغیرہ کی طرف بہت توجہ ہوئی چنانچہ دیوان کانجھی ، رتن سنگھ زخمی ، منو لال ، بھجو لال ، تمکین وغیرہ حساب کے اچھے خاصے ماہر تھے ۔ اس زمانے میں فلسفے اور طب کو بھی بہت زیادہ رواج ہوا ۔ رتن سنگھ زخمی ، میرزا محمد حسن قتیل (سابق دیوالی سنگھ)، منو لال فلسفی فلسفے میں بہت نام آور ہوئے ۔

انشا ، سیاق اور خوش خطی :

لیکن سلطنت مغلیہ میں ہندوؤں نے سب سے زیادہ جس چیز کی طرف توجہ کی وہ انشا ، سیاق ، وقایع نگاری اور خوش خطی تھی ۔ یہ علوم و فنون حکومت کے کاروبار میں ممد و معاون ہوتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں نے ملازمت پیشہ گروہ ہونے کی حیثیت سے انھی فنون کو زیادہ اپنایا ۔ شاعری ، تاریخ اور ادب فضیلت کے نشانات تھے اور ہر تعلیم یافتہ شخص کچھ نہ کچھ فکر سخن کرتا تھا ۔ وارستہ سیالکوٹی نے بہت کم شعر لکھے ہیں مگر پھر بھی تخلص موجود ہے ۔ چونکہ یہ لوگ بادشاہوں کے پاس ملازم ہوا کرتے تھے اس لیے وقایع نگاری اور تاریخ نویسی کے

مواقع ان کے لیے بہت آسان تھے ۔ خوش خطی مشرق میں علوم کی اشاعت کا ایک بہت بڑا سبب رہی ہے ۔ علی الخصوص مسلمانوں نے اس فن کو بہت ترقی دی ۔ جیسا کہ آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب 'مسلمانوں کی مصوری' میں بیان کیا ہے ۔ ہندوؤں نے بھی خوش خطی میں کمال پیدا کیا اور تذکرۂ خوش نویساں میں کم و بیش بیس اعلیٰ خوش نویسوں کے حالات درج ہیں ۔ غرض انشا ، خط و کتابت ، سیاق ، تاریخ اور خوش خطی ہندوؤں کے نصاب تعلیم کا ایک ضروری جزو ہوتا تھا ۔ منشی سجان رائے بٹالوی خلاصۃالمکاتیب کے دیباچے میں لکھتا ہے :

''چوں اکثر اوقات بہ فن مکتوب نویسی کہ عبارت از منشی گری بودہ باشد بملازمت صاحبان دولت و اقبال و ناظمان ملک و مال بسر بردہ ، بنا براں فرزندان کمترین بندگاں ، نیز طریقۂ نوکری را موروثی تصور نمودہ و سلیقۂ منشی گری از فنون دیگر بہتر دانستہ بتحصیل و تکمیل فن انشا تقید دارند ۔'' (قلمی ورق ۳)

چونکہ فارسی تعلیم بجائے کسی روحانی فائدے کے معاش کی خاطر حاصل کی جاتی تھی اس لیے عام لوگ اپنے بچوں کو بہترین نثار بنانے کی کوشش کرتے تھے ۔ استاد کے پاس فرامین و مراسلات کا ایک ذخیرۂ وافر موجود رہتا اور طالب علم اکثر صورتوں میں ان نمونوں کو حفظ کر لیتے ۔ انشائے خلیفہ اس سلسلے میں بہت مقبول رہی ہے ۔ درجۂ وسطی (یا ثانیہ) کے بعد لوگ ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ ملازمت کے لیے بڑا موقع موجود رہتا تھا ۔ بعض اوقات موروثی حق کی بنا پر ملازمت جلد مل جاتی تھی ورنہ ایک شخص معمولی متصدیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور پھر ترقی کرتے کرتے دیوان یا دستور جیسے رتبۂ عالی تک پہنچ سکتا تھا ۔

ہمہ داں بننے کا دستور :

جو لوگ علم کے زیادہ شائق ہوتے تھے وہ بڑے بڑے علمی مراکز کی طرف متوجہ ہوتے اور بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہہ کرتے ، شعر و شاعری میں اصلاح لیتے ، وہ ادب اور شعر کا ذوق جو بزرگوں کے فیض صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ، پیدا کرنے کی کوشش کرتے ۔ جیسا کہ مشرق میں رواج ہے بیک وقت شاعر ، ادیب ، مورخ ، فلسفی ، منشی ، نثار اور کیا کچھ نہ ہوتے ۔ ہم ذیل میں منشی لچھمی نراین دبیر کنجاوی کے حالات جو رقعات کے دیباچے میں مرقوم ہیں درج کرتے ہیں تاکہ اس زمانے کی تعلیم کا سرسری سا اندازہ ہو جائے :

''قوم کھتری ، موطن اصلیٰ او قصبہ کنجاہ از مضافات دارالسلطنت لاهور است ۔ رائے جسونت رائے جد امجدش در عہد عالمگیر بادشاہ انار اللہ برہانہ ، جہت تلاش معاش وارد شاہ جہان آباد شد و در شہر کہنہ محلہ وکیل پورہ رخت اقامت انداختہ بوکالت امرائے عظام بادشاہی وکالت ناظم صوبۂ کابل سرفرازی داشت منشی موصیٰ الیہ در ایام طفولیت کتب متداولۂ فارسی کہ رائج تدریس اطفال اند از مولانائے شیخ محمد برادر زادۂ غنیمت کنجاہی دیدۂ سواد خود را روشن ساخت و در سن دوازدہ سالگی متوجہ بتحصیل رسایل عروض و قوافی و اصلاح غزل گشتہ در خدمت قدوۂ فصحا و زبدۂ بلغا سخن گو و سخن داں سراج الدین علی خاں از علوم مذکورہ ذخایر اندوختہ مستثنائے روزگار شد و مختصرات صرف و نحو را از ٹیک چند متخلص بہ بہار خواندہ مایل بدیدن کتب طب کہ از ضروریات انسانیت گشتہ و عمرے در خدمت اطبائے دارالخلافہ مشغول نسخہ نویسی بودہ مدت دوازدہ (۱۲) سال بمشق معالجۂ اغنیا و غربائے دہلی پرداخت''۔۔۔۔۔الخ ۔

تذکرۂ نشتر عشق میں سبقت لکھنوی کا حال یوں لکھا ہے :

''سکھراج نام از قوم کایتھ آناؤ ست اکثر آباے او بملازمت عمدۃالملک نواب اسداللہ خاں وزیر اعظم عالمگیری بودند ۔ در خوش کلامی و تحصیل صرف و نحو و منطق و بیان و معانی و معما و تاریخ و صنائع و بدائع و حساب و طب و اصطلاحات و تحقیق مسایل صوفیہ گوے سبقت ربود و از میرزا عبدالقادر بیدل اصلاح می گرفت''........الخ۔

ہندو اساتذہ

یہ تو ظاہر ہے کہ مکاتب میں مسلمان استاد ہوا کرتے تھے اور ہندو مسلمان بچے سب آشتی اور یگانگت کے ساتھ استاد جی سے اخذ علم کرتے تھے مگر اکثر مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں ہندو معلم ہوتا تھا ۔ ہندوؤں کے حالات میں ایسے بے شمار لوگ مل جائیں گے جن کا پیشہ معلمی ہوتا تھا اور وہ شہر یا گاؤں کی تعلیم کے علمبردار ہوتے تھے ۔ لالہ چنی لال ذرہ اٹھارھویں صدی کے ایک مشہور معلم تھے جن کے مکتب میں ہندو مسلمان طالب علم پڑھا کرتے تھے ۔ مولانا مفتی لطف‌اللہ صاحب مرحوم کے آستاد فارسی منشی سوھن لال تھے[1] ۔ رائے سرب سنگھ دیوانہ جعفر علی حسرت کے آستاد تھے (یہ حسرت قلندر بخش جرأت کے آستاد تھے) گزشتہ صدی کے اوائل میں اکثر ہندو اہل علم پیشۂ معلمی اختیار کر لینے کی وجہ سے آستاد کہلانے لگ گئے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ بلوخمن نے (ترجمہ آئین اکبری صفحہ ۳۵۱) کہا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ہندو فارسی زبان میں مسلمانوں کے استاد بن گئے تھے ۔

چند نامور اساتذہ

آج کل جو کام اعلیٰ درجے کے کالجوں سے لیا جاتا ہے وہی

---

۱ - معارف ۱۹۱۸ء

کام ممتاز علمی شخصیتوں سے لیا جاتا تھا ۔ ان بزرگوں کے گھر اہل علم کے مجمع ہوتے تھے ۔ شائقین علم اطراف و اکناف سے آن کے پاس جمع ہوتے اور آن سے کسب فیض کرتے ۔ اس زمانے کی تعلیم کا حال ان بزرگ شخصیتوں کے ذکر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا ۔ افسوس ہے کہ ہمیں تمام اساتذہ کا حال معلوم نہیں ہو سکا ، صرف شعرا کے حالات میں ان کے استاد کا ذکر آ جاتا ہے اس لیے ہم ذیل کے بیان میں ایک دو شخصیتوں کے علاوہ صرف اکابر شعرا کا ذکر کریں گے اور ان کے ساتھ ان ہندو شعرا کو بھی گنائیں گے جنھیں ان سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ اس تطویل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کا تصور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہو جائے ۔ عہد شاہ جہانی میں شمالی ہندوستان میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک بہت بڑے عالم تھے جن کے سامنے زانوے ادب تہہ کرنے کے لیے دور دراز سے لوگ آتے تھے ۔ خلاصۃالتواریخ کا مصنف جس نے ۱۱۰۷ھ میں اپنی کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا ، لکھتا ہے کہ سیالکوٹ کا شہر ،ولانا عبدالحکیم اور ان کے فرزند مولانا عبداللہ کے طفیل علمی اعتبار سے بہت ممتاز تھا ۔ ہمارے ہندو مصنفین میں سے منشی چندو بھان برھمن آن کے ایک ممتاز شاگرد ہیں ۔ یہ وہی برھمن ہیں جنھیں شاہ جہاں پیار سے ''ہندوئے فارسی داں'' کہا کرتا تھا ۔ عمل صالح کے مصنف محمد صالح کا بیان ہے کہ برھمن نے ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سے حاصل کی تھی ۔ اسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی بھی مرجع خاص و عام تھے ۔ برھمن اور بنوالی داس ولی دونوں نے اس چشمۂ معرفت سے پیاس بجھائی ہے ۔ ولی کا متصوفانہ لٹریچر غالباً اسی بزرگ کے طفیل ہے ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ولی ، برھمن ، ہندو وغیرہ شعرائے عہد شاہ جہانی نے شعر و سخن میں کس کس استاد سے اصلاح لی تھی ۔

اورنگ زیب کے عہد میں شیخ محمد افضل سرخوش، جنھوں

نے تذکرۂ کلمات‌الشعرا لکھا ہے استاد کل خیال کیے جاتے تھے۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا فلسفی شاعر بھوپت رائے بیراگی اسی سرخوش کا شاگرد تھا۔ ان کے علاوہ بند رابن داس خوشگو کو بھی انھی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

اس کے بعد جو زمانہ آیا اس میں شعرا میں دو ممتاز شخصیتیں معرض وجود میں آئیں: مرزا عبدالقادر بیدل اور شیخ سراج‌الدین علی آرزو۔ بیدل متاخرین شعرا کے امام مانے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے بعد جتنے لوگ آئے ہیں تقریباً سب نے آن کا تتبع کیا ہے۔ اسداللہ خاں غالب بھی باوجود اپنی جدت طبع طرز بیدل کے مقلد تھے۔ مرزا بیدل کے سینکڑوں ہندو مسلمان شاگرد تھے۔ ان کے دارالتربیت سے جن اکابر ہندو شعرا نے فیض حاصل کیا آن کے نام یہ ہیں: منشی امانت رائے امانت، شورام حیا، سکھ راج سبقت، سری گوپال تمیز، حضوری اور ندرت وغیرہ۔

تقریباً اسی زمانے میں امام‌المتاخرین سراج‌الدین علی خاں آرزو بھی وارد شاہ جہان آباد ہوئے۔ آرزو فن شعر سے کہیں زیادہ زبان دانی میں کمال رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کی تنقید آپ پر ختم تھی۔ خان آرزو کی ذات اس عہد میں اپنی علمیت کے باعث دوست دشمن سب پر مسلم تھی۔ یا یوں سمجھیے کہ اس زمانے میں ایک طالب علم اپنے آپ کو علم و ادب میں کامل نہ سمجھتا تھا تا وقتیکہ وہ کسی نہ کسی وقت خان آرزو کے حلقۂ درس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خان آرزو بھی اپنے تلامذہ کے ساتھ بے حد شفقت کا اظہار کرتے تھے۔ خان آرزو نے مجمع‌النفایس میں اپنے جن شاگردوں کے حالات دیے ہیں وہ یہ ہیں:

بابو بالمکند شہود، پنڈت جے کشن عشرت، رائے انند رام مخلص، بندرابن داس خوشگو۔ ان کے علاوہ ٹیک چند بہار کو بھی ان سے

نسبت تلمذ حاصل ہے ۔ یہ یاد رہے کہ بہار نے ایک جامع لغت لکھی ہے جو فارسی زبان کی سب سے بڑی اور مستند لغت ہے ۔ اس میں بہار نے اپنے استاد خان آرزو کے اقوال پر بھی نکتہ چینی کی ہے چنانچہ خان آرزو اپنی تصنیف ''مثمر'' (قلمی ورق ۱۳۴) میں لکھتے ہیں :—

''و بہار عجم وغیرہ کہ از یاران فقیر آرزو ست و مثل او دریں عصر بہم نرسیدہ و دریں کتاب گاہے با او صلح ست و گاہے جنگ بسیار ۔''

اس زمانے میں بعض اور ممتاز ہستیاں بھی موجود تھیں ۔ مثلاً شرف الدین پیام ، میرزا عبد الغنی بیگ قبول ، میرزا گرامی حکیم حسین شہرت ، سعد اللہ گلشن ، لیکن خان آرزو ان سب کے امام تھے۔ ان اکابر میں سے ہر ایک کے سلسلۂ درس میں ہندو شعرا موجود تھے ۔ سیالکوٹ میں میر محمد علی رایج آستادی کا درجہ رکھتے تھے ۔ مشہور محقق وارستہ سیالکوٹی انھی کا شاگرد تھا ۔ کشن چند اخلاص اور نشاط میرزا عبدالغنی بیگ قبول کے شاگرد تھے ۔

بساون لال بیدار ، سرب سکھ خاکستر اور ثروت مظہر جان جاں کے شاگرد تھے ۔

ان کے علاوہ اکابر اساتذہ میں سے میرزا فاخر مکیں ، میر افضل ثابت ، مقیم آزاد کشمیری ، میر غلام علی آزاد بلگرامی ، شیخ علی حزیں استاد کل مانے جاتے تھے ۔ میرزا فاخر کے ایک شاگرد رشید موہن لال انیس نے ایک تذکرہ انیس الاحبا کے نام سے لکھا ہے جس میں میرزا کے تمام ہندو مسلمان شاگردوں کے حالات دیے ہیں ۔ راجا رام نراین موزوں شیخ محمد علی حزیں کے شاگرد تھے ۔ شفیق اورنگ آبادی کو آزاد بلگرامی سے نسبت تلمذ تھی ۔

سکھوں کے عہد میں پنجاب میں مولانا نور احمد صاحب چشتی ایک فاضل اجل تھے جنھوں نے تحقیقات چشتی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ۔ اکثر ہندو آن کے شاگرد تھے ۔ دیوان امر ناتھ اکبری مصنف 'ظفرنامہ رنجیت سنگھ' آن کا شاگرد تھا ۔ پچھلی صدی کے اکابر اساتذہ کے حالات زیادہ معلوم نہ ہوئے۔ میرزا غالب ، میرزا محمد حسن قتیل اور میرزا ہرگوپال تفتہ سے پہلے میاں نور العین واقف بٹالوی مشہور شعرا میں سے تھے جن سے اکثر ہندو شعرا نے تربیت حاصل کی ۔

مسلمان اساتذہ کی ہندو شاگردوں پر شفقت

ہم نے اساتذہ کا جو حال بیان کیا ہے وہ سرسری ہے ۔ اس کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ، صرف یہ ہے کہ ہندو اہل قلم اور مسلمان آستادوں کے باہمی تعلقات کا کچھ اندازہ ہو سکے ۔ آج جب کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہندو اور مسلمانوں میں یک گونہ مغائرت پائی جاتی ہے یہ بیان شاید تعجب انگیز ہو لیکن پرانے زمانے کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ایک بہشت تھا جس میں ہندو مسلمان برادرانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ ان کے مکاتب آج کل کی طرح جدا جدا نہ تھے بلکہ سب کی تعلیم یکجا ہوتی تھی ۔ استاد کو اپنے ہندو شاگرد کی تعلیم کا آسی طرح خیال تھا جس طرح مسلمان شاگرد کی بہبود کی فکر ۔ حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو مسلمان کی چنداں تمیز نہیں تھی ؛ ایک اخوت تھی ، برادرانہ تعلقات تھے ، مؤدت اور یگانگت تھی ، اور آج جو تلخی ہندوستان میں پائی جاتی ہے ، اس کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا ۔

حقیقت رائے کا افسانہ

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا بے حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بعض حلقوں میں حقیقت رائے کے افسانے

کو جو ترویج و اشاعت حاصل ہو رہی ہے ، اس کی کوئی حیثیت نہیں ۔ ڈاکٹر گوکل چند نارنگ نے اپنی کتاب ''ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز'' میں اس موہوم افسانے کو تاریخی رنگ دینے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں اطمینان ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے ۔ ان کا بیان ہے کہ ''اس قصے کا ذکر انگریز مؤرخین نے نہیں کیا صرف ملک راج بھلہ جو موجودہ عہد کے ایک پنجابی مصنف ہیں ، اس حکایت کو بیان کرتے ہیں اور اس زمانے کے ایک پنجابی شاعر ملکھی رام نے اس کو منظوم کیا ہے'' اور بس ۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے سوائے منشی سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ کے جو خود مہاراجا رنجیت سنگھ کے وقائع نویس تھے فارسی مؤرخین میں کسی نے اس افسانے کا ذکر نہیں کیا ۔ یہ واقعہ بقول ڈاکٹر نارنگ محمد شاہی عہد میں وقوع پزیر ہوا لیکن اس کے بعد بے شمار مؤرخین نے مستند تاریخی کتابیں لکھی ہیں ۔ ان سب کی خاموشی یہ کہہ رہی ہے کہ اس افسانے کی کوئی اصل نہیں اور موجودہ عہد کے خود غرض لوگوں نے اس کو خاص مقاصد سے رواج دیا ورنہ حقیقت میں 'حقیقت رائے' کا قصہ بے حقیقت ہے ۔

حقیقت رائے کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان استاد نے سیالکوٹ کے شہر میں حقیقت رائے پر اسلام کے متعلق ہتک آمیز الفاظ کہنے کے جرم میں قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا تھا جس پر قاضی نے اس کو پھانسی کی سزا دے دی ۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں ہندو شاگردوں اور مسلمان اساتذہ میں جس قسم کے تعلقات قائم تھے وہ آج موجود نہیں ۔ مسلمان استاد اپنے شاگرد کا روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے اس کی بہبود و رفاہ کا دل سے خواہش مند ہوتا تھا اور تلمیذ استاد کو ابِّ روحانی خیال کرتے ہوئے عزت و احترام کے تحفے اس کے قدموں پر نچھاور

کرتا تھا ۔ ذیل میں ہم بعض اقتباسات مسلمان اساتذہ اور ہندو شاگردوں کے متعلق لکھتے ہیں :

خان آرزو : مجمع النفائس میں اپنے ہندو شاگردوں کے متعلق لکھتے ہیں :

شہود : تخلص جوانے است مہذب ، مؤدب از قوم کایستھ ۔ آبا و اجدادش ہمیشہ در سرزمین بنگالہ و بہار بعمدگی امتیاز داشتند ، بوساطت خط عزیزالقدر خوشگو با فقیر آرزو ملاقات نمودہ ۔ خیلے حدید الفکر و جید الطبع بنظر آمد ، ہنوز اول مشق ست اگر مساعدت روزگارش دست دھد امید است کہ بپایۂ اعلی برسد ، انشاء اللہ تعالی......الخ ۔

عشرت : از براہمۂ کشمیر ست ۔ خیلے جوان اھلے است ۔ خدا از چشم مردم خودش نگاہ دارد ، بے چارہ مرد غریب با وفائے ست''............الخ ۔

خوشگو : ''از مدت بیست و پنج سال تخمیناً باین ہیچمدان ربط کلی بہم رسانیدہ و این عاجز ہم در تربیت او بتقصیر از خود راضی نشدہ و نیست ۔''

انند رام مخلص کے تعلقات خان آرزو کے ساتھ دوستانہ بھی تھے اور مربیانہ بھی ۔ خان آرزو لکھتے ہیں :

''چھتری خوش اخلاق باعث بودن فقیر آرزو در شاہ جہان آباد دھلی اخلاص اوست''........الخ ۔

تذکرۂ نشتر عشق میں لکھا ہے کہ : ''چون در ۱۱۳۲ھ (آرزو) در دارالخلافہ شاہ جہان آباد وارد شد او را با انند رام مخلص اتفاق مصاحبت افتاد ۔ بمناسبت طبع و حق آشنائی برائے خان مشار الیہ جاگیر و منصب و خطاب استعداد خانی از حضور حضرت جہان بانی حاصل نمود ۔ نیز خدمت گزاری خان موصوف از خود می نمود ۔''

بندرابن داس خوشگو نے ایک تذکرہ لکھا ہے جس کا نام سفینہ ہے ۔ اس میں وہ جہاں کہیں خان آرزو کا نام لیتا ہے ''خان صاحب قبلۂ نیازمنداں'' کا لفظ استعمال کرتا ہے ۔ انند رام مخلص کے رقعات سے بھی انتہائی خلوص اور عقیدت کا پتا چلتا ہے جو اسے خان آرزو سے تھی ۔

ہندو شاگردوں کی عقیدت

شفیق اورنگ آبادی کو اپنے استاد آزاد بلگرامی سے کمال عقیدت مندی تھی اور جہاں کہیں تالیفات میں ان کا ذکر آیا ہے ان کا نام بڑے ادب و احترام اور خلوص و ارادت سے کیا ہے اور ہر جگہ انہیں 'میر صاحب قبلہ' 'پیر و مرشد' یا 'قبلۂ و کعبۂ برحق' اور اپنے آپ کو 'غلام' لکھا ہے ۔ گل رعنا (جو شاعروں کا تذکرہ ہے) میں اس نے آزاد کا تذکرہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۔ اپنے کلام میں جا بجا حضرت کے کمال اور ان کے تعلقات و عنایات کا ذکر کیا ہے ۔ ایک پر زور قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

سرور ہر دو جہاں آزاد ہے — والیِ کون و مکاں آزاد ہے
کنت کنزاً کے معانی پر خبر — واقف سر نہاں آزاد ہے
مرکز ادوار چرخ چنبری — قطب‌الاقطاب زماں آزاد ہے

ایک فارسی غزل کے اشعار یوں ہیں :

لا مکاں است مقام آزاد — فوق عرش است خرام آزاد
صاحب ہر دو جہاں است شفیق — ہر کہ گردید غلام آزاد

ہم خوف طوالت سے شفیق کی تالیفات میں سے زیادہ مثالیں نہیں پیش کر سکتے ورنہ اس کی بہت سی غزلیں ایسی موجود ہیں جن کے ہر ہر حرف سے ارادت و عقیدت کے جذبات مترشح ہو رہے ہیں ۔

اسداللہ خاں غالب اور منشی ہرگوپال تفتہ کے تعلقات بے حد گہرے تھے ۔ میرزا غالب ہرگوپال کو از رہ شفقت میرزا تفتہ کہا کرتے تھے ۔ آردوئے معلی میں میرزا کے بے شمار خطوط تفتہ کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں ۔ میرزا کو تفتہ سے بے حد محبت تھی اور تفتہ بھی اپنے آستاد پر جان چھڑکتے تھے ۔ آردوے معلی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ناداری کے ایام میں تفتہ میرزا غالب کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے- چنانچہ لکھا ہے :

''سو روپے کی هنڈی وصول کر لی ۔ چوبیس روپے داروغہ کی معرفت اٹھے تھے وہ دے ، پچاس روپے محل میں بھیج دیے ، باقی چھبیس رہے وہ بکس میں رکھ لیے ... خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے ۔''

(آردوے معلی طبع مبارک علی صفحہ ۶۲)

ہندوؤں کے فارسی ادب کے مختلف ادوار

ہندوؤں کے فارسی ادب کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ پہلا دور عہد اکبری سے شروع ہوتا ہے جس میں تصانیف کی ابتدا ہوئی ۔ اس زمانے میں تصنیفی قابلیت کی کمی کی وجہ سے بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ دوسرا دور جہانگیر کے سن جلوس سے لے کر شاہ جہانی عہد کے اوائل بلکہ وسط تک ممتد ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں ہندو اپنی مذہبی کتابوں کو فارسی میں منتقل کرتے ہیں ۔ تیسرا دور عالمگیر کے زمانے سے لے کر مغلوں کے انحطاط پر ختم ہوتا ہے ۔ یہ زمانہ بہترین زمانہ ہے ، اس میں تاریخ ، انشا ، شاعری اور دیگر علوم و فنون پر بے شمار اعلیٰ کتابیں ہندو اہل قلم نے لکھیں ۔ اعلیٰ لغت نویس ، فارسی کے ماہر اور قابل سیاق داں پیدا ہوئے ۔ چوتھا دور مغلوں کے انحطاط سے لے کر آج تک ہے ۔ اس دور میں بہت کتابیں لکھی گئیں لیکن بے کار ! تصنع ، تکلف اور ناقص پیروی کی خرابیوں سے مملو!

لٹریچر کی وسعت

ہندو مصنفین نے تقریباً ہر فارسی مضمون پر طبع آزمائی کی ۔ خالص مذہبی کتابوں کے علاوہ انھوں نے تاریخ ، شاعری ، انشا، ریاضیات ، لغت ، موسیقی ، عروض ، اخلاق ، تراجم وغیرہ پر بہت سا سرمایۂ ادب پیدا کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ ، انشا اور ریاضی سرکاری دفاتر میں کاروبار کرنے والے ہندوؤں کے مخصوص علم تھے ۔ وقائع نویسی ، مراسلات ، سیاق و دستورالعمل انھیں عہدہ دار ہونے کے لحاظ سے تیار کرنے پڑتے تھے ۔ اس کے علاوہ بعض کام موروثی پیشے کی صورت اختیار کر چکے تھے ۔ لوگ جو کاروبار خود کرتے تھے اپنے بعد اسی منصب کا امیدوار بنانے کے لیے اپنے بچوں کو بھی وہی ضروری علوم سکھاتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ ، انشا اور سیاق بعض خاندانوں کے موروثی علوم معلوم ہوتے ہیں ۔

تاریخ

اب ہم مختلف علوم و فنون کو فرداً فرداً لیتے ہیں اور اس فن کی کتابوں کی اہمیت پر مختصراً رائے زنی کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے تاریخی سرمائے کو لیتے ہیں ۔

یہ امر مسلم ہے کہ قدیم ہندوؤں نے تاریخ سے کبھی اعتنا نہیں کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے میں انھوں نے علم تاریخ و اساطیر پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی ۔ کلکتہ ریویو کے ایک مضمون نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ ہر قوم کا طریقۂ تصنیف جدا ہوتا ہے اس لیے ہندوؤں کا طریقہ تاریخ لکھنے میں باقی دنیا سے جدا تھا ۔ چنانچہ 'پرانوں' کو تاریخی کتب قرار دیا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قوم اپنی افتاد طبع کے مطابق مختلف علوم پر نظر ڈالتی ہے ۔ ہر قوم کی انشا او طریق تصنیف خاص ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ہر لٹریچر

میں وہ عناصر ہونے چاہئیں جو ایک علم کو دوسرے علم سے ممتاز کرتے ہیں - عربوں اور یونانیوں کی تاریخ لکھنے کے انداز جدا جدا تھے لیکن ان میں تاریخ کو شاعری اور شاعری کو تاریخ میں مدغم نہیں کیا گیا - اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ پران فلسفہ و شعر کی کتابیں ہیں نہ کہ تاریخ کی - سر جادوناتھ سرکار نے صحیح لکھا ہے کہ ہندو ، علوم انسانی کی اس شاخ کی جانب مسلمانوں کی آمد کے بعد متوجہ ہوئے ، ہندوؤں نے مسلمانوں کی شاگردی اختیار کی - یہی وجہ ہے کہ ان میں مسلمان مؤرخین کی خوبیاں اور برائیاں ہر دو موجود ہیں - ہندو اس بارے میں اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر اس سختی کے ساتھ گامزن ہوئے کہ نہ صرف انداز تصنیف بلکہ مسلمانوں کے مخصوص محاورے اور اسلامی تراکیب و الفاظ بھی انھوں نے بلا تامل استعمال کیے -

ہندو جس فلسفیانہ میلان کے لیے مشہور ہیں اس کے پیش نظر ان سے توقع یہ تھی کہ وہ تاریخ میں اپنی اس استعداد ذہنی کو استعمال کریں گے اور سنین و شہور کے غیر مختتم سلسلوں کے علاوہ روزمرہ زندگی کے بے شمار نتیجہ خیز واقعات اور عام پبلک کی طرز بود و ماند پر بھی قلم فرسائی کریں گے - لیکن افسوس کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا - ان کی تاریخیں بھی ان خامیوں سے پر ہیں جن میں مسلم مؤرخین مبتلا تھے -

سر جادو ناتھ سرکار[۱] کے خیال کے مطابق ہندو ویدانتی نے اس دنیائے بے ثبات کے واقعات کو کبھی سنین و شہور کے میزان میں رکھنے کی کوشش نہیں کی - ہندوؤں نے تاریخ کی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے اکثر اسی قومی رجحان و اثرات کی حامل ہیں اور ان میں واقعات کے سال اور تاریخیں بہت کم ملتی ہیں -

اورنگ زیب کے زمانے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں

---

۱ - سرکار : مغل ایڈمنسٹریشن جلد ۱ ، صفحہ ۲۳۹ -

سے اکثر بہت عمدہ ہیں - یہ یاد رہے کہ مغلوں کے عہد آخر میں ہندو کاروبار سلطنت میں بہت زیادہ دخیل ہو گئے تھے اسی لیے اس زمانے میں جو کتابیں ان کے قلم سے نکلیں وہ تاریخی لحاظ سے بہت اہم سمجھی جاتی چاہئیں - ان کی معلومات بلا واسطہ ہوتی تھیں اور چونکہ اکثر واقعات میں وہ خود شریک ہوتے تھے اس لیے ان کے بیانات عینی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں -

منشی سجان رائے بٹالوی کی کتاب خلاصۃالتواریخ بہت اہم ہے - موجودہ زمانے کے اکثر فضلا نے اس کی طرف خاص توجہ کی ہے - شفیق اورنگ آبادی نے تاریخ پر وقیع اور اہم کتابیں لکھی ہیں - ہم ذیل میں چند اہم مؤرخوں اور ان کی اہم کتابوں کے نام درج کرتے ہیں :

خلاصۃالتواریخ	مصنفۂ	منشی سجان رائے
لب‌التواریخ	,,	بندرا بن داس
دل کشا	,,	بھیم سین
تصانیف	,,	لچھمی‌نراین‌شفیق
تاریخ شاہ عالم	,,	منا لال
سلطان‌التواریخ	,,	زخمی
تفریح‌العبارات	,,	سیل چند
عمدۃالتواریخ	,,	سوھن لال
گلزار کشمیر	,,	کرپا رام
تصانیف	,,	کیان سنگھ

تذکرے

تذکروں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں :

انیس‌الاحبا	مصنفہ	موہن لال انیس
سفینہ	,,	بندرابن داس
		خوشگو

گل رعنا	مصنفۂ	شفیق
شام غریباں	,,	,,
ہمیشہ بہار	,,	اخلاص
انیس العاشقین	,,	زخمی

ان میں سے سفینہ اور گل رعنا بہت اہم ہیں ۔

انشا

عہد مغلیہ میں انشا علوم کی ایک اہم شاخ سمجھی جاتی تھی ۔ سر جادو ناتھ سرکار اپنی کتاب 'مغلوں کے نظام حکومت' میں لکھتے ہیں کہ مغلوں کا راج کاغذی راج تھا ۔ انھوں نے ایک منظم اور باقاعدہ 'دفتر انشا' میں معاملات سلطنت کو مرکوز کو دیا تھا ۔ اس زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ بڑے بڑے امرا کے منشی اپنے ان خطوط و کاغذات کو محفوظ رکھتے تھے جو وہ اپنے اعلیٰ افسروں کے نام سے مختلف لوگوں کو لکھتے تھے، پھر ان کی زندگی میں یا مرنے کے بعد انھیں جمع کر لیا جاتا تھا اور ترتیب کے ساتھ شائع کر دیا جاتا تھا ۔ یہ مجموعے طالب علموں کے لیے بہت مفید سمجھے جاتے تھے ۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو بطور کتب درسیہ پڑھائے جاتے تھے لیکن زبان کے نقطۂ نگاہ کے علاوہ یہ مجموعے اس لیے بھی بے حد اہم ہیں کہ ان میں تاریخی مسالہ بھی ہے ۔ یہ فرامین ، دستاویزیں ، سندات اور دیگر کاغذات ایک مکمل تاریخ لکھنے کے لیے بہت مفید ہیں ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ تجربہ کار منشی اپنے بیٹوں کی تعلیم اور افادہ کی خاطر فرضی نمونے تیار کر دیتا تھا تاکہ لڑکے ان کی پیروی کریں ۔ یہ ذخیرہ جتنا مفید ہے افسوس ہے کہ اسی قدر اس سے بے التفاتی برتی گئی ہے ۔ سر جادوناتھ سرکار نے اپنی کتاب 'مغلوں کا نظام حکومت' میں انشاؤں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے ۔ بعض انشائیں ایسی بھی ہیں جن میں شاہان مغلیہ کے اصلی فرامین موجود ہیں ۔

ہندوؤں کو کسی محکمے کے ساتھ اتنی مناسبت نہ تھی جتنی دارالانشا کے ساتھ تھی - ہندو منشی بہت پسند کیے جاتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کام میں ہشیار تھے اور ان کی خدمات ایرانی منشیوں کی نسبت ارزاں مل سکتی تھیں - ایران نژاد منشیوں کی در آمد سترھویں صدی کے اواخر میں بوجہ سیاسی پیچیدگیوں کے بند ہو گئی تھی - لہذا ہندوؤں کی مانگ اور بھی زیادہ ہو گئی تھی -

بعض نامور ہندو منشی

بعض ہندو منشی مغلوں کے زمانے میں بہت مشہور ہوئے - ملک زادہ منشی نے اپنی کتاب 'نگار نامہ' میں جن انشا پردازوں کے نام گنائے ہیں ان میں یہ ہندو منشی بھی موجود ہیں :

چندر بھان برھمن ، ہنڈی داس [دارا شکوہ] ، اودے راج یا طالع یار رستم خانی ، گوبند چند ، سیتل سنگھ [عالمگیری] ہم ان میں ملک زادہ منشی کو بھی شامل کرتے ہیں - ان کے علاوہ منشی ہرکرن ، رگھناتھ سعداللہ خانی ، وامق کھتری ، مادھو رام، لچھمی رائے دھلوی ، لچھمی نراین دھلوی ، جوالا پرشاد وقار ، رتن سنگھ زخمی ، لچھمی نراین دبیر ، منشی سیتل داس ، کالی رائے تمیز ، منشی خیالی رام خیالی ، انند رام مخلص ، غیوری ، امر سنگھ خوشدل بھی مشہور منشیوں میں سے ہیں - ہمارے نزدیک برھمن ، ہرکرن ، مادھو رام ، رگھناتھ خاص طرز انشا کے مالک تھے -

اہم کتب انشا

ہندوؤں کے فارسی لٹریچر میں انشا کی کثرت ہے لیکن غیر معمولی طور پر اعلیٰ کتابیں تھوڑی ہی ہیں - طرز ابوالفضل کی پیروی عام منشیوں کا مابہ‌الامتیاز ہے لیکن 'منشآت برھمن' سادہ طرز میں لکھی گئی ہے - اس کے علاوہ ذیل کی کتابیں ہندوستان

میں بہت مشہور ہوئیں :

هفت انجمن ——— اودے راج یا طالع یار
انشاے ہر کرن ——— ہر کرن
نگار نامۂ منشی ——— اس کا دیباچہ بہت کار آمد ہے ۔
گلگشت بہار ارم ——— حیا
انشاے مادھو رام ——— درسی کتابوں میں شامل رہی ہے لیکن اس کی طرز بہت مشکل ہے ۔
دقائق الانشا ——— رنجھور داس
دستورالصبیان ——— بچوں کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے ۔
منشآت منشی خیالی رام

آخری زمانے کی انشائیں لفاظی ، تکلف اور تصنع سے پر ہیں اور ان میں بہت تھوڑی کارآمد اور فائدہ بخش ہیں ۔

سیاق

علوم فارسیہ کی یہ شاخ بھی ہندوؤں میں بہت مقبول ہوئی ۔ یہ حقیقت میں امور مالی اور دیگر انتظامات حکومت سے متعلق تھی۔ برھمن نے چار چمن میں سیاق داں منشی کی ضرورت پر بہت کچھ لکھا ہے ۔ یہ کتابیں طرز حکومت کی تشریح و توضیح کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہیں ۔ قانون گو ، امین ، کارکن اور دیوان سب سیاق کے ماہر ہوتے تھے ۔ سیاق کی بعض اہم تصنیفات یہ ہیں :

سیاق نامہ ——— نند رام
دیوان پسند ——— چھتر مل
منشآت منشی ——— گنیش داس
سراج السیاق ——— میڈو لال زار
خزانۃ العلم ——— کانجی

ریاضی

ہندوؤں نے ریاضی پر کتابیں اٹھارھویں ، انیسویں صدی میں لکھنا شروع کیں ؛ جب انگریز ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں سے زیادہ میل جول بڑھا تو انھوں نے اس سلسلے میں بہت سرگرمی کا اظہار کیا ۔ یہ کتابیں اہم ہیں :

مرآۃالخیال ـــــ جے موہن لال کایستھ

بدایع‌الفنون ـــــ میدنی مل

زبدۃالقوانین ـــــ ہرسکھ راے

'خزانہ العلم' کانجھی ؛ ریاضیات پر بہترین تصنیف ہے جس میں جدید علوم کے اثرات خاص طور پر نمایاں ہیں ۔

باقی علوم طبعیہ میں اشکی مصنف زیج ، فلسفی ، رتن سنگھ زخمی ، مرزا راجا جے سنگھ ، راے بجھو مل تمکین خاص دستگاہ رکھتے تھے ۔

شعرا

مغلوں کے زمانے میں فارسی شعر و شاعری کا بہت چرچا رہا لیکن آخری دور میں ہر تخلص رکھنے والا بھی شعرا میں شمار ہونے لگا ۔ اس لیے اعلیٰ درجے کے شاعر اب پیدا نہیں ہوتے تھے ۔ مرزا عبدالقادر بیدل فارسی کے آخری بڑے شاعر تھے ۔ ہندو شعرا عموماً زمانۂ انحطاط میں پیدا ہوئے اس لیے ان میں بلند پایہ سخن گو بہت کم ہوئے ؛ صرف برھمن ، مخلص ، شفیق اور ایک دو اور نام اعلیٰ درجے کے شاعروں میں شامل کیے جا سکتے ہیں ۔ متوسط درجے کے شعرا کے نام یہ ہیں : - یغم ، امانت ، شفیق ، خوشگو ، سدا نند بے تکلف ، شو رام حیا ، حکیم چند ندرت ، رام نراین موزوں ، سرب سکھ دیوانہ ، ذوق رام حسرت ، تفتہ ، زخمی ، امر سنگھ خوشدل ، صاحب رام خاموش ، رامجس محیط ، راجا گردھر پرشاد باقی ۔ ہندوؤں نے بہت سی مذہبی مثنویاں بھی لکھی ہیں اور ان کے کلام میں پیچیدگی اور تکلف بہت ہے ۔

لغت نویسی

لغت کی کتابیں اگرچہ کم ہیں لیکن ان میں بہت اعلیٰ درجے کی کتابیں موجود ہیں اور یہ پہلو ہندوؤں کے فارسی لٹریچر کا روشن ترین پہلو ہے ۔ بہار عجم ، مصطلحات وارستہ ، مرآة الاصطلاح کی قدر و قیمت غیر معمولی طور پر زیادہ ہے ۔

ترجمات

اکبر کے زمانے سے لے کر آخری زمانے تک ہندو اپنی مذہبی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرتے رہے ۔ انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوؤں نے اپنی مذہبی کتابوں کا نئے طریق سے مطالعہ کرنا شروع کیا اور مشنریوں کے الزامات کے جواب میں کئی کتابیں لکھیں ۔

خوش خطی

کتابت کے مختلف طریقوں میں ہندوؤں نے شکستہ خط میں خاص کمال حاصل کیا ۔ تذکرۂ خوش نویساں میں جن چودہ ہندو خوش نویسوں کا ذکر ہے ان میں سے بارہ کو شکستہ میں مہارت تامہ حاصل تھی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خط سرکاری کاغذات میں بہت کام آتا تھا اس لیے ہندوؤں نے اس کی جانب خاص توجہ مبذول کی ۔ تاہم خط کی دوسری انواع میں بھی اچھے اچھے خوش نویس موجود تھے ۔ تذکرۂ خوش نویساں میں مندرجۂ ذیل اسما موجود ہیں :

چندر بھان برھمن ، رائے پریم ناتھ آرام ، لچھمن سنگھ غیوری ، لچھمی رام پنڈت ، رائے سدھ رائے ، خوش وقت رائے رانگی شاداب ، راجا نند رام پنڈت ، کنور پریم ناتھ کشور ، راجا امید سنگھ ، رائے منوھر توسنی ، راجا ٹوڈر مل ، شنکر ناتھ پنڈت کشمیری ، شنکر نوساوی ، لالہ درگا پرشاد مضطرب ۔ مختلف لائبریریوں میں جو قلمی کتابیں محفوظ ہیں ، ان میں سے بہت سی

ہندو کاتبوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں -

ہندو لٹریچر کی مجموعی قدر و قیمت

گزشتہ صفحات کے مندرجات سے بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہندو مصنفین نے کس کثرت سے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھی ھیں ؛ اب ہم مجموعی حیثیت سے اس لٹریچر کی قدر و قیمت پر مختلف علما و فضلا کی آرا لکھتے ھیں -

ہمارے نزدیک عام ہندو مصنفین ہندوستان کے عام مسلمان مصنفین سے کسی طرح کم نہیں - ہندو فارسی دانوں کی جن خامیوں کا اکثر تذکرہ کیا جاتا ہے ان میں ہندوستان کے مسلمان مصنفین بھی بری طرح مبتلا تھے - تاہم جہاں تک انداز بیان کا تعلق ہے ہم محسوس کرتے ہیں کہ عام ہندو مصنفین کا سٹایل تصنع اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا اور بعض اوقات زبان کی اصلی روح سے ناواقفیت کا ترشح ہوتا ہے لیکن اعلیٰ انشا پردازوں میں یہ نقص بہت کم ہے - 'کایستھوں' کی 'فارسی دانی' غلطیوں کے لیے ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے - لیکن اس زمرے میں صرف دفتر کے کلرک شمار کیے جا سکتے ہیں جو معتاد اور رسمی کاروبار کے علاوہ زبان کی اندرونی گہرائیوں تک بہت کم پہنچتے تھے - جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں برھمن ، مخلص ، شفیق ، سالم ، اودے راج ، بہار ، وارستہ ، غیوری ، منوھر اور تفتہ وغیرہ جیسے ادیب ، مؤرخ اور انشا پرداز موجود ھیں تو ہمیں ہندوؤں کی فارسی دانی کی ہمہ گیر تنقیص اور تحقیر خلاف انصاف معلوم ہوتی ہے - ہم نے گزشتہ سطور میں جن اعلیٰ انشاؤں ، پر از معلومات تذکروں ، محققانہ تاریخوں ، مستند لغتوں اور شیریں زبان شاعروں اور نغز گوؤں کا تذکرہ کیا ہے وہ فارسی کے عام لٹریچر میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور فارسی ادب کی تاریخ لکھنے والا ان کے اعلیٰ رتبے کو فراموش نہیں کر سکتا -

غالب کے خیالات

گزشتہ صدیوں میں بھی یہ مسئلہ خاصا متنازع فیہ رہا ہے۔ ہندوستان کے مشہور شاعر اسد اللہ خاں غالب نے ہندوؤں کی اس حیثیت سے بہت کچھ انکار کیا ہے۔ برہان قاطع کے جواب اور تردید میں غالب نے 'قاطع برہان' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں برہان کی بہت سی غلطیاں ظاہر کی ہیں۔ غالب کے جواب میں آغا احمد علی مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا جس میں غالب کے خیالات کی تردید کی۔ اس رسالے میں آغا صاحب نے اپنے اقوال کی تائید میں بہار اور وارستہ اور قتیل کے اقوال پیش کیے تھے۔ غالب نے اس رسالے کا جواب نظم میں لکھا جو 'شمشیر تیز تر' کے نام سے مشہور ہے۔ ہم اس رسالے سے چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوگا کہ غالب کے نزدیک بہار، وارستہ اور قتیل لائق استناد نہیں ہیں:

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخۂ
در خصوص گفتگوے پارس انشا کردہ است

در جہاں توأم بود روے وسے و پشت قتیل
پیشواے خویش ہندو زادۂ را کردہ است

ہندیاں را در زباں دانی مسلم داشتہ
تا چہ اندر خاطر والاے او جا کردہ است

با قتیل و جامع برہان و لالہ ٹیک چند
لابہ و سوگیری و لطف و مدارا کردہ است

گر چنیں با ہندیاں دارد تولا در سخن
من ہم از ہندم چرا از من تبرا کردہ است

'پیشواے خویش ہندو زادۂ را کردہ است' کی مزید تشریح محمد عبدالصمد فدا کے دو شعروں سے ہوتی ہے جو انہوں نے غالب

کے جواب میں لکھے تھے ۔ وہ شعر یہ ہیں :

هادیم قول بہار آورد چوں در بعض جا
می نویسد احمد او واحد را اعالی کرده است

اوستادے ماهر فن گر حکم شد قبح چیست
چوں نگارش را باهل پارس همتا کرده است

گزشته بالا اشعار سے واضح ہو گیا ہوگا کہ غالب اور ان کی جماعت بہار ، قتیل اور وارستہ تک کو لائق اعتنا نہیں سمجھتی لیکن ایک دوسری جماعت جس کا زاویۂ نگاہ زیادہ صاف ہے اعالی ہندو مصنفین کو بطور سند قبول کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتی جیسا کہ ع

اوستادے ماهر فن گر حکم شد قبح چیست......الخ

سے ظاہر ہوتا ہے ۔

ہندی ایرانی نزاع

غالب کے خیالات سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ غالب کی جماعت ہندو ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کی تحقیر کرتی تھی بلکہ اس رویے کی پشت پر 'ہندی اور ایرانی' نزاع ، مخاصمت اور رقابت کارفرما تھی اور اس معاملے میں ایرانی نژاد حضرات ہندوؤں اور ہندوستانی مسلمانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

امیر خسرو کے زمانے سے ہمیں اس رقابت کا پتا چلتا ہے لیکن مغلوں کے زمانے میں جب ایران کے شعرا اور فضلا بکثرت ہندوستان میں وارد ہوتے ہیں تو یہ جذبات تلخ تر ہو جاتے ہیں ۔ عرفی اور فیضی کی مخاصمت ، سعدی اور فیضی کے متعلق 'آسانی داد'[۱] کا لطیفہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات اس نزاع کے مختلف ثبوت ہیں ۔

۱ ۔ ''سخن فہمی عالم بالا معلوم شد'' والا لطیفہ ۔

مغلیہ عہد میں ملا شیدا ہندی ایک بزرگ گزرے ہیں انہیں تذکرہ نگاروں نے نہایت ھی مکروہ اور نازیبا القاب سے یاد کیا ہے ۔ والہ داغستانی[1] فرماتے ہیں :

''کہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اور پست فطرت تھا۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں ایرانیوں کی تعلی کے خلاف احتجاج کرتا تھا اور ایران نژاد متکبروں کا مضحکہ اڑاتا تھا ۔ ہم ذیل میں سفینۂ خوشگو[2] سے شیدا کی ایک کتاب کا دیباچہ نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ایرانی اور ہندی کی رقابت ان دنوں میں کتنی تیز تھی ۔

''ملا شیدا در خاتمۂ مثنوی کہ در تعریف کشمیر نوشتہ ، نوشتہ کہ ایرانیاں مرا بہندی نژاد بودن بمقدارے نہ نہند ... حرف آنست کہ ایرانی و ہندی بودن فخر را سند نگردد ، پایۂ مرد بہ نسبت پایۂ ذاتی ست و اگر ایرانیاں زبان طعن کشایند کہ فارسی زبان ماست ، زبان را بکام خود نیابند ، من بر ایشاں معنیٔ رنگیں عرضہ دارم ۔ آنچہ از بے تکلفی نوشتہ شد از راے راستی ست و از راستی رنجیدن کار اہل دانش نیست ۔''

جب شیخ علی حزیں ہندوستان میں وارد ہوئے تو یہاں کے لوگ بہت عزت سے پیش آئے لیکن انھوں نے بھی ہندوستانیوں کی تحقیر و تنقیص میں کسر اٹھا نہ رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں نے بھی ان پر اعتراضات کیے۔ تذکرۂ حسینی[3] میں لکھا ہے :

---

۱ - ریاض الشعرا (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ق ۱۲۱ ۔
۲ - سفینہ (قلمی) جلد ۲ ، ق ۱۷۷ ۔
۳ - تذکرۂ حسینی (قلمی) ق ۷۹ ۔

''چون شیخ در جنبِ شاعریِ خود شعرائے ہند را وقعتے نمی نہاد ، ازیں معنی عداوت بہم رسیدہ در پئے آہو گیریہا کمر بستند ۔''

اس نزاع کی تفصیل سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ غالب اور ان کے ہم خیال اس بارے میں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ ملکی اور وطنی عصبیت کی بنا پر ہندی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو بھی وہ درجہ دینے سے انکار کرتے تھے جس کے وہ بہمہ وجوہ مستحق تھے ۔

استعمالِ ہند

یہ ہندوستان کے فارسی ادب کی ایک خصوصیت ہے ۔ بلوخمن[1] فرماتے ہیں کہ 'استعمالِ ہند' ابوالفضل جیسے انشا پردازوں سے لے کر معمولی ضیافت نامہ لکھنے والوں تک سب کی تحریروں میں نمایاں معلوم ہوتا ہے ۔ پروفیسر محمود خان شیرانی[2] نے ضیاءالدین برنی ، شمس سراج عفیف ، امیر خسرو اور بے شمار دوسرے مصنفین کی کتابوں میں سے لا تعداد ہندوستانی محاورات جمع کیے ہیں ۔ 'استعمالِ ہند' کو بعض ادبا نے خلافِ قاعدہ قرار دیا ہے لیکن زبان پر وطن اور مکان کے اثرات کا ہونا کسی طرح بھی خلافِ قدرت نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ خان آرزو نے 'مثمر[3]' میں لکھا ہے :

''کہ آوردن الفاظ عربیہ و ترکیہ بلکہ زبان ارامنہ در فارسی مسلّم ست ؛ باقی ماند الفاظ ہندی و آں نیز بمذہب مؤلف دریں زماں ممنوع نیست ۔''

---

۱ - کنٹری بیوشنز صفحہ ۳۳ ۔
۲ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۲۹ء ۔
۳ - مثمر (قلمی پنجاب یونیورسٹی) صفحہ ٦٦ ۔

بہت سے ایرانی شعرا جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے ہندی الفاظ کا استعمال کیا اور بعضوں نے تو نہایت بے قاعدہ اور فضول[1] طریق سے استعمال کیا مثلاً کاشی کا یہ مصرع کہ :

''سر راجپوتاں جگت سنگ بود''

وغیرہ۔ تعجب ہے کہ ایرانی شعرا کے اس غلط استعمال کے باوجود بھی ان کے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا لیکن ہندی نژاد اور ہندو شعرا کی زبان دانی صرف اس لیے محل نظر ہے کہ وہ 'استعمل ہند' کے مجرم ہیں۔ ہندوؤں کی فارسی دانی پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں استعمال ہند کی کثرت ہے۔ لیکن اس کے جواب میں جہاں تک اعلیٰ مصنفین کا تعلق ہے ہم خان آرزو کا یہ فقرہ نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں :

''وبشنو بودن کلمۂ ہندی مخل فصاحت نیست چنانکہ سنائی می گوید ۔ ع

نہ دراں دیدہ قطرۂ پانی....الخ

قیاس نیز ہمیں گوید ، چہ بودن الفاظ عربی و ترکی در عبارات فارسی مخل فصاحت نیست ، پس لفظ ہندی چرا باشد ۔''

ہندی الفاظ کا بکثرت استعمال

ہم نے جو کچھ سطور بالا میں لکھا ہے وہ ہندی الفاظ کے معتدل استعمال کے متعلق تھا ؛ بعض مترجمین نے جنھوں نے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے ، سنسکرت اور ہندی الفاظ اپنی کتابوں میں اس کثرت سے لکھے ہیں کہ یقیناً ان کی موجودگی زبان کی صفائی اور پاکیزگی کے منافی ہے اور یہ ہمارے نزدیک

---

۱ - مثمر صفحہ ۸۸ تا ۹۳ : مخزن الفواید صفحہ ۳٦ ؛ سخندان پارس صفحہ ۲۳۸ ۔

ایک بہت بڑا نقص ہے جس میں متوسط درجے کے مصنفین اور عام محرر بری طرح مبتلا تھے - سکھوں کے عہد میں پنجابی زبان کے الفاظ اور محاورات کتابوں میں ملتے ھیں اور بعض اوقات پنجابی تلفظ بھی فارسی میں محفوظ رکھا گیا ہے - چنانچہ ذیل کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے :

''چشم بطریق دھیان پوشیدہ نشستہ بودند''

''دھوتی ھا بالاے ریسمان در تاب آفتاب گزاشته''

''آئین پوجائے مہنت ست''

''رسانندہ بعالم مکت و رستگاری''

انند رام مخلص لکھتا ہے ؎

''دارد ز ھنڈولۂ قفس تخت رواں''

''در جرگۂ مرغان چمن لال پری ست''

ایک خط میں لکھتا ہے :

''خوشۂ مروارید نا سفتہ یعنی سٹہ ھائے کل چار چمن امید کرد''

راے امانت رام امانت بھگت مالا میں لکھتا ہے :

این همه گــو سالها گــوالها　　پیش آں بــازی گــر تمثالها

آرتی می کرد در هر صبح و شام　　بر زبانش وصف حسن پاک شیام

راجۂ آں ملک جا در بزم داشت

خط شوق یاد بھگواں می نگاشت

مردم از جام بھجن بودند مست

رفتہ از آواز شاں دلها ز دست

ظفر نامۂ رنجیت سنگھ مصنفۂ امر ناتھ اکبری میں اکثر مقامات پر بٹالہ کی بجائے وٹالہ لکھا ہے اور لفظ 'جی' کا استعمال بکثرت ہے -

عام ہندو مصنفین میں یہ کمزوری بہت محسوس کی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان دانی پر ہمیشہ اعتراضات کیے گئے ہیں -

اس کے علاوہ متوسط درجے کے مصنفین اور عام اهل قلم
میں یہ نقص بھی ہے کہ وہ اصل ایرانی محاورات سے واقف نہیں
ہو سکتے تھے کیوں کہ عموماً محاورہ ہر ساٹھ سال کے بعد تبدیل ہو
جاتا ہے ۔ ان کی تحریروں میں وہ روانی ، وہ فراوانیٔ الفاظ ، وہ
شکوہ ، وہ بلندی نہیں جو اعلیٰ مصنفین کا طرۂ امتیاز ہے ۔ ان میں
تتبع کا مرض بدرجۂ اتم موجود ہے جو ان کی عبارات کو اور بھی
بے معنی بنا رہا ہے ۔ عام منشیوں کے پاس رسمی کاروبار چلانے
کے لیے کچھ پرانے گھڑے ہوئے فقرات اور محاورات موجود ہوتے
تھے جنھیں وہ اکثر استعمال کرتے تھے ۔ بلوخمن[1] کا یہ قول
کہ ''اٹھارھویں صدی کے آخر تک ہندو فارسی میں مسلمانوں کے
استاد بن گئے تھے'' زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ البتہ اس قدر
درست ہے کہ آخری زمانے میں ہندوؤں نے دفتری کاروبار پر
مسلمانوں سے زیادہ اقتدار حاصل کر لیا تھا اور ان میں مسلمانوں
کی نسبت فارسی تعلیم بھی زیادہ ہو چلی تھی ۔ چنانچہ آرنلڈ کے
بیان کے مطابق پنجاب میں جو 'فارسی اور قرآن' کے مدرسے
رایج تھے ان میں ہندو زیادہ داخل ہوتے تھے ۔

ہندوؤں پر فارسی تعلیم کے اسلامی اثرات[2]

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہندوؤں نے سٹایل کے علاوہ
بعض ان مذہبی اثرات و رسمیات کو بھی اپنی کتابوں میں قائم
رکھا جو مسلمانوں کی محبوب خصوصیات تھیں لیکن ہندوؤں
کا انھیں اختیار کر لینا بہت کچھ قابل تعجب ہے ۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، الحمدللہ ، صلی اللہ علیہ وسلم ،

---

۱ ۔ آئین (ترجمہ انگریزی) صفحہ ۳۵۲ ۔

۲ ۔ اس موضوع پر دیکھو میرا مفصل مضمون ''فارسی تعلیم
کا اثر ہندوؤں پر'' خیالستان (لاہور) اپریل ۱۹۳۰ع ، صفحہ
۳۳ ، ۳۸ ۔

اس کے علاوہ اپنے آپ کو ''برلب گور'' لکھنا اور ہندوؤں کے لیے ''واصل جہنم'' وغیرہ الفاظ اس کثرت کے ساتھ کتابوں میں آتے ہیں کہ اگر مصنف کا نام معلوم نہ ہو تو بمشکل پتا چل سکتا ہے کہ مصنف کوئی ہندو ہے[1] - جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں 'تاریخ' نے ہندوؤں میں کبھی علم کی حیثیت اختیار نہیں کی [اگرچہ کلکتہ ریویو (۱۹۰۸ع) کے ایک مضمون نگار نے پران کو تاریخی تصانیف قرار دیا ہے لیکن اس کا یہ قول ضروری دلیل و برہان سے معرا ہے] اس لیے یہ امر بلاخوف تردید پیش کیا جا سکتا ہے کہ 'تاریخ' ہندوؤں میں مسلمانوں کے طفیل پیدا ہوئی -

ہندو کلچر پر فارسی[2] کا جو اثر پڑا اس پر تفصیل سے لکھنے کا یہ موقع نہیں ؛ اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ بعض مصنفین اسلامی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں - مرزا ، خواجہ ، میاں وغیرہ القاب بہت سے ہندوؤں کے ناموں کے ساتھ ملتے ہیں - خود ہندوؤں کے ناموں میں عربی فارسی جزو مثلاً مشتاق رائے ، رائے حکیم چند ، دولت رائے وغیرہ بکثرت ملتے ہیں - مغلوں کی طرز معاشرت کا ہندوؤں کی زندگی پر گہرا اثر ہوا - اس میں فارسی زبان سے پیدا شدہ ذہنی انقلاب کا بھی بہت سا حصہ ہے -

خاتمہ

ناظرین! میں نے اسلامی عہد کے ہندوستان کا جائزہ لیا ہے - موجودہ تالیف اور ان مباحث کی غرض و غایت یہ ہے کہ ازمنۂ

۱- اس کے لیے دیکھیے ایلیٹ کی 'تاریخ ہند اپنے مؤرخوں کی زبانی' کا دیباچہ : ایضاً جلد ۸ ، صفحہ ۷ : ایضاً جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۳-

۲ - ملاحظہ ہو ڈاکٹر تارا چند ''ہندی کلچر پر اسلام کا اثر -''

متوسط میں جب کہ ہندو ایک محکوم قوم کی حیثیت سے رہتے تھے ، ہندوؤں کے ذہنی کارناموں اور علمی سرگرمیوں کا حال معلوم ہو سکے ۔ جس سے ایک طرف ان کی ذہنی بلندی اور دوسری طرف اسلامی حکومت کی روا داری کا ثبوت ملتا ہے ۔ یہ فی‌الحقیقت ہندوؤں کا ایک شان دار کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمان اساتذہ سے جو علوم سیکھے ان میں اتنا کمال پیدا کیا کہ بعض شعبوں میں اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے اور ادب اور زبان سے متعلق علوم میں ایسی دست رس حاصل کی جو صرف 'اھل زبان' کا حصہ ہے ۔

فارسی زبان کی تعلیم ایک ایسا تجربہ تھا جس کے فوئد کا سلسلہ مغلوں کی حکومت تک ھی محدود نہ رھا بلکہ اس نے ہنود میں ایسی استعداد ، ایسی فراست اور تطابق ماحول کی وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ مغلوں کے زوال کے بعد انگریزی تعلیم کے شیوع و رواج کے وقت بھی انھوں نے تحصیل علم میں سبقت کی جس کے منافع و مفاد کی وسعت اور ھمہ گیری سے انکار نہیں ھو سکتا ۔

مسلمانوں کے ساتھ اختلاط اور ارتباط نے علیحدگی اور تفرد کے متعلق ان کے توہمات کا بہت ازالہ کر دیا اور اسلامی تمدن نے ہندو سوسائٹی پر بعض ایسے گہرے اور خوش گوار نقوش چھوڑے جن کا اعتراف[۱] نہ کرنا انتہائی ناشکرگزاری ھوگا ۔ صدیوں تک فارسی زبان ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد کا ایک محکم ذریعہ بنی رھی ۔ یہ وہ واسطہ تھا جو حاکم و محکوم ، راعی اور رعایا کے درمیان ایک لازاول ربط پیدا کرنے کا وسیلہ ثابت ھوئی ۔ بہت ممکن ہے کہ یہ رسالہ حال و مستقبل کو ماضی کا رنگ دینے میں کامیاب ھو ۔

۱۔ اس کے لیے دیکھیے لین پول : میڈیول انڈیا)آخری باب)

ضمیمے

(۱) گرونانک کی فارسی تعلیم

(۲) مثنوی بغم بیراگی

(۳) بدائع وقائع انند رام مخلص

(از پرنسپل محمد شفیع ایم - اے)

ضمیمۂ الف

گرو نانک صاحب کی فارسی تعلیم کہاں تک تھی؟

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کہ گرو صاحب نے فارسی تعلیم کہاں تک پائی تھی، ہم پہلے مؤرخین کے خیالات کا خلاصہ درج ذیل کرتے ہیں -

'بابر نامہ' میں جو بابر کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، بابا نانک کے متعلق ایک حرف موجود نہیں -

'اکبر نامہ' وغیرہ میں ہندوؤں کے ایک فرقے کی طرف اشارہ ہے جس کو وہاں سیش کے نام سے پکارا گیا ہے -

اس کے علاوہ عہد اکبری کی تاریخیں بابا نانک کے حالات سے یکسر خالی ہیں - توزک جہانگیری میں بھی بابا نانک کا ذکر نہیں -

فارسی کی سب سے پرانی کتاب جس میں سکھوں اور بابا نانک کے حالات کسی قدر تفصیل سے درج ہیں غالباً 'دبستان مذاہب' ہے لیکن اس کتاب میں بھی گروجی کی تعلیم کے مسئلے پر زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا اس لیے وہ کتاب بھی ہمارے مطلب کے لیے چنداں مفید نہیں -

---

۱ - اس مضمون میں جہاں کہیں قلمی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے متعلق ہیں -

تاریخ پنجاب مصنفۂ غلام محی الدین بوٹے شاہ[1] میں لکھا ہے :
''چنانچہ از اشعار ھندی و فارسی آں کہ بنظم آوردہ ہمیں طرز معلوم می شود ۔''

یعنی مصنف کے نزدیک ان کے اشعار فارسی زبان میں موجود ہیں - چہار گلشن کا مصنف یوں رقم طراز ہے :
''بیان کمالاتش از تقریر و تحریر مستغنی[2] ۔''

منشی سوہن لال نے مہاراجا رنجیت سنگھ کے زمانے میں ایک تاریخ عمدۃالتواریخ[3] کے نام سے لکھی ہے - یہ مصنف لکھتا ہے :
''از اشارات و کنایات علم فارسی نیکو مطلع ۔''

میکالف[4] صاحب نے سکھ مذہب پر ایک مبسوط کتاب چھ ضخیم مجلدات میں تحریر کی ہے - صاحب موصوف کا بیان ہے کہ :
''میں نے اس کتاب میں سکھوں کے خیالات و روایات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور ہر چیز نہایت شدید سکھ نقطۂ نگاہ سے تحریر کی گئی ہے جس میں میں نے اپنی طرف سے کسی تنقید و جرح کی کوشش نہیں کی - یہی وجہ ہے کہ میں نے معجزات و خوارق کا ذکر کتاب کے طول و عرض میں بڑی کثرت کے ساتھ کیا ہے ۔''
پس اگر اس کتاب کو تمام سکھ قوم کی اصلی آواز اور فیصلہ سمجھیں تو غالباً بے جا نہ ہوگا - صاحب موصوف کے نزدیک یہ امر بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم سکھ مذہب کے بانی کو علم سے بے بہرہ ثابت کریں - آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس نہایت کافی داخلی شہادتیں موجود ہیں جو خود گرو جی کے کلام میں ہیں جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے

۱ - قلمی - ق ۱۵۳ -
۲ - قلمی - ق ۳۴ -
۳ - صفحہ ۲
۴ - History of the Sikhs -

کہ گرو جی نے فارسی تعلیم حاصل کی تھی[1] ۔ صاحب موصوف نے ایک اور دلیل دی ہے جو ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں اور وہ یہ ہے کہ رائے بولار نے (جو کہ مقام تلونڈی کے محافظ تھے) گرو نانک کے والد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تھوڑی بہت فارسی تعلیم حاصل کرایں تو ان کو ملازمت شاہی میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے[2] ۔ یہ دلیل اس لیے مسلم نہیں کہ اس وقت تمام سرکاری دفاتر ہندی زبان میں ہوا کرتے تھے ، اس لیے ملازمت حاصل کرنے کے لیے کسی کو فارسی عربی کی ضرورت نہیں محسوس ہو سکتی تھی ۔ آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ : ''گرنتھ صاحب میں اکثر فارسی کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور فارسی کے چند پورے شعر بھی ملتے ہیں ۔ ہم اس امر کو ایک مسلم حقیقت خیال کرتے ہیں کہ وہ فارسی کے ایک اچھے عالم تھے اور غالباً اسی مطالعۂ کتب فارسی نے ان کے دماغ میں عام رواداری کا مادہ پیدا کر دیا تھا[3] ۔'' صاحب موصوف نے بعض اور دلائل بھی دیے ہیں جن کو ہم سر دست نظر انداز کرتے ہیں ۔ کننگھم صاحب کی 'ہسٹری آف دی سکھس' ایک بلند پایہ کتاب ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ: ''ہمارے پاس اس پر یقین کرنے کے کافی دلائل موجود ہیں کہ گرو نانک نے اپنے آپ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب اور عقائد سے واقف کر لیا تھا اور ان کو مسلمانوں اور ہندوؤں کی کتابوں سے عام واقفیت تھی[4] ۔''

ینگس 'انسائیکلوپیڈیا آف اتھکس[5]' میں لکھتے ہیں : ''عام طور پر سکھ روایات کو قابل تسلیم نہیں قرار دیا جا سکتا ۔''

---

۱ ۔ میکالف جلد ۱ ، صفحہ ۱۱ ۔

۲ ۔ ایضاً ۔ ۳ ۔ ایضاً صفحہ ۱۵ ۔

۴ ۔ کننگھم صفحہ ۴۱ ۔

۵ ۔ صفحہ ۱۸۱ ۔

ان کے نزدیک گرنتھ صاحب پنجابی ، ہندی اور فارسی اشعار کا مجموعہ ہے - گرو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق ان کی تحقیق ہے کہ : ''نو سال کی عمر میں انہوں نے فارسی پڑھی[۱] -''

جنم ساکھی (۱۸۷۱ء ، مطبوعہ لاہور) کی روایت ہے کہ : ''گرو نانک صاحب نے کچھ ترکی بھی پڑھی -'' ٹرمپ صاحب[۲] کا خیال ہے کہ : ''ترکی سے مراد فارسی ہے جو اس وقت مسلمانوں کی زبان تھی -'' ٹرمپ صاحب کی تحقیق ہے کہ : ''گرنتھ صاحب میں نانک کے کچھ اشعار فارسی ملتے ہیں اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فارسی دانی بہت ہی معمولی درجے کی تھی -'' صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ جنم ساکھی مطبوعہ لاہور میں سے یہ الفاظ دیدہ دانستہ نکال دیے گئے ہیں کہ ان کو فارسی (ترکی) سے واقفیت تھی -

ڈاکٹر گوکل چند نارنگ اپنی 'کتاب ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز' میں گرو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''ان کی تعلیم باقاعدہ نہیں تھی -'' اس امر کے ثابت کرنے کے لیے وہ یہ دلایل دیتے ہیں :

(۱) نانک کی دوسرے مذاہب کی تنقید عالمانہ نہیں -

(۲) یہ قول کہ ان کا پہلا استاد مسلمان تھا ، مسلمان مؤرخین کا تصرف معلوم ہوتا ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ گرو جی کی آیندہ عظمت کا سہرا تعلیمات اسلام کے سر باندھیں -

(۳) فارسی کی ضرورت اس لیے بھی نہ پڑ سکتی تھی کہ دفاتر کی زبان ہندی تھی -

(۴) پنتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ گرو جی کا پہلا استاد گوپال پنڈت تھا جو سکول کا معلم تھا -

---

۱ - صفحہ ۱۵۱ ، ۱۸۲ -

۲ - ترجمہ گرنتھ صاحب ، دیباچہ صفحہ ۳ -

(۵) یہ امر بھی ممکن ہے کہ نانک سید حسن درویش کے سامنے بیٹھے ہوں لیکن اس میں شبہہ ہے کہ ان کو فارسی میں یا سنسکرت میں کوئی استعداد حاصل بھی ہوئی یا نہیں ۔

لیکن یہاں یہ سوال نہیں کہ نانک کی عظمت کس قوم کی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ؛ یہاں تاریخ کا سوال ہے جس کے ذریعے ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فارسی جانتے تھے یا نہیں اور اگر جانتے تھے تو کس قدر ۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُردو مصنفین کی آرا کا خلاصہ ہے ؛ اب ذیل کے حصے میں تین طریقوں سے ہم اس مسئلے پر روشنی ڈالیں گے ۔ پہلے پہل گرو جی کے ان حالات زندگی کا خلاصہ نقل کریں گے جن کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہے ۔ پھر گرنتھ صاحب کے بارے میں اپنی لسانی تحقیق پیش کریں گے ، اور بالآخر ایک مختصر سے خاتمے کے ساتھ مضمون کو ختم کر دیں گے ۔

ٹرمپ صاحب کے پاس جو جنم ساکھی ہے وہ ان کے بیان کے مطابق سب سے پرانی جنم ساکھی ہے ۔ اس میں کوئی خوارق اور دور از عقل معجزات نہیں ؛ گرو جی کے سیدھے سادے حالات مرقوم ہیں ۔ ٹرمپ صاحب بجا فرماتے ہیں کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جنم ساکھیوں کے بیانات میں اختلاف پیدا ہوتا گیا ۔ حتیٰ کہ سب سے زیادہ مختلف وہ ہے جو لاہور میں طبع ہوئی ۔ ہم ذیل کے شذرے میں صرف ٹرمپ صاحب کی مترجمہ جنم ساکھی کی روایات پر اعتبار کریں گے ۔

گرو نانک تلونڈی میں پیدا ہوئے ۔ ان کی پیدایش ۸۸۰ھ مطابق ۱۴۶۹ع میں بعہد سلطنت بہلول لودھی ہوئی ۔ ان کے والد تلونڈی میں پٹواری تھے ۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے کسی فارسی عربی لیاقت کی ضرورت نہیں

تھی - ہندی حساب کتاب کی زبان تھی اور اسی زبان میں تھوڑی بہت مہارت سے ملازمت حاصل ہو سکتی تھی -

بابا صاحب کی ابتدائی تعلیم کے متعلق مختلف بیانات ہیں - پنتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ گرو جی نے گوپال پنڈت کے سامنے زانوئے تلمیذ تہ کیا مگر بہت جلد وہاں سے آٹھ آئے - آدی گرنتھ میں پنڈت صاحب کے ساتھ معمے کے رنگ میں مکالمہ موجود ہے - اکثر مصنفین سیرالمتاخرین[۱] کی اس روایت پر اعتبار کرتے ہیں کہ آپ کے پڑوس میں سید حسن نام ایک درویش رہا کرتے تھے ان کو گرو جی سے بے حد الفت تھی ، انھوں نے گرو جی کو فارسی زبان میں تعلیم دینا شروع کی - میکالف صاحب نے ، فارسی معلم کے ساتھ جو مکالمہ گرو جی کا ہوا تھا وہ درج کیا ہے - مگر وہ رکن الدین قاضی کے ساتھ ہوا ؛ اس میں سید حسن درویش کا نام نہیں آتا - ٹرمپ صاحب[۲] نے اس امکان کو تسلیم کیا کہ گرو جی نے سید حسن سے کچھ استفادہ کیا ہو - ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کا خیال ہے کہ گرو جی کو فارسی ، سنسکرت ہر دو زبانوں میں کوئی زیادہ دست رس حاصل نہ تھی لیکن شاگردی کے معاملے میں ہر دو امکانات کو تسلیم کرتے ہیں[۳] - اکثر مؤرخین کو اس امر سے کہ وہ اپنی زبان میں بے تکلف فارسی کے الفاظ بولتے ہیں ، یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ انھوں نے ضرور کسی استاد سے فارسی حاصل کی ہوگی -

بٹالہ میں آپ کا بہنوئی جے رام دولت خان لودھی کے مودی خانے میں ملازم تھا - بیان ہے کہ وہاں آپ نے ملازمت اختیار کی مگر طبیعت سے مجبور ہو کر ملازمت ترک کر دی - کہتے

---

۱ - جلد ۲ ، صفحہ ۴۰۰ (طبع ۱۸۸۶ع) -
۲ - دیکھو نربہ جنم ساکھی ۳ -
۳ - ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز صفحہ ۹ -

ہیں کہ دولت خاں آپ کا بہت احترام کرتا تھا ۔ فقرا کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا ذکر بے حد طویل ہے ۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے وہ ہندو مسلمان کے امتیاز سے بالا تھے ۔ مسلمان فقرا کے ساتھ بیٹھتے اور اٹھتے تھے ۔ تاریخ پنجاب میں ان تمام اولیاء اللہ کا نام لکھا ہے جن کی خدمت میں بابا نانک تشریف لے گئے[1] ۔

بابر نامے میں گرو جی کا ذکر کہیں نہیں آتا ۔ البتہ گرنتھ صاحب میں ایک مقام پر بابر بادشاہ کا ذکر آتا ہے ۔ نیز جنم ساکھی مترجمہ ٹرمپ صاحب بھی تفصیلی ملاقات کے ذکر سے خالی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے ساتھ گرو جی کی ملاقات کے افسانے اکثر و بیشتر موضوع ہیں ۔

رائے بولار کو آپ سے بہت عقیدت تھی ۔ یہ بھٹی ذات کے مسلمان راجپوت تھے ۔ گرو جی کے ساتھ ان کے تعلقات بہت مخلصانہ تھے ۔

ٹرمپ صاحب لکھتے ہیں کہ بابا صاحب کا سفر مکہ محض افسانہ ہے اور اس میں کوئی اصلیت نہیں ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان اور ایران وغیرہ کا سفر آپ نے کیا اور وہاں کے فقرا و صلحا سے ملا کیے ۔ اکثر معاملات میں تبادلۂ خیالات ہوتا تھا ۔ آپ کے ہم سفر لوگوں میں ایک 'مردانہ ربابی' تھے جو ہر مقام پر آپ کے ساتھ گئے ۔

ہم نے گزشتہ واقعات میں صرف ان باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ تھا ۔ اس ترتیب و تعیین سے ہمارا ایک مقصد ہے جس کا ذکر ہم اس مضمون کے خاتمے پر کریں گے ۔ اب ہم گرو گرنتھ کا مطالعہ کریں گے تاکہ ہم گرو نانک کی فارسی میں دست رس کا حال معلوم کر سکیں ۔

---

۱ - تاریخ بوٹے شاہ (قلمی) صفحہ ۱۵۳ ۔

(۲)

گرو گرنتھ صاحب کا مطالعۂ لسانی

گرو گرنتھ صاحب کے پہلے محلے یعنی اس حصے کی تحقیق سے ، جو گرو نانک صاحب کی تصنیف ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ پنجابی اشعار میں فارسی الفاظ بکثرت استعمال کیے گئے ہیں ۔ صرف 'جپ جی' پر ہی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان اشعار میں فارسی کے لفظ بلا تکلف آئے ہیں ۔ مثلاً :

۱- کیو سچیاراں ہوے کیو کوڑے تٹے پال
حکم رجائی چلناں نانک لکھیا نال

گرو گرنتھ صاحب (لاہور ۱۹۱۶ع) صفحہ ۱

حکم : بمعنی عام
رجائی : بمعنی رضا

۲- گاوے کو جاپے دسے دور
گاوے کو دیکھے هادرا هدور
(ایضاً)

هادر : حاضر
هدور : حضور

۳- جنی نام دھایا گئےمسقت نال الخ (ایضاً ۔ صفحہ ۱۱)
مسقت : مشقت

۴- کھٹ ترسی مکھ بولنا مارن ناد گئے
(ایضاً صفحہ ۱۱)

ترسی : ترشی

صفحہ ۲۲ و ما بعد پر تقریباً ہر شعر میں فارسی عربی کے لفظ موجود ہیں ۔ مثلاً سفیدی ، تیر ، کمان ، ذات ، نظر (ندر) بادشاہ (پاتشاہ)، زور ، شمار ، بد فعلی (بد فیلی) غایبانہ (گیبانہ) وغیرہ ۔

ٹرمپ صاحب اور دیگر محققین نے بابا نانک کے چند خالص فارسی اشعار کا ذکر کیا ہے ۔ اس قسم کے اشعار جن میں فارسی گریمر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو یا جن کو کسی طرح فارسی کا شعر کہا جا سکتا ہو بہت کم ہیں ۔ میرے زیر نظر جو اشعار ہیں ان کی نوعیت یہ ہے کہ فارسی کے کچھ الفاظ (عموماً اسما) ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں جن کو جوڑنے کے لیے یا تو کوئی چیز موجود نہیں یا بعض اوقات پنجابی یا گرنتھ کی اصلی زبان کے ایک دو لفظ شعر کے اندر رکھ دیے گئے ہیں ۔ مثال کے طور پر گرو گرنتھ صاحب صفحہ ۶۵ ملاحظہ ہو ۔

۱- پیر پیکامبر سالک صادق شہدے اور شہید
شیخ مشائخ قاضی ملا اور درویش رشید

اس شعر میں جہاں تک میرا خیال ہے 'شہدے' اور 'اور' کے سوا کوئی غیر فارسی نہیں اس کے باوجود شعر کو بالکل فارسی شعر نہیں کہا جا سکتا ۔

۲- صدق صبوری صادقاں صبر توسہ (توشہ) ملایکاں
دیدار پورے..........................الخ
ایضاً صفحہ ۱۰۵

پہلا مصرع سارا عربی فارسی الفاظ کا مجموعہ ہے ۔

۳ - صدق کر سجدہ من کر مقصود
جیدھر دیکھا تیدھر موجود ایضاً

۴ - قدرت ہے قیمت نہ پائے
جا قیمت پائے کہی نہ جائے ایضاً

مہر معیت صدق مصلی حق حلال قرآن
سرم سنت سیل روجا (روزہ) ھوہ مسلمان
کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نواج (نماز)
تسبی (تسبیح) سانت..........الخ ایضاً صفحہ ۱۰۹

اس مثال میں اکثر الفاظ عربی کے ہیں ۔

نیز چند اشعار فارسی کے پورے بھی ملتے ہیں لیکن وہ بھی ایسے نہیں جو ہمارے لیے سند کا کام دے سکیں ۔ بلا شبہہ وہ مذکورہ بالا مثالوں کی نسبت زیادہ صاف اور واضح ہیں لیکن ایک دو اشعار کا موجود ہونا چنداں قوی دلیل نہیں ہے :

۱- یک عرض گفتم پیش تو درگوش کن کرتار
حقا کبیر کریم تو بے عیب پروردگار

۲- دنیا مقام فانی ، تحقیق دل دانی
ہم سرموئے عزرائیل گرفت دل ہیچ ندانی

۳- زن پسر پدر برادران کس نیست دستگیر
آخر بیفتم کس ندارد ، چوں شود تکبیر

۴- شب روز گشتم در ہوا کردم بدی خیال
گاہے نہ نیکی کار کردم ہم ایں چنیں احوال

۵- بدبخت ہم چو بخیل غافل بے نظر بے باک
نانک بگوید جن ترا ، تیرے چاکران پہ خاک
(راگ تلنگ ، محلہ پہلا)

کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے صرف اتنی ہی مثالیں کافی ہوں گی ۔ گرنتھ صاحب کے مطالعۂ لسانی سے میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے تو بقول ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کے ''گرو جی کی دوسرے مذاہب کی تنقید عالمانہ نہیں ۔'' ان کی زبان کا وہ انداز نہیں جو دوسرے مذاہب کے ایک جید عالم کا ہو سکتا ہے ۔

دوم یہ کہ محلۂ اول میں جتنے فارسی الفاظ موجود ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحب کے علم میں فارسی کے بہت کم الفاظ موجود تھے ۔

سوم جتنے الفاظ موجود ہیں وہ بالکل عام سے ہیں ۔ بظاہر وہ الفاظ عام زبان میں رائج ہو چکے تھے یا اگر رائج نہ بھی ہوئے تھے تو گرو جی نے مسلمان فقرا کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران میں اخذ کیے ہوں گے ۔

غرض صرف گروگرنتھ صاحب میں فارسی الفاظ کا موجود ہونا ہمارے نزدیک اس بات کی کافی اور مؤثر دلیل نہیں کہ گرو نانک فارسی زبان کے بلند پایہ عالم تھے جیسا کہ میکالف صاحب نے تحریر کیا ہے ، تاوقتیکہ ان کی فارسی دانی کے حق میں اس سے بہتر دلیل نہ مل سکے جو تمام ارباب نظر کے نزدیک حجت قاطع ہو ۔ کسی زبان میں غیر ملکی الفاظ کا ہونا بالکل معمولی اور عام بات ہے ۔ آج ورنیکلر میں اور عوام کی زبان میں انگریزی کے صدہا الفاظ موجود ہیں ۔ صرف ان الفاظ کا موجود ہونا ہمیں اس فیصلے پر نہیں لا سکتا کہ کوئی شخص اس زبان کا ماہر مان لیا جائے ۔

(۳)

گرو نانک جی کی فارسی تصنیفات

مدیر معارف نے فہرست کتب خانۂ آصفیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ بابا نانک نے علم اخلاق و تصوف پر دو تین کتابیں لکھی ہیں مثلاً (۱) الٰہی نامہ (۲) دل طلب (۳) مناجات در بحر طویل۔ راقم نے ایک خط لائبریرین آصفیہ لائبریری کے نام لکھا جس میں ان سے ان کتابوں کے صحیح حالات بہم پہنچانے کی درخواست کی ۔ اس کے جواب میں جو خط ان کی جانب سے موصول ہوا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ :

''دل طلب اور الٰہی نامہ ہر دو رسالوں کے مصنف کا نام معلوم نہیں ۔ دل طلب نظم میں ہے اور الٰہی نامہ نثر میں ہے ۔

ان ہر دو رسالوں کو بابا نانک سے کوئی تعلق نہیں - فہرست میں غلطی سے ان کو بابا صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے ، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں رسالے ایک مجموعۂ رسائل میں شامل تھے جن کے آخر میں بابا نانک شاہ کی مناجات ہے - فہرست نگار نے غلطی سے تمام رسالوں کو بابا نانک شاہ کی جانب منسوب کر دیا ہے - غرض دل طلب اور الٰہی نامہ ہر دو بابا نانک شاہ کی تصانیف نہیں ہیں -'' باقی رہا مناجات کا معاملہ تو وہ گرو نانک کی جپ جی کا ترجمہ ہے جو کسی نے بارھویں صدی ہجری میں کیا ہے -

گزشتہ بیان سے معلوم ہوا ہے کہ بابا نانک کی کوئی تصنیف فارسی میں موجود نہیں - جن محققین نے بابا نانک کے عالم ہونے پر زور دیا ہے - اکثر نے صرف اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ گروگرنتھ صاحب میں فارسی کی آمیزش ہے ، اس کے علاوہ انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی -

جہاں تک ہمارا خیال ہے گرو نانک صاحب فارسی کے عالم نہ تھے - ان کو صرف تھوڑے الفاظ پر عبور تھا جن کو گروگرنتھ صاحب میں وقتاً فوقتاً استعمال کرتے ہیں - زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ فارسی کی معمولی واقفیت رکھتے تھے - پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بابا نانک نے کئی ملازمین شاہی کے ساتھ ملاقاتیں کیں - ہند اور ماورائے ہند کے مسلمان مشایخ کےساتھ ان کی صحبتیں رہیں - اکثر مسلمان مرید ان سے فیض حاصل کرتے تھے - پس ان حالات میں ان کی زبان میں فارسی عربی الفاظ کا آ جانا لابدی اور ناگزیر تھا - مزید یہ کہ فارسی عربی کے جو الفاظ اور فقرے موجود ہیں وہ بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں بلکہ بگڑی ہوئی صورت میں ہیں - لہٰذا یہ خیال زیادہ قرین صواب ہے کہ بابا جی فارسی کا معمولی علم رکھتے تھے -

ضمیمہ ب

مثنوی

بیغم بیراگی[1]

سوانح

سوامی بھوپت رائے بیراگی[2] کھتری قوم سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کے آبا و اجداد پنجاب میں عہدۂ قانون گو پر فایز رہتے چلے آئے تھے ۔ مخزن‌الغرایب[3] میں لکھا ہے کہ بھوپت رائے بیراگی پٹن سرکار جموں کا رہنے والا تھا ، شعر و شاعری میں افضل سرخوش کا شاگرد تھا ۔ چنانچہ کلمات‌الشعرا[4] میں ہے کہ :

''بھوپت رائے بیغم آزاد مشرب بمذاق فقر آشنائی دارد و پیش فقیر مشق می گزارد ۔''

مخزن‌الغرایب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیغم بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح قانون گو ہی تھا کہ پنجاب کو چھوڑ کر دھلی آ گیا اور وہاں شیخ الشیوخ محمد صادق (ابنالحی ؟) کی خدمت با برکت میں حاضر ہوا ۔ شیخ کے دم قدم سے اس وقت دھلی بسطام بنی ہوئی تھی اور فقر و تصوف کا ذوق ان کی بدولت عام ہو گیا تھا ۔ بیغم نے بھی انہیں سے کسب سعادت کیا ۔

---

۱ ۔ یہ مضمون پہلے اورینٹل کالج میگزین میں شایع ہوا ۔

۲ ۔ تعجب کا مقام ہے کہ مسٹر اے ۔ ایف ۔ ایم عبدالقادر صاحب ، ایم ۔ اے ، پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ نے اسلامک ریویو ۱۹۲۹ع (جلد ۳ ، نمبر ۲) میں ایک مضمون کے دوران میں بیغم کو اکبر کا درباری قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰)۔ یہ قطعاً غلط ہے ۔

۳ ۔ قلمی مملوکۂ پروفیسر شیرانی صاحب ۔

۴ ۔ قلمی مملوکۂ یونیورسٹی لائبریری ۔

گل رعنا[1] میں لکھا ہے کہ بیغم کو نراین چند سے اتنا شغف ہو گیا تھا کہ بالآخر دنیا کو ترک کر دیا ۔

سفینۂ خوشگو[2] کا مصنف بندرابن داس جو بیغم کا شاگرد تھا ، اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ میں نے عمر کے چودھویں سال میں بیغم سے کسب علوم کیا تھا ۔

تصانیف

بیغم نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ہربودہ چندرو ناٹک اور مثنوی قصص فقرائے ہند کو ہندوستان میں خاص شہرت حاصل ہے ۔ علی‌الخصوص مثنوی فقرائے ہند کو بے حد قبول عام نصیب ہوا ۔ شفیق تذکرۂ گل رعنا میں لکھتا ہے کہ بیغم کی کلیات پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ ہمیشہ بہار[3] کے مصنف کا بیان ہے کہ ان دو کتابوں کے علاوہ بیغم نے کچھ اور صوفیانہ رسالے بھی لکھے ہیں جنھیں 'نراین چند' کے نام سے معنون کیا ہے ۔ کوئی تعجب نہیں کہ یہ رسالے نراین چند کی بجائے نراین بیراگی کی طرف منسوب ہوں جو بیغم کا گرو تھا ۔

کلام

بیغم کے دیوان کا ذکر کہیں بھی موجود نہیں ۔ اس کی نظمیات کا بیشتر حصہ فقر و عرفان کے جذبات سے لبریز معلوم ہوتا ہے ۔ تصوف کا اس کے دماغ پر بہت اقتدار تھا ۔ اسی مذہبی اور صوفیانہ ذہنیت کا اثر تھا کہ اس کا کلام زیادہ تر تصوف کے متعلق ہے ۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس بیغم کی مثنوی کے علاوہ اس کی نظم کا نمونہ بہت کم موجود ہے ۔ اس لیے اس کے کلام پر جامع تبصرہ کرنا حد امکان سے باہر ہے ۔ تاہم تذکروں کے

۱ - گل رعنا (بانکی پور لائبریری فہرست جلد ۸ ، صفحہ ۱۳۰)
۲ - بانکی پور لائبریری جلد ۸ ، صفحہ ۹۵ -
۳ - سپرنگر ، صفحہ ۱۱۹ -

بعض اشعار یہاں نقل کرتے ہیں ۔ خان آرزو نے مجمع النفایس[1] میں یہ شعر بیغم کی طرف منسوب کیے ہیں :

در فضاے عشق جاناں بوالهوس را کار نیست
ہر سرے شایستۂ سنگ و سزاے دار نیست

ہم چو صبحے از دل خورشید می آید بروں
وہ چہ جامست ایں کزو جمشید می آید بروں

مرا ابرو کمانے می کشد در بر، و می ترسم
کہ ایں در بر کشیدنہا چو ناوک دوروم اندازد

تذکرۂ روز روشن[2] میں یہ رباعی بیغم کے ذکر میں درج ہے:

دریا در موج و موج اندر دریاست
در ذات و صفات حق تفاوت ز کجاست

اے محو حقیقت نظر افگن بمجاز
بے رنگ بصد رنگ چساں جلوہ نماست

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مثنوی بیغم کا ایک قلمی نسخہ ہے اس کے ذیلی اوراق میں بیغم کی کچھ رباعیات بھی درج ہیں ۔ ہم ان میں سے کچھ یہاں نقل کرتے ہیں :

بیغم نقشے ز خود بروں باید بود
از چوں بگذشتہ بے چگوں باید بود

اعمال بد و نیک بطفلاں بگزار
وہم است (....؟) وہم چوں باید بود

---

۱ - قلمی (یونیورسٹی لائبریری) ق ۹۱ -
۲ - صفحہ ۱۱۶ -

بیغم سخن عشق بجز یار مگو
سربستہ سر کوچہ و بازار مگو
گر جملہ جہاں از تو حقیقت پرسند
زنہار جز اقرار ز انکار مگو

عارف کہ ز اسرار ازل آگاہ است
گویندش خلق ملحد و گمراہ است
در دیدۂ حق شناس خورشید نگاہ
ہر ذرہ کہ بینی ہمہ وجہ اللہ است

اے دل اگر آں عارض دلجو بینی
ذرات جہاں را ہمہ نیکو بینی
در آئنہ کم نگر کہ خود بیں نشوی
خود آئنہ شو تا ہمگی او بینی

ہر گاہ کہ ساز عیش بنیاد کنید
باید کہ دل غمزدۂ شاد کنید
یاراں چو دمے بیک دگر بنشینید
باللہ کہ از فقیر خود یاد کنید

مثنوی بیغم

بیغم کی عام شاعری کے اس اجمالی ذکر کے بعد ہم اس کی مثنوی کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ عام تذکرہ نویسوں نے اس کا نام 'قصص فقرائے ہند' لکھا ہے لیکن ہماری رائے میں یہ نام صحیح نہیں۔ اولاً اس لیے کہ یہ نام مصنف نے نہیں رکھا۔ ثانیاً اس لیے کہ مثنوی

گے مضامین صرف فقرائے ھند تک ھی محدود نہیں بلکہ اس میں فقرائے ھند کے علاوہ بعض اور مسلمان اکابر صوفیہ کی حکایات بھی ھیں ۔ ھمارے خیال میں اس کو قصص کے نام سے یاد کرنا بھی کچھ زیادہ صحیح نہیں ۔ اس لیے کہ اس میں ویدانت ، فلسفہ اور اسلامی تصوف کے نازک اور لطیف مسائل موجود ھیں ۔ جن تذکرہ نویسوں نے اس کو 'قصص' کے نام سے یاد کیا غالباً انھیں اس کی حقیقی قدر و قیمت کا احساس نہیں تھا ۔

اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ مثنوی کا جو نسخہ ھمارے پیش نظر ھے وہ فی‌الواقعہ 'بیغم' ھی کا ھے ، ھمارے پاس کئی دلائل ھیں ۔ مثلاً کتاب کے اندر بیغم کا نام متعدد بار آیا ھے ۔ مثلاً :

بیغم ما نیست بیغم ز اصل خویش
دایما جوید کنار وصل خویش
(ورق ۸)

هم چو من کس در جهان خورم مباد
کافر و مومن چو من بیغم مباد
(ورق ۶۹)

طوفہ عهدے بود بیغم پیش ازیں
آں چناں شاهاں فقیراں ایں چنیں
(ورق ۷۲)

شطح بیغم ، بیغم آمد در کلام
شطح بیغم نیست چوں شطح الام
(ورق ۸۳ب)

گل رعنا میں شفیق نے قصص فقرائے ھند کے سلسلے میں لکھا ھے کہ اس میں بام دیو (نامدیو) کی پرلطف کہانی موجود ھے ۔ چناں چہ یہ قصہ ھمارے نسخے کے ورق ۱۱۲ پر شروع ہوتا ھے ۔ کتاب کا مطالعہ اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ھے کہ یہ ضرور

کسی ہندو صوفی کی تصنیف ہے ۔ چناں چہ ذیل کے اشعار اس امر کا اعلان کرتے ہیں :

منکر ما منکر اہل صفا　　منکر ما منکر ارض و سما
منکر ما ، منکر رام و میام　　منکرما رو سیاہ خاص و عام
(ورق ۹۵)

کتاب میں ہندو اولیا و فقرا کی کرامات اور ان کے معجزات کا ذکر ہے ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نہیں اور یہ وہ چیز ہے جو مسلمان مصنفین کے نزدیک نہایت ضروری اور ناقابل حذف سمجھی جاتی ہے ۔ شروع میں مناجات کا ہونا ہمارے دعوے کی ذرا بھی تردید نہیں کر سکتا ۔ ہندو انداز خیال ، ویدانت کے نکتے ، کبیر و نانک کی شطحیات سب اس چیز کو ثابت کر رہی ہیں کہ اس مثنوی کا مصنف بجز 'بیغم بیراگی' کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔

شاگردی

بیغم کی وفات ۱۱۳۲ھ میں ہوئی تھی اس لیے یہ امر قرین قیاس ہے کہ بیغم نے ملا شاہ اور دارا شکوہ کے زمانے کی کچھ جھلک ضرور پائی ہوگی ۔ دارا شکوہ کا ماحول کچھ اس قدر صوفیانہ اور فلسفیانہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اکثر ہندو منشیوں کے متعلق یہ امر ثابت ہے کہ انھوں نے ترک دنیا کو احساس وجود اور علت زندگی کی مصیبت کے ختم کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا ۔ منشی چندر بھان برہمن نے دارا شکوہ کی وفات کے بعد عزلت گزینی کر لی ۔ منشی ولی رام ولی نے بھی یہی راستہ اختیار کیا اور کلفت حیات کو ترک آرزو سے مٹایا ۔ اگرچہ بیغم بیراگی کا دارا شکوہ کے دربار سے کوئی خاص تعلق معلوم نہیں ہوتا تاہم نراین چند کی صحبت میں وہ بھی از خود رفتہ ہو گیا اور پھر اس نگری کی راہ لی جہاں دارا شکوہ کا مقام تھا ۔

نراین بیراگی اور شیخ محمد صادق کے دوگونہ مواعظ سے اس کا قلب مجمع البحرین بن گیا تھا ۔ چنانچہ مثنوی میں ہم جا بجا ان دو رنگی موجوں کا سراغ پاتے ہیں جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں اسلامی اور ہندو تصوف کا رنگ علیحدہ علیحدہ پائیں گے ۔ اسی زمانے میں ملا شاہ (المتوفی ۱۰۷۲ھ) بہت بڑے صوفی اور عالم تھے ۔ یہ میاں شاہ میر لاہوری کے شاگرد تھے اور انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ 'مثنوی بیغم' میں مصنف نے خود حضرت ملا شاہ کا ذکر کیا ہے :

وہ چہ خوش فر مود ملا شاہ ما	شاہ ما آں عارف آگاہ ما
بین انساں گر نبودے درمیاں	اول و آخر نبودے غیرآں

(ق ۱۰۶)

ملا شاہ کا اثر

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیغم ملا شاہ کے خیالات سے بہت اثر پزیر تھا جس کا کچھ سراغ ہمیں مثنوی میں ملتا ہے ۔

مثنوی بیغم اور رسالۂ نسبت ملا شاہ میں سے ایک ایک اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

مثنویٔ بیغم	رسالۂ نسبت ملا شاہ
گر کسے تصنیف می سازد کتاب	ہر کہ تصنیف کردہ است کتاب
می‌نویسد اندراں دہ فصل باب	ہمہ آوردہ است فصل و باب
در کتابم نیست فصل و بابہا	بابہا در بیان ہر چہ کہ گفت
درکتابم نیست پیچ و تابہا	او ز ہر باب فصل و باب شگفت
درکتابم نیست جز ذکر خدا	فصل و بابے نہ درکتاب من
مثنویم نیست غیر از یک نوا	عددے ہم نہ در حساب من
عندلیب مست بساغ وحدتم	باب در توبہ و توکل نیست
سوختہ جانے ز داغ وحدتم	فصل در صبر و در تحمل نیست
	فصل من جز یکے سخن نبود
	گرد و گوئی است باب من نبود
(قلمی ق ۱۶)	(قلمی ق ۱۶۷)

مثنوی بیغم کی زبان اتنی شیریں اور صاف نہیں - فک اضافت جو زبان کی شریعت میں مکروہ سمجھی جاتی ہے ، بہت زیادہ ہے - تا ہم مطالب کے اظہار میں بیغم کامیاب معلوم ہوتا ہے - جو وہ کہنا چاہتا ہے پڑھنے والے کے ذہن نشین ہو جاتا ہے ، جیسا کہ ہم آیندہ چل کر تفصیل کے ساتھ بتلائیں گے - رومی کا انداز بیان مثنوی بیغم میں زیادہ نمایاں ہے - رومی کے خاص الفاظ ، اے عمو ، اے داد خواہ وغیرہ بہت ملتے ہیں - اس کے سٹایل میں تکلف بالکل نہیں اور تصنع اور بناوٹ سے بالکل بری ہے - وہ خود لکھتا ہے :

آں چہ می آید بدل از سوے حق
بے تکلف می نگارم بر ورق (ق ۹)

مثنوی کی بعض خصوصیات

اب ہم اس مثنوی کی خصوصیات پر نگاہ ڈالتے ہیں - ہمارا خیال ہے کہ فارسی کے ہندوستانی لٹریچر میں بیغم کی مثنوی کو خاص درجہ حاصل ہے - چونکہ اس مثنوی کے متعلق پہلے بہت کم ذکر کہیں آیا ہے اس لیے ہم اس کی خاص باتوں کو قدرے تشریح کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں :

رومی کی صداے بازگشت

مثنوی بیغم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مولوی رومی بیغم بیراگی کے روحانی اُستاد تھے - مثنوی بیغم مولانائے روم کے خیالات کی صداے بازگشت معلوم ہوتی ہے - بیغم مثنوی رومی کا شیدائی ہے - چنانچہ کتاب کی ترتیب ، خیالات کی نوعیت ، تصوف کے تفلسف کی جھلک سب باتیں اس حقیقت نفس الامری کو عالم آشکارا کر رہی ہیں کہ اگرچہ ہم نے ملا شاہ ، نراین بیراگی اور شیخ صادق قدس سرہ کی تصانیف اور فیوض صحبت کا اثر بیغم پر ثابت کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیغم کا اصلی سرچشمۂ فیض اور

سب سے بڑا منبع عرفان رومی تھا - بیغم کی مثنوی یوں شروع ہوتی ہے :

دل طپید نہا حکایت می کند
چشم خونباران روایت می کند

تا ز اصل خود جدا افتادہ ام
داد بے تابی چو بسمل دادہ ام

گہ چوں بسمل طپم در خاک و خوں
گہ چو بوئے گل روم از خود بروں

گاہ گریم ہم چو ابر نو بہار
گاہ پیچم ہم چو زلف تابدار

گاہ نعرہ می زنم بر روئے گل
گاہ می جوشم بخم در رنگ مل

آتشے در سینہ دارم شعلہ زن
چیست آں آتش بدل حب‌الوطن

(بیغم قلمی ورق ۱ ، ۲)

ان اشعار ابتدائیہ کے ساتھ ساتھ اگر مثنوی کے ان اشعار کو بھی پڑھیں تو ان میں ایک خاص مماثلت محسوس ہوگی :

بشنو از نے چوں حکایت می کند
و ز جدائیہا شکایت می کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

آتش عشق ست کاندر نے فتاد
جوشش عشق است کاندر مے فتاد
(رومی ، نکلسن ایڈیشن ۔ صفحہ ۲)

مثنوی رومی کی دو خصوصیتیں

مولانا شبلی سوانح میں لکھتے ہیں کہ مثنوی کی خصوصیات ممتاز دو ہیں ۔ پہلی خصوصیت اس کا طریقۂ استدلال یعنی تمثیل کے ذریعے دلیل لانا ہے ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حکایتوں اور افسانوں کے ضمن میں مسائل کی تعلیم دی گئی ہے ۔ بیغم نے اس معاملے میں بھی مثنوی کا تتبع کیا ہے ۔ یہ رومی کا ہی فیض معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی بیغم کے اندر کچھ نہ کچھ جذبہ موجود ہے ۔ قیاس تمثیلی کو کامیابی کے ساتھ نباہنے کے لیے تخیل کی بلندی اور خیالات پاکیزہ کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ رومی جس بیان کو لیتے ہیں ایسے تمثیل کے ذریعے اس قدر آساز اور قریب الفہم بنا دیتے ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی ان کی اصل بات کہ پا لیتا ہے ۔ بیغم کا تخیل اگرچہ اتنا بلند نہیں ، تاہم رومی کا ہلکا سا رنگ موجود ہے ۔ مثلاً اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ عارف پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس کے لیے اناالحق کہہ دینا جایز ہوتا ہے تو ایک کہانی کے بعد اس طرح بیان کرتا ہے :

آهن از آتش کند چوں سرخ رو
خود اناالنار ست لافش مو بمو
گر بر آئینہ نتابد آفتاب
آں زماں باشد انا الشمس جواب
گر فتد در بحر قطرہ از ہوا
ہیں انا البحر ست کوشش را ندا
آں انا الحق آں زماں گفتن سزا ست
در معنی آں زماں سفتن روا ست

مثلاً یہ ثابت کرنا ہے کہ روح انسانی یا اضافی کو جس انسان کے فنا ہو جانے کے بعد کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو اس کے لیے یہ انداز اختیار کیا ہے :

روح انسانی ست یک روح جہان
روح انسانی ست ہمچو آسمان
گر ہزاران خانہ ہا برپا شود
نور شمس اندر ہمہ پیدا شود
در ہزاران خانہ ہم گردد خراب
ہم چناں برخاست نور آفتاب

وحدت و کثرت کے مسئلے کی تشریح کرتے ہوئے یہ انداز بیان اختیار کیا ہے :

وحدت و کثرت تجلیہائے ذات
فہم کن حرفم ز روئے التفات
بحر وحدت تاکہ در آرام بود
ایں حباب و موج ہا گمنام بود
گشت چوں عیاں وحدت موجزن
شد حباب و موج دریا بی سخن
نقش بر آب ست ہیں موج و حباب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب
چیست وحدت بحر بے موج و حباب
چیست وحدت ایں دل بے پیچ و تاب
چیست کثرت جلوۂ حسن نگار
چیست کثرت گلستان نو بہار
چیست وحدت ایں دل بے آرزو
چیست وحدت ایں گل بے رنگ و بو
چیست وحدت آفتابم در خفا
چیست وحدت صافی اہل صفا

وحدت و کثرت بود چوں روز و شب
ایں سخن بہتر بود در زیر لب
(ق ۹۵ ب و مابعد)

جس طرح رومی نکات فلسفہ اور مسایل تصوف کو تمثیلی حکایتوں کے ذریعے عام فہم اور دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ھیں اسی طرح بیغم بھی چھوٹی چھوٹی حکایتیں اور قصے لاتا ہے ۔ بعض پیر و مرشد کے مکالمے کی صورت میں ھیں ، بعض حیوانوں اور غیر ذی اشیا کی تقاریر ھیں اور بعض نامور بزرگوں کی منقولات ھیں ۔ ھم ناظرین کے تفنن طبع کی خاطر بعض حکایتوں کو مع چیدہ چیدہ اشعار کے یہاں نقل کرتے ھیں :

تصور

ایک دفعہ جنیدؒ کے کسی مرید نے آن سے سوال کیا کہ آپ کس کا تصور باندھا کرتے ھیں تو انھوں نے فرمایا بلی کا ۔ ایک دفعہ بلی میرے کمرے میں آئی ؛ آتے ھی کیا دیکھتی ہے کہ ایک چوھا ایک سوراخ سے نکلا ایکن بلی کو دیکھ کر وہ فی الفور اپنے بل میں گھس گیا ۔ اس پر اس بلی نے متواتر کئی گھنٹوں تک نہایت استقلال ، ضبط ، تمرکز خیال سے انتظار کیا ۔ بالآخر وہ چوھا بلی کے پنجے میں آ گیا ۔ چنانچہ اس کے بعد سے میں اس بلی کو ھادی راہ سمجھتا ھوں ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ھیں :

در طریقت ھا کم از گربہ مباش
چند گویندت سخنھا فاش فاش

ہستی باری کی حقیقت کو یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں؛ یہ مادی دماغ اس کی کنہ کو نہیں پا سکتے ۔ لیکن ھم اس کی ھستی کو اس کی صفات سے جان سکتے ھیں ۔ اس بحث کو ایک فلسفی اور صوفی کے مناظرے کے ضمن میں بیان کیا ہے جس میں فلسفی کو مسکت جواب دیا ہے اور صحت کے عدم ادراک و عدم

وجدان کی تمثیل سے وجود باری پر استدلال کیا ہے ۔ ایک فلسفی ارباب حال پر طعنہ زنی کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لوگ بے سود تلاش میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں ۔ جو خود وہم اور قیاس اور خیال سے پاک اور بلند ہو اس کی تلاش اور اس کے ساتھ ملنے کی خواہش بھی جنون سے کم نہیں :

آں کہ باشد پاک از وہم و خیال
عشق او ہم باشد از فکر ال

صحت کی تمثیل

اس کا خیال تھا کہ وجد اور حال سرا سر تلبیس ہے اور ان کے اندر ذرہ بھر حقیقت نہیں ۔ بے خودی کو جنون، استغراق اور تصور کو دیوانگی اور سعیِ لا حاصل سمجھتا تھا ۔ اتفاقاً وہ فلسفی بیمار پڑ گیا ۔ ہر چند اس کا علاج کرتے تھے لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوتی تھی ۔ ایک صوفی صاحب نے جب فلسفی کی علالت کا حال سنا تو تیمارداری کی خاطر حاضر ہوئے اور پوچھا اچھا یہ تو فرمائیے کہ آپ اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کو پسند فرماتے ہیں ۔ کہا اس وقت تو صحت ہی مرغوب ترین مطالبہ ہے :

گفت صحت از تو خواہم اے جواد
نیست جز صحت تمنا و مراد
گفت صحت چیست بر گو زو نشان
صورت و شکلش بیاور در بیاں
او چہ دارد رنگ از سرخ و کبود
او چہ دارد قد و قامت در نمود
از جماداتست یا جنس غذا
یا ز حیوانست در ارض و سما
در دکانہا ہست یا جائے دگر
زود گو با من ازاں صحت خبر

فلسفی کا جواب

گفت صحت را نمی باشد نمود
صحت آمد پاک از جسم و وجود
اوست بیچون از کجا گویم نشان
نیست در کوہ و بیابان و دکان

صوفی

گفت‌چون‌خواهی‌تو بیچون‌را کنون؟
از کجا یابی تو بے چون و چگون
آں کہ بیچون ست چون آید بدست
زود گو با من تو ای دانش پرست

فلسفی

گفت زاں صحت ندانم من خبر
لیک دانم ایں قدر ای دیدہ ور
می رسد چون صحتم در جسم و تن
می شوم خندان و ریحان چون چمن
تندرست و چاق و فربہ می شوم
یک جوانم آں زماں دہ می شوم
ہست صحت بے گماں در روزگار
لیک ناید در نظر ای ہوشیار

صوفی نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میں 'ذات صحت' کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ صحت کے صفات کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں ۔ اگر آپ نے صحت کی ذات کو کہیں دیکھا ہے تو وہ بتلائیے : یہ تو اس کی صفات ہیں ۔ فلسفی نے کہا :

گفت من ذاتش نہ دیدم ہیچ جا
ذات او پاک ست از چون و چرا

صوفی

گفت گر از مذهب خود بگزری
رہ بسوے ذات صحت می بری

ذات صحت ذات حق ست اے جواں
چوں شوی منکر ز سیر لامکاں

وصف را بے ذات کے باشد وجود
کے بود بے ذات وصفش در نمود

حقیقت بشری کا علم

ایک فرضی کہانی میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ انسان اپنی بے خبری اور جہالت کی وجہ سے حقیقت عالم کو نہیں پا سکتا ورنہ اگر وہ خود اپنے اندر ، اپنی حقیقت کے اندر ، اپنے اسرار کے اندر غور کرے تو اس کو اس حقیقت کا پتا چل سکتا ہے ۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو مٹا ڈالے اور بحر حقیقت میں غوطہ زن ہو جائے ۔ گوہر مقصود اسی خود شکنی پر موقوف ہے ۔ ساری کتاب میں سے اس کہانی نے سب سے زیادہ راقم الحروف کو متاثر کیا ہے ۔ کہانی یہ ہے کہ ایک دفعہ برف ، موج آب کے پاس پانی کی حقیقت کا سراغ نکالنے کے لیے گئی ۔ موج آب نے جواب دیا ہے کہ خود میں بھی عمر بھر اس پیچ و تاب میں رہی کہ شاید پانی کا منہ دیکھ سکوں لیکن پانی کا پتا نہ چلا ۔ آؤ ہم تم دونوں 'حباب' کے پاس چلیں شاید وہ پانی کا پتا دے سکے ۔ چناں چہ برف اور موج حباب کے پاس پہنچے ۔ حباب نے کہا کہ میں خود ایک عرصے سے پانی میں اپنا خیمہ تانے کھڑا ہوں اور سراپا آنکھ بن کر اس انتظار میں ہوں کہ شاید کہیں شاہد مقصود سے ہمکناری ہو جائے لیکن افسوس کہ ہنوز کامیابی نہیں ہوئی ۔ اس کے بعد بیغم لکھتا ہے :

طرفه هنگامے و طرفه حالتے
آدمی را هست چندیں غفلتے

هیچ کس از خویشتن آگاه نیست
هیچ کس را خود دریں جا راه نیست

فضل حق باید که تا دل وا شود
فضل حق باید که دل گویا شود

فضل حق دانی چه باشد اے جواں
ایں وجود عارفاں و آگهاں

برف را گوید که پیش آفتاب
زود رو تا زود بینی روے آب

موج را گوید که خود را بشکند
خویشتن را باز در عمّاں زند

باز گوید عارف ما با حباب
چشم بکشا تا به بینی روے آب

جمله کس را بر تعین ها نظر
کس ندارد چشم بر اصل دگر

ایں تعین ها نباشد جز عدم
جز عدم نبود تو بر پا کن علم

باطن و ظاهر همه آب آمده
اول و آخر همه آب آمده

نام و نقش و موج و برف و هم حباب
تهمت ست ای نازنین بر روے آب

نام و صورت نیست جز وهم اے عمو
سر عرفاں فاش گفتم مو بمو

اسی قسم کی ایک اور کہانی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ بہت سی مچھلیاں ایک عمر رسیدہ مچھلی کے پاس 'حقیقت آب' کے استفسار کے لیے گئیں؛ اس بزرگ مچھلی نے ذیل کے اشعار میں ان کو جواب دیا :

غرقۂ آبید و از وے بے خبر !
این زماں باید زدن بر سنگ سر
آب دارد ماهیاں را در کنار
ماهیاں در جست و جویش بے قرار
هر چه غیر آب باشد در جهان
زود بنمائید ما را اے مہاں ؟

غرض یہ کہ اکثر مسائل کو رومی کی طرح حکایتوں اور قصوں ، مباحثات اور مناظرات کے ضمن میں بیان کیا ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر بیغم کی مثنوی سے مثنوی رومی کی چاشنی کو علیحدہ کر لیں تو بے مزہ ہو کر رہ جائے ۔ بیغم کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ہندو تصوف کو رومی کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور اس طرح اہل معنی کے دلوں میں اثر پیدا کر لیتا ہے ۔

تصوف اور ویدانت کی تطبیق

مثنوی بیغم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ویدانت اور اسلامی تصوف کو تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔ ان ہر دو روحانی سلسلوں کے اتصالی مقامات کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے ۔ مثلاً تصور استغراق، بے ثباتی عالم ، دنیا کا ایک وہم اور افسانہ ہونا ، وحدت‌الوجود وغیرہ مسایل اسلامی اور ہندو تصوف میں مشترک ہیں ۔ ہم ان سب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں :

تصور و استغراق : اس کی تشریح ایک کہانی کے ضمن میں کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ زادہ دارا شکوہ نے

بابا لعل سے تصور و استغراق کے متعلق سوال کیا ۔ بابا لعل نے جو کہ ایک ہندو صوفی تھے، ایک مثال کے ذریعے اس نکتے کو حل کیا ۔ یعنی ایک ہرن کو جب شکاری اپنے دام میں لے آتا ہے تو پہلے پہل وہ ہرن سخت پریشان ہوتا ہے اور ہر وقت پیچ و تاب میں رہتا ہے ۔ پھر شکاری آہستہ آہستہ اُس کی خوراک کم کر دیتا ہے ، تا آں کہ وہ ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور اس کمزوری کی وجہ سے نقل و حرکت بھی نہیں کرسکتا ۔ جب صوفی پر یہ مقام آتا ہے تو اسے تصور کہتے ھیں ۔ پھر شکاری کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ اب بھاگ نہیں سکتا اور اس کو ایک قسم کا اُنس ہوگیا ہے تو اس کے بندکھول دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی خوراک دیتا ہے ، تا آں کہ وہ شکاری کے ساتھ الفت پذیر ہو جاتا ہے ۔ اس حالت کا نام استغراق ہے ۔ اب کسی قید و بند کی حاجت نہیں رہتی ۔ چنانچہ لکھا ہے :

چوں نماند حاجتش با بند و دام
ہست استغراق در معنی تمام

رومی کا ایک شعر ہے :

درمیان کعبہ رسم قبلہ نیست
چہ غم از غواص را پا چپلہ نیست

بے ثباتی عالم : اس کو ایک افسانے کی صورت میں پیش کیا ہے ۔ وہ افسانہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک لڑکے نے دایہ سے دل خوش کن کہانی سنانے کی فرمایش کی ۔ دایہ نے کہا ایک ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا ۔ جو بے جسم و جان تھا ۔ دیار نیستی کا یہ سلطان مال و منال اور جاہ و حشمت کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ اس بادشاہ کی ایک نہایت صاحب جمال بیبی بھی تھیں ، لیکن بدقسمتی سے عقیم تھیں ۔ بادشاہ کے اس عقیدہ کے

بطن سے دو لڑکے بھی تھے ۔ ایک تو عدم سے وجود میں نہیں آیا تھا اور دوسرا لڑکا رنگ ہستی سے ابھی فارغ تھا ۔ یہ شہزادے جب بڑے ہوئے تو اکثر شکار کھیلنے جایا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ ایک ایسے باغ میں پہنچے جس میں درخت اور سبزے کا نام تک نہ تھا ۔ تا ہم ان شاہ زادوں نے ایسا محسوس کیا کہ اس باغ کی رونق خلدبریں سے بھی زیادہ تھی جس میں ہر طرف سرو کھڑے تھے ۔ اس بے برگ و نہال باغ سے ان شاہ زادوں نے اچھی طرح میوے کھائے ۔ اس باغ میں دو تالاب بھی تھے جن میں سے ایک میں پانی ھی نہ تھا اور دوسرا ابھی تک کھودا ھی نہ گیا تھا ۔ پھر وہ تالاب جس میں سرے سے پانی ھی نہ تھا اس کے پانی کی موجیں آسمان ہفتم تک پہنچتی تھیں ۔ اس تالاب کے اندر ان دونوں شاہزادوں نے غسل کیا ۔ نہا دھو کر وہ شکار گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے ۔ یہ شکارگاہ ایک تنکے کی نوک پر تھی ۔ اس شکار گاہ میں نہ کوئی ہرن تھا ، نہ شیر و پلنگ ۔ تاھم ان دونوں شاہ زادوں نے دو ہرن مار گرائے ۔ ان میں ایک ہرن ابھی تک رحم مادر میں ھی تھا اور دوسرے کا نقش وجود ابھی تک بنا ھی نہ تھا ۔ شاہزادوں کے خدمت گزاروں نے ان دونوں کو کباب کے لیے صاف کیا ۔ اس صحرا میں کوئی آگ کا سامان نہ تھا اس لیے مجبوراً ان خدمت گزاروں نے صحرا کے گوشے گوشے کو چھان مارا ۔ ہزار تلاش کے بعد صحرا کے ایک کنارے پر ایک محل دکھائی دیا ۔ اس محل میں دو بڑی بڑی دیگیں پڑی ہوئی تھیں ۔ ان دیگوں میں سے ایک بنی ھی نہ تھی اور دوسری بڑی اور بھاری بھرکم چیز معلوم ھو رھی تھی ۔

الغرض ان دیگوں میں آگ کے بغیر کھانا تیار کیا گیا ۔ کچھ گوشت کباب بنانے کی خاطر آگ پر رکھا لیکن سیخیں موج آب کی تھیں ۔ نا گاہ دو مہمان اس مقام پر وارد ہوئے ۔

آن کا بیان تھاکہ ہم 'وہم و امکان' کی بستی سے آئے ہیں ۔ ان مہانوں میں سے ایک تو مادر زاد اندھا تھا اور جو دوسرا تھا اس کی آنکھیں دکھائی ہی نہیں دیتی تھیں ۔ وہ جو بے چشم تھا یوں بولا :

ایک شہر میں دو ہمزاد دوشیزہ لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک ابھی شکم مادر سے پیدا ہی نہیں ہوئی اور دوسری رنگ ہستی سے آزاد ہے ۔ یہ حسن و جمال میں دنیا میں بے نظیر ہیں اور آفتاب و ماہتاب ان کے حسن کے مقابلے میں ماند پڑ جاتے ہیں ۔

جب ان شاہ زادوں نے یہ قصہ سنا تو ان کے دل میں ان لڑکیوں کا عشق جاگزیں ہو گیا اور انھوں نے اس شہر کی راہ لی ؛ ایک مدت تک چلنے کے بعد اس شہر میں جا پہنچے ۔

جب ان لڑکیوں سے ملاقات ہوئی تو ہزار جان سے آن پر عاشق ہو گئے ۔ اُدھر لڑکیاں بھی شاہ زادوں کے عشق میں بے جان ہوتی جاتی تھیں ۔ آخر ان کا آپس میں نکاح ہو گیا ۔ ان لڑکیوں کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک ابھی عدم کی قیود سے آزاد ہی نہ ہوا تھا اور دوسرا ابھی شکم کا زندان نشین تھا ۔

جب وہ شاہ زادے اس طرح با مراد ہو گئے تو وہ اپنی بستی کی طرف واپس آئے اور جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ بھی نہ تھا ۔ اس کے بعد بیغم اس کہانی کو ان اشعار پر ختم کرتا ہے :

ایں جہاں مانند ایں افسانہ است
ہر کہ بندد دل دریں دیوانہ است

غافلاں طفلند و ایں عالم چو خواب
یا خیال و یا حباب و یا سراب

غافلاں را چشم بر صورت کشاد
عاقلاں را دیدہ بر معنی فتاد
چشم معنی بیں اگر حاصل شود
صورت ہر دو جہاں زایل شود
بحر بیں باید نہ ایں جا موج بیں
کر چہ در موج است آں بحرالیقیں
آں دو تالاب و دو آہو و دو پور
معنی کونین آمد بے قصور
آں یکے فانی و دیگر مبہم است
آں کہ زیں معنی شد آگہ بیغم است
آں چہ آمد در نظر وہم است و خواب
یا سرابے ہست یا نقشے بر آب
ایں ہمہ خال و خط آمد بر وجود
ایں ہمہ آید عوارض در نمود

دنیا کے مبہم ہونے کا مسئلہ عام طور پر مسلم ہے ۔ داس گپتا نے اپنی کتاب تاریخ فلسفۂ ہند میں اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے : وہ لکھتا ہے کہ :

دنیا محض نمود ہے ، سراب ہے ۔ اس کی ظاہری دل آرائیاں بے حقیقت ہیں اور ان کا صحیح علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک ہم 'برہم' کو نہ پا لیں اور اس کو پا لینے کا اور بالآخر حقیقت عالم کے جان لینے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی عارضی ہستی کو ہستی کل میں محو کر دیں ۔ پھر ہمیں معنی بین آنکھ حاصل ہو سکتی ہے اور جب تک دل تمام دواعی نفسانیہ اور خواہشات سے پاک نہ ہو سکے صداقت کا راستہ ملنا مشکل ہے (داس گپتا[1] ۴۴۳)۔

1 - A History Of Hindu Philosophy.

اصل علوم خدا کی ذات ہے : ویدانت کا ایک اور مسلم مسئلہ ہے کہ تمام علوم کا مرکز اور اصل ذات خداوندی ہے ۔ بیغم نے اس مسئلے کو شیخ شبلیؒ اور جنیدؒ کے مکالمے کی صورت میں بیان کیا ۔ شیخ شبلیؒ نے ایک دفعہ حضرت جنیدؒ سے سوال کیا کہ دنیا میں اصل علوم کیا ہے ؟ جنیدؒ نے جو جواب دیا اسے ہم بیغم کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں :

ذات اللہ است اصل ہر علوم
نیست صرف و نحو و نے طب و نجوم
اصل جملہ علمہا ذات خدا ست
کز فروغش روشن این ارض و سماست
گفت دیگر چیست گفتا غیر این
نیست چیزے در زمان و در زمین

کرامت عوام و کرامت خواص : عام لوگ کرامت اسی چیز کو سمجھتے ہیں کہ کسی شخص سے خارق عادت صادر ہو ۔ لیکن بیغم ایک صوفی ہے ، اس کے نزدیک یہ کرامت نہیں ۔ وہ کہتا ہے :

این کرامت نیست منظور نظر
این کرامت دوست دارد بے خبر
این کرامت ہست پیش اہل دل
کاں کشد پایت بروں از آب و گل
جہل و نادانی ز تو دور افگند
سکۂ دانش ترا بر دل زند

گناہ کی حیثیت : ارباب تصوف بالعموم گناہ کو عذر اور مغفرت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ نہ کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بطلان لازم آتا ہے ۔

'ترک الذنب ذنب' مشہور مقولہ ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ توبہ انسان کو گناہ سے باز رکھتی ہے اس لیے توبہ سے توبہ کرنا اصل توبہ ہے ۔ چنانچہ بیغم لکھتا ہے :

جرم دارد فضل حق را در کنار
تحفۂ جرمے برو در دست آر
جرم گر بیش ست فضلش بیش هست
ور بود کم خاطرم زورش هست
جرم چندانے که می خواهی بکن
لیک گاهے در عبادت پا مزن

ترک توبه ، توبه آمد ای مهان
توبه از توبه کنید ای مهتران
توبه از توبه چه باشد ای عزیز
برکشیدن خویش را از هر تمیز

(۹م ب)

چنانچہ کبیر نے ایک دفعہ کہا تھا : ع
نام حق گر شد فرامش خوب شد
خوب شد از سر بلا مغلوب شد

الٰہیات

عشق اور خدا :

بیغم نے ذات خداوندی کے متعلق عجیب عجیب خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ ایک مقام پر 'عشق اور خدا' کو ایک ہی چیز کہا ہے : ع

گفت آں شیخ عرب اندر کلام
نیست معبود جہاں یک کس تمام

هست گر معبود عالم یک کسے
نیست غیر از عشق پیش حق رسے

دھر اور اللہ :

بیغم کے نزدیک دھر بھی خود خدا ھی ھے ۔ گیتا کے ایک بیان کے حوالے سے باسدیو کا قول نقل کرتا ھے جس میں کہتا ھے کہ ''خدا میرے ۔ یۂ دیوار میں رھتا ھے ۔'' ایک مغربی حکیم کا قول بالکل اس کے مشابہ ھے ۔ وہ کہتا ھے کہ ''خدا انسان کی سب سے بڑی مخلوق ھے ۔'' بیغم نے اپنے اس قول کو مسلمان صوفیوں کے اقوال کی مدد سے زیادہ پر زور بنایا ھے ؎

آں کہ حق خوانند او را خاص و عام
آں کہ اللہ ھست نامش در انام
او بود در سایۂ دیوار من
او بود یک غنچۂ گلزار من

قوتش از قوت پشتم بود
ھر دو عالم در دو انگشتم بود

ایں سخن کانست کاں بحر صفا
در کلام خویشتن کرد ایں نوا
''علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود''

یا بود ایں آں سخن کاں مرد حق
با مریداں داد آخر ایں سبق
''من دو سالم از خدائے خود کلاں
از یقین ست ایں نہ از روے گماں''
''من بزرگم از خداے خود دو سال
فہم ھا باید کہ دریا بد مقال''

قدرت بر محال :

بیغم کے نزدیک خدا بھی محال پر قادر نہیں ، کیونکہ اگر وہ محال پر قادر ہو تو وہ اپنے جیسا خدا بھی بنا سکے ۔ اگر خدا چاہے کہ انسان کو اپنی حدود مملکت سے باھر نکال ڈالے تو نہیں نکال سکتا ۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا تھا کہ خدا انسان کو نیست سے ہست کر سکتا ہے اور پھر ہست سے نیست ؛ اس سے معلوم ہوا کہ خدا محال پر قادر ہے ۔ بیغم اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ جو چیز کبھی 'ہست' ہو سکتی ہے اس کو نیست نہیں کہہ سکتے اس لیے یہ نظریہ باطل ٹھہرتا ہے ۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شے بجز خدا ہست نہیں لہٰذا کوئی شے نیست نہیں ۔

مظاہر :

بیغم کے نزدیک صفات اور مظاہر ، ذات اور اصل خداوندی کے ساتر نہیں بلکہ حقیقت میں صفات ھی ذات کے چہرے سے پردہ اٹھا دیتے ھیں ۔ چونکہ صفات دنیا میں اللہ تعالیٰ کا مظہر ھیں اس لیے انہیں کو ذات تک رسائی کا ذریعہ سمجھنا چاھیے ۔ دراصل صفات ھی ذات ہے ؎

رنگ و صورت گرچہ وہم اند اے پسر
بر ھدف لیکن دو سہم اند اے پسر
گر بظاھر ساتر ذات آمدند
در نگاھت جملہ آیات آمدند
رنگ و صورت ھم نباشد غیر حق
غیر حق آمد کجا اندر سبق
غیر حق نبود چو در کون و مکاں
پس چہ می پرسی ز من اے جسم و جاں

بیغم نے ذات ، صفات ، توحید ، تنزیہ ، تشبیہ وحدت ، کثرت ، وجود ، عدم ، مہر و قہر ، جمال و جلال ، مطلق اور مقید وغیرہ

ہر بھی کافی بحث کی ہے ۔ وہ خداوند تعالیٰ کی ذات کو اصل سمجھتا ہے ۔ لیکن انسان اور کائنات عالم سب ذات خداوندی کے اجزائے لاینفک ہیں ۔ خدا کو جو لوگ منزہ مانتے ہیں وہ بھی غلط ہیں اور جو مشبہ مانتے ہیں وہ بھی غیر صحیح ۔ اصل بات یہ ہے کہ ذات بے صفت منزہ ہے اور صفات مشبہ ہیں ۔ اسی طرح وحدت تو ذات خداوندی ہے لیکن اس کی صفات 'کثرت' ہیں اور یہ کثرت حقیقت میں وحدت کا مظہر ہے ۔ بیغم نے مہر و قہر ، جمال و جلال کو اللہ تعالیٰ کی دو صفات قرار دیا ہے ۔ یہ یا تو ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں یا زردشتیوں کی طرح یزدان و اہرمن کے قایل ہیں ۔ ایک ویدانتی کے نزدیک قہر اور جلال کوئی شے ھی نہیں ۔ مایا کی کار فرمائیاں ، گناہ کا خیال نمود اور سراب سے زیادہ کچھ نہیں ۔ بظاہر بیغم نے یہ خیال اسلامی تصوف سے اخذ کیا ہے ۔

ذات واجب :

ذات واجب کو ایک سمندر سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں ہزاروں موجیں اچھل اچھل کر بلند ہوتی ہیں لیکن پھر سمندر میں مل جاتی ہیں ۔ کائنات ارض اور لاکھوں کروڑوں آسمان اس کی وسعت ذات کے اندر مدغم ہو سکتے ہیں ؎

ذات حق آمد چو تخم اندر بیان
چوں شجر عالم بود در وی نہان
در تعینھا ست چوں کثرت نما
زیں سبب گفتند او را ماسوا
چوں محیط جملہ آمد ذات حق
آسماں خواندند او را در نظر

بیغم نے ایک اور نکتہ بھی پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ کو 'نیست' بھی کہہ سکتے ہیں ، اس لیے کہ

جو اس مادی جسم و صورت سے فارغ ہے، جس کے اندر ما و شما کی فطرت نہیں اس کو نیست بھی کہہ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ؎

آن کہ پاک از فطرت ما و شما ست
نیست گر گویند او را ہم روا ست

وحدت وجود :

وحدت وجود کا مسئلہ صوفیہ کا سب سے بڑا اصل الاصول ہے ۔ صوفیہ کے خیال میں توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا دنیا میں کوئی شے موجود ہی نہیں یا جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی خدا ہے ۔ دنیا میں تعدد اور کثرت جو محسوس ہوتی ہے وہ ض اعتباری ہے اور زیادہ قابل توجہ نہیں ۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر کہتے ہیں ؎

......................کہ توحید خدا
واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

مولانا روم بھی فرماتے ہیں ؎

گر ہزاران اند یک کس پیش نیست
جز خیالات عدد اندیش نیست

یغم بھی ایک صوفی ہونے کے لحاظ سے وحدت الوجود کا زبردست مبلغ ہے ؎

گر ہمہ ارواح یا اجسام ہست
جلوۂ آن یار سیم اندام ہست
گر ہمہ تحقیق یا تقلید ہست
مظہر یک جلوۂ توحید ہست
گر ہمہ مشہود یا موہوم ہست
ور ہمہ موجود یا معدوم ہست
گر ہمہ انواع یا اشخاص ہست
ور ہمہ عام ست یا خود خاص ہست

چه بساط و چه جواهر چه عرض
چه همه بے مطلبی و چه غرض
چه قوئ و چه طبایع چه حواس
چه امید و وهم و چه خوف و هراس
چه کواکب چه جماد و چه نبات
چه همه افعال و آثار و صفات
فی‌الحقیقت نیست غیر از یک وجود
این چنین گویند ارباب شهود

انسان

وحدت نسل انسانی :

بیغم کے نزدیک تمام نسل انسانی بلکہ تمام ذوی‌الارواح ایک ہیں ۔ ان کا ظاہری اور اعتباری فرق ان کے ذاتی علو میں کوئی فرق نہیں پیدا کر سکتا ۔ کفر و ایمان بھی ایک نور کے دو شعلے ہیں اصل میں ذات سب کی ایک ہے ؎

کافر و مومن فرنگی و یہود
ارمنی و گبر و ترسا و جہود
ہیچ کس از جود حق محروم نیست
سر این معنی بکس مفہوم نیست
ہر همه را داد ایزد دست و پا
ہر همه را داد حق برگ و نوا

بیغم نے وحدت نسل انسانی پر بہت زور دیا ہے ۔ اس سلسلے میں وہ شنکر آچاریہ کا ایک قصہ بیان کرتا ہے ۔ کہتے ہیں ایک دفعہ شنکر آچاریہ دریا پر نہانے کے لیے تشریف لے گئے ۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک خاک روب بھی چلا گیا ۔ جب شنکر آچاریہ جی نے اپنا اسباب دریا کے کنارے پر رکھا تو خاک روب نے بھی اپنے کپڑے وغیرہ ان کے کپڑوں میں ملا دئے ۔ اس پر شنکر آچاریہ

جی کو بہت غصہ آیا ۔ انہوں نے اپنے کپڑوں کو دریا میں غوطہ دیا ۔ خاک روب نے بھی جواباً اپنے کپڑوں کو دریا میں غوطہ دیا ۔ شنکر آچاریہ جی اس بات پر بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرا یہ عمل نہایت بے معنی معلوم ہوتا ہے ۔ تجھے یہ معلوم نہیں کہ میں شنکر آچاریہ ہوں اور یہ تیری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ تیرے کپڑے مجھ سے چھو گئے ورنہ تو کہاں اور ہم کہاں ! خاک روب نے کہا کہ جب تیرے کپڑے میرے کپڑوں کے ساتھ مل جانے سے نجس ہو سکتے ہیں تو میرے کپڑے بھی ناپاک ہو سکتے ہیں ؎

گفت آں کناس ای مرد سفیہ
یک زماں ننشستۂ پیش فقیہ
چشم تو بر پیشہ و کسب اوفتاد
دانش و ہوشت تمامی شد بباد
تو بکسب و صورتم کردی نظر
از رہ معنی فتادی بے خبر
تو کہ غیر از حق نداری بر زبان
ار کجا کناس گفتی ایں زمان

کافر و مومن فرنگی و یہود
ارمنی و گبر و ترسا و جہود
جلوہ ہائے ذات من ہست ای جوان
غیر ذاتم کیست در کون و مکان
گر بہ بیند چشم صوفی سوے غیر
باز ماند مرکب صوفی ز سیر
پاکی تن نیست مقبول خدا
پاکی دل ہست پیش حق روا

جب شنکر آچاریہ نے خاکروب سے یہ باتیں سنیں تو از خود رفتہ ہو گئے اور کہنے لگے ؎

خویشتن را ایں زماں بشناختم
سر باوج معرفت افراختم
پیش ازیں چشم خرد بُد موج بیں
بحربیں شد ایں زماں چشم از یقیں

حقیقت‌الحقائق :

بیغم کے نزدیک انسان مقصد کائنات ہے ، مرکز حیات ہے ، جامع صفات خداوندی ہے ، مظہر ذات ہے ۔ انسان کی حقیقت سے انکار کرنے والا خدا کا منکر ہے ، حقیقت‌الحقایق سے انکاری ہے ۔ انسان اگر نہ پیدا ہوتا تو شاید دنیا ھی بروئے کار نہ آتی ؂

گلشن عالم تجلی گاہ تست
خیمۂ افلاک در دو آہ تست
ایں زمان و آسمان و مہر و ماہ
گردش دوران صبح و شامگاہ
جلوہ ہائے ذات تست ای نوجواں
نیست غیر از ذات پاکت در جہاں
شبلی و منصور در عالم توی
ظلمت و ہم نور در عالم توی
ہم توی ابلیس مردود جہاں
ہم توی مقبول و مسعود زماں
وحش و طیر اندر جہاں جملہ توی
خوب و زشت اندر زماں جملہ توی
ہم نہالی ، ہم تبرزن ، ہم تبر
ہم گلی ، ہم برگ و ہم شاخ و ثمر
ہم توی پرویز و ہم شیریں توی
ہم توی تمکین و ہم تلویں توی
ہم توی لیلی و ہم مجنوں توی
ہم توی مسرور و ہم محزوں توی

مراتب ستہ کا جامع :

صوفیہ کائنات کو چھ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کو مراتب ستہ کہتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) وحدت حقیقی کا مرتبہ جہاں وحدت ذات کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ۔ وہ ذات بے صفت کی جلوہ گاہ ہے ۔ لم یکن معہ شیئی ۔

(۲) عالم معنی ۔ جہاں اعیان ثابتہ کا اندراج ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت اصل بھی مخفی ہے ۔

(۳) عالم ارواح ۔

(۴) عالم مثال ۔

(۵) عالم اجسام ۔

(۶) مرتبۂ انسانی ۔ یہ رتبہ پانچوں مراتب کا جامع ہے ؎

جامع جملہ مرتب ذات اوست
ہر دو عالم در پے اثبات اوست
چیست انساں مظہر ذات و صفات
چیست انساں چشمۂ آب حیات
ہیچ وصفے نیست از اوصاف خدا
کاں نشد در ذات انساں برملا
ہم سمیع و ہم علیم و ہم بصیر
ہم مرید و ہم کلیم و ہم قدیر
وصف ہفتم ہست حی لا یموت
کو بود شایستۂ حمد و نعوت

درمیان موج و دریا آب تست　　درمیان ماہ و انجم تاب تست
در بم و زیرے چو آہنگ صداست　　در سپیدی و سیاہی یک ضیاست
عین اشیای ولے ز اشیا جدا　　جز تو دیگر کیست در ارض و سما
چن تر از چرخ پہنا ور توئی　　گر کنی باور ز من داور توئی

تو ہماں ذاتی کہ آمد در بیان   خویش‌رابشناس‌وخود را کم‌مدان
آن توئی‌کاں بے بدن‌داری وجود   از تو آمد عالمے اندر نمود

خودی کا استیصال :

انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا ڈالے ۔ اپنے آپ سے غافل ہو جائے تب وہ اس بات کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے ، تب وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا ہے ۔ ہم جن مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہیں ان کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے دماغ میں احساس وجود موجود ہے ۔ اگر ہم اس 'وجود' کی علت سے رہائی پا جائیں تو ابدی خوشی ، دایمی مسرت حاصل کر سکتے ہیں ۔ خود فراموشی اور بے خبری ہمیں خدا کا محبوب بنا سکتی ہے ۔ شیخ ابو سعید کا قول ہے ع

یا مار سیہ نشیں و با خود منشین

ییغم نے بے شمار مقامات پر اس چیز پر زور دیا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ خوف و ہراس ، غم اور مصیبت سب اسی 'وجود' کے طفیل ہے ۔ اگر اس وجود کا خاتمہ ہو جائے تو یہ تمام شکایات رفع ہو سکتی ہیں ؎

گر کمال خویش خواہی اے جواں   دور افگن خویشتن را از میاں
تا تو خود را برنداری از میاں   کے شوی آگہ ز اسرار نہاں

روح

روح کے متعلق فلسفیوں میں اختلاف ہے ۔ موجودہ فلسفے میں روح 'ادراک' کا نام ہے ۔ روح کو وہ کوئی ایسی مستقل چیز نہیں سمجھتے جس کا تعلق خاص ہر شخص کے ساتھ ہے ۔ ہر شخص کی خاص روح نہیں ہوتی بلکہ ان کے نزدیک تمام دنیا کی ایک روح ہے جو آفتاب کے نور کی طرح یا آسمان کی طرح تمام انسانوں پر حاوی ہے ۔ وہ انسانوں کے اندر زندگی بھر رہتی ہے ۔ جب انسان مر جاتا ہے تو روح کو کوئی نقصان یا گزند نہیں پہنچتا

بلکہ روح ویسی کی ویسی ہی موجود رہتی ہے ۔ حکمائے اسلام میں سے رومی کا یہ خیال ہے کہ روح جسم سے علیحدہ ایک جوہر نورانی ہے ۔ جسم کے فنا ہونے سے اس پر اتنا ہی اثر پڑ سکتا ہے جتنا ایک کاریگر پر ایک خاص آلے کے چلے جانے سے ۔ بیغم نے بھی مثنوی میں اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے اور اس عقیدے کو نانک جی کی طرف منسوب کیا ہے کہ خرابیِ بدن کے بعد روح انسانی کو کوئی گزند نہیں پہنچتا بلکہ وہ بالکل متاثر ہی نہیں ہوتی ۔ روح انسانی یا روح اضافی ساری دنیا کی ایک ہی روح ہے اور وہ فنا نہیں ہوتی ۔ اس کا تعلق کسی مکان سے نہیں اور نہ کسی زمان سے ہے ۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح قائم رہتی ہے ؎

گفت نانک در کلام خویشتن | چوں کند پرواز جان از قید تن
بے توقف می شود چوں آسماں | سر مخفی بود من کردم عیاں

ایک شخص نے کسی عارف سے پوچھا کہ خرابیِ بدن کے بعد روح کہاں جاتی ہے ؟ عارف نے جواب دیا ؎

گفت عارف با کلامے در جواب | روح انسانی ست ہمچوں آفتاب
روح از جائے نیامد در جہاں | تا کند چوں کارواں نقل از مکاں
روح انساں گر ز جائے آمدے | منزلش در فہم و رائے آمدے
چوں معاد ومبدأش ذات خداست | بازگشت اوچہ دائم درکجاست
روح انسانی ست یک روح جہاں | روح انسانی ست ہم چو آسماں
گرہزاراں خانہ ہم گردد خراب | ہمچناں برپا ست نور آفتاب

دہر

فلسفے میں 'دہر' کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے ۔ بیغم نے بھی دہر کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں ۔ اس کے نزدیک دہر اور ذات باری میں کوئی فرق نہیں ۔ جس طرح ذات باری میں وحدت و کثرت کا سلسلہ موجود ہے ، دہر کائنات کے اندر جاری

و ساری ہے ، سارے عالم پر حاوی ہے ۔ دنیا میں اختلاف شئون دھر ہی کی وجہ سے ہے ۔ ہر شے دھر کی تابع ہے ۔ 'دھر' اللہ کی طرح ذات باری کا جامع ترین نام ہے ؎

دھر اسم اعظم اللہ ھست
جلوۂ انوار مہر و ماہ ھست
عارفان و عاقلان و عالمان
ساجد دھر اند جملہ بے گمان
جامع اسما ست چون اسم الہٰ
پس چہ می پرسی زمن اے داد خواہ
جامع اسما ست اسم اللہ و دھر
رو بوحدت آر بے رو سوے قہر
نغمہ ام در گوش کن اے مرد راہ
لا تسُبّ الدھر بر خوان رمز شاہ
خود انا الدھرت بگفتا در کلام
پس چہ می پرسی ز من اے نا تمام
من چو غیر از حق ندیدم در جہان
پس چہ خوانم دھر را اے نور جان

تجدد امثال

یہ سائنس کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جسم کے اجزا جلد جلد فنا ہوتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے نئے اجزا آتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد انسان کے جسم میں سابق کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا بلکہ بالکل ایک نیا جسم پیدا ہو جاتا ہے ۔ لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزا کی جگہ نئے اجزا آ جاتے ہیں اس لیے کسی وقت پہلے جسم کا فنا ہونا محسوس نہیں ہو سکتا ۔ رومی کا قول ہے ؎

پس ترا هر لحظه مرگ و رجعتے ست
مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتے ست

هر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

عمر هم چوں جوے نو نو می رسد
مستمرے می نماید در جسد

بیغم بھی اس طرح کا خیال ظاهر کرتا ہے کہ

بر تجدد هم بکن یک ره نظر   تا شود مکشوف رازت سر بسر
هست در تجدید امثال آشکار   این وجود و این عدم را کاروبار
یک نظر بر نطفهٔ خود هم بکن   تا کنی معلوم سرّ ذوالمنن
اندک اندک بر ترق هاے او   چشم بکشا اے عزیز نیک خو
نطفه ات بنگر چساں انساں شود   خالق طبقات جسم و جاں شود
رفت خوردیؔش کلانی شد پدید   رفتن خوردیش لیکن کس ندید
آمد و رفت ست ایں‌جا ایں جهاں   کردنت نبود خبر اے نور جاں
کهنگی شد مستعد آں نوی   آں نوی را چیست حال مولوی
کهنگی رفت و نوی آورد رو   آں نوی در کهنگی شد مو بمو
آدم و حیواں نبات اے نوجواں   جامه‌ها پوشند تازه هر زماں
هر مه را خلعت دهد حق نو بنو   مزرعه ام پخته شد باید درو
این تجدد در همه افراد بیں   تا نشینی در صف اهل یقیں

ان مسائل کے علاوہ اور بھی بہت سی کام کی باتیں هیں جن کو هم بخوف طوالت نظر انداز کرتے هیں ۔ هم نے اپنی طرف سے بیغم کے حالات پر کوئی راے زنی نہیں کی اور حتی‌الوسع اس هندو فلسفی کے خیالات کو من و عن پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ امید ہے کہ ناظرین کے لیے اس مثنوی کا مطالعه دل چسپی سے خالی نه هوگا اور ایک هندو فارسی داں کے فلسفیانه خیالات معلوم کرنے والوں کے لیے کافی فائده بخش ۔

اقتباس[1] از بدائع وقائع
مصنفۂ انند رام مخلص

لالہ انند رام مخلص کا حال اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ع صفحہ ۳۶ پر سید محمد عبداللہ نے لکھا تھا - ۱۹۳۹ع میں پرشین لٹریچر حصۂ دوم جز ۳ صفحہ ۶۱۲ پر پروفیسر سٹوری نے بھی اس کا حال دیا ہے ، وہاں دیکھنا چاہیے - اس وقت اس مصنف کی تصنیف 'بدائع وقائع' سے ایک اقتباس درج کرنا مقصود ہے جو تاریخ پنجاب سے تعلق رکھتا ہے -

'بدائع وقائع'[2] کے بعض اجزا کا انگریزی ترجمہ شایع ہو چکا ہے (دیکھو حواشی صفحات آیندہ) مگر کامل کتاب کسی مصنف کے پیش نظر نہ تھی ، اس لیے کتاب کا پورا حال اب تک سامنے نہیں آیا - چند سال ہوئے لاہور کے کشمیری پنڈتوں کے ایک عامی گھرانے سے اس کتاب کا کامل نسخہ میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لیے خریدا - اس نسخے سے کتاب کی مفصل کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے - 'بدائع وقائع' کے بعض اجزا باڈلین ، رام پور اور علی گڑھ میں ہیں - علی گڑھ والا نسخہ راقم سطور نے دیکھا ہے - اس کا نمبر ف - اخ ۱۱۲ ہے ، ورق ۱۷۰ ، سطور ۱۵ (افسوس ہے کہ صفحات کی پیمایش میرے پاس محفوظ نہیں ہے) اس نسخے

۱- یہ مضمون ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کا ہے - ان کی اجازت سے اشاعت اول میں شامل کیا گیا تھا - دوسری اشاعت میں بھی شائع ہو رہا ہے -

۲ - ایلیٹ اور سٹوری نے کتاب کا نام ''تذکرۂ انند رام مخلص'' لکھا ہے مگر خود مصنف نے کتاب کا نام 'بدائع وقائع' رکھا تھا - ایلیٹ نے جو نسخہ استعمال کیا وہ نواب ضیاءالدین خاں رئیس لوہارو کی ملکیت تھا - (از پرنسپل محمد شفیع صاحب مدظلہ ؛ نقل اورینٹل کالج میگزین باجازت خاص)

میں 'بدائع وقائع' کی صرف تین فصلیں[1] ہیں - یعنی :

(۱) واقعہ ایست نادر الخ (پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے صفحہ ۱۱۴ ب تا ۱۶۹ ب کا مواد) سٹوری کے ہاں اسی فصل پر تذکرے کو منحصر سمجھا گیا ہے -

(۲) نسخہ سوانح احوال (نسخہ پنجاب یونیورسٹی ۲۲۹ ب تا ۲۴ الف)

(۳) احوال سیزدہ روزہ سفر گڑھ مکتیسر (= نسخۂ پنجاب یونیورسٹی ۱۸۰ الف تا ۱۹۲ ب)

علی گڑھ کے نسخے کے آخر میں لکھا ہے :

''دہست (کذا) چہارم ذی قعدہ سنہ صدر ۱۱۶۰ھ دو گھڑی روز بلند شدہ بہ حویلی قدیم شاہ جہان آباد بہ خط فقیر انند رام صورت تحریر پزیرفت -''

اس عبارت سے بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے لیکن اس نسخے میں بعض فاحش غلطیاں موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ باور نہیں آ سکتا کہ مخلص جیسا ذی علم مصنف ان غلطیوں کا ارتکاب کرے - پروفیسر محمود خان شیرانی کے کتاب خانے میں ایک نسخہ رباعیات مخلص کا ہے جو بخط مصنف ہے - اس کا خط علی گڑھ کے نسخے سے مختلف ہے اور اتنا پختہ ہے کہ اس پر گمان خط مصنف ہونے کا بے شک ہو سکتا ہے - اس نسخے کے آخری صفحے کا عکس اس رسالے میں حوالے کے لیے شایع کیا جا رہا ہے - پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں (ورق ۱۹۲ ب پر) اوپر کی عبارت کی بجائے لکھا ہے : ''نقل از نسخۂ لالہ انند رام مخلص'' مگر اسی نسخے کے ورق ۲۲۷ ب پر لکھا ہے : ''این اجزاے چند......در ایام آمد آمد زمستان بخط فقیر انند رام

---

۱ - ان فصلوں کی ترتیب پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے مطابق نہیں ہے -

مخلص باہتمام رسید ۔" پس ظاہر ہے کہ کاتب نے بعض عبارتیں اصل نسخے سے بعینہا نقل کر دی ہیں اور بعض جگہ یہ لکھ دیا ہے کہ مصنف کے نسخے سے نقل کیا ہے ۔ اسی طرح علی گڑھ والے نسخے میں "بہ خط فقیر انند رام" غالباً مصنف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ کسی کاتب کی ہے ۔

پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کا حال

پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں ۲۸۶ ورق ہیں ۔ تقطیع ۱۱ انچ × ۷ انچ ہے ۔ فی صفحہ ۱۵ سطور ہیں ۔ کتاب کی پہلی فصل رجب ۱۱۳۵ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے اور خاتمے کی تاریخ ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ہے (مصنف ۱۱۶۴ھ میں فوت ہوا)۔ کتاب میں جا بجا واقعات کی تاریخیں دی گئی ہیں ۔ ایک جگہ (صفحہ ۱۱۶ پر) ساعت تحریر ۱۴ ۔ ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ اور دوسری جگہ (صفحہ ۲۳۴ ؟) بر سنہ ۲۹ جلوسی (= ۱۱۵۹ھ) دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی مختلف فصلیں مختلف سنوں میں لکھی گئیں ۔ یعنی جب واقعات مندرجۂ کتاب وقوع پذیر ہو رہے تھے یا عنقریب ہو چکے تھے ۔

فہرست محتویات بدائع وقائع

مصنف نے مختصر سے دیباچے میں حمد کے بعد لکھا ہے کہ میں ایام بہار میں ایک دن گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ مجھ کو خیال آیا کہ اساتذۂ سلف جنھوں نے علم تاریخ کی بنیاد رکھی ، انھوں نے دوسرے لوگوں کے سوانح تو لکھے مگر اپنے احوال کو قلم بند نہ کیا "اگر فقیر بعض حالات خود را بقلم آرم ، خالی از لطفی نخواهد بود بلک بتفریح خاطر عاطر ارباب وجد و حال کہ سرخوشان نشأ کمال اند ، خواهد افزود ۔" اس لیے یہ چند اوراق لکھ کر ان کا نام 'بدائع وقائع' رکھا ۔

مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے ؛

ورق ۲ أ : خوش نوائی عندلیب قلم از رنگیں بیانی برگ گل در منقار ، در چمنستان نگارش بعضی سوانح برسبیل یادگار (محمد شاہ کے زمانے میں اور نواب اعتادالدولہ چین بہادر نصرت جنگ کے ہم رکاب رجب ۱۱۴۵ھ کے پہلے عشرے میں مصنف کا سیر و شکار کو جانا) اسی ذیل میں تعریف سرشف (ورق ۳ أ) اور تلاطم بحر معانی چوں امواج داد گسستہ عنانی دادہ بتقریب تسوید کیفیت سیر عالم آبی کہ راقم حروف را اتفاق افتادہ (ورق ۶ أ) کے عنوان بھی ہیں۔

ورق ۸ ب : توجہ ہمایوں رقم خامۂ مشکبار بتحریرشرح جشن طوی نور چشم کامگار (لالہ فتح سنگھ کی شادی کا حال جو بہت دھوم دھام سے ۱۱۴۵ھ میں رچائی گئی۔ اس تقریب کے ضمن میں مصنف نے 'وقایع حضور معلی' اور 'سوانح دربار' بھی بیان کیے ہیں) (۱۸ أ تا ۲۱ ب اور ۲۰ ب تا ۲۶ أ) پہلے عنوان میں مرہٹوں کے خلاف مہم کا ذکر بھی ہے۔

ورق ۳۱ أ : سوانح فوج نصرت موج نواب صاحب وزیر الممالک مدارالمہام سپہ سالار و احوال گوشمالی بواقعی بھگونت لعین مقہور بادنیٰ سعی بہادران لشکر ظفر اثر (اس کے متعلق دیکھو انشاے انند رام طبع دہلی ۱۲۶۸ھ، صفحہ ۳۰)

ورق ۳۵ ب : متوجہ گردیدن نواب صاحب وزیرالممالک بہادر مدار المہام براہ مکن پور بارادۂ تحصیل سعادت ملازمت حضرت خلیفۂ دین و دولت بحضور پرنور۔

ورق ۳۸ ب : ...حکایت شوریدہ حالی...(۱۱۴۶ھ = سنہ ۱۵ جلوس کا ایک سانحہ عشق و بت جو شاہ جہاں آباد میں واقع ہوا)

ورق ۴۳ ب : ... بعض اخبار دربار دہلی۔

ورق ۴۸ أ : چند فقرہ متضمن قصد حضرت ظل اللہی۔

ورق ۴۹ الف : رخصت شدن نواب صاحب وزیرالمالک اعتمادالدوله چین بہادر نصرت جنگ و نواب امیرالامرا بہادر منصور جنگ در سنہ ہفدہم از جلوس والا برائے غنیم لئیم دکھنی کہ عبارتست از مرہٹہ......

ورق ۵۱ ب : ... تحریر سوانح تشریف فرما گردیدن حضرت گیہان خدیو بدولت سرائے نواب صاحب عمدۃ الملک بہادر و امیرالامرا بہادر منصور جنگ (اس کی ضمنی سرخی ہے : تعریف خیمۂ دیوان خاص کہ برائے جلوس اقدس آراستگی پزیرفتہ) - [۵۳ الف]

ورق ۵۵ : ...ترقیم احوال سیردارالعشق بندرابن ۔

ورق ۶۳ ب : ... احوال تولد جگر گوشہ ام مصاحب سنگھ (در ۱۱۶۹ھ = ۱۹ سنہ جلوس (یہ مصنف کا ہوتا ہے)

ورق ۶۸ الف : تعریف بزم ہولی ۔

ورق ۶۷ ب : تحریر ماجرائے سیرے کہ راقم حروف مخلص را اتفاق افتاد (۱۱۵۱ھ = ۲۱ سن جلوسی) (مصنف سراج‌الدین علی خان آرزو ، لالہ سیوک رام ، میرزا محمد قلی جان دیوانہ اور اپنے لڑکوں کے ہمراہ درگاہ خواجہ قطب‌الحق والدین کی زیارت کو جاتا ہے ۔ باغ مخلص کا بھی ذکر کرتا ہے) اس عنوان کے ضمن میں (۶۷ ب پر) ایک اور عنوان ہے یعنی احوال بیماری کہ راقم حروف در ایام گزشتہ کشیدہ و در ضمن ایں ماجرا بر سبیل نقل بتحریر رسیدہ ۔

ورق ۸۰ الف تا ۱۰۳ الف : } از پیشگاہ خلافت دستوری یافتن نواب صاحب وزیرالمالک بہادر نصرت جنگ بنا بر تنبیہ سرخیل اشقیائے دکھنی باجی راؤ در سنہ نوزدہم جلوس والا و بحسن تدبیر و جوہر شمشیر ایں برگزیدۂ دولت بسزا رسیدن آں فتنہ...و چون

دریں یساق راقم سطور برکاب عالی بود نگارش بعض احوال خود بدستیاری قلم بدایع رقم انشا نمود ۔

ضمنی سرخیاں

عطف عنان نواب صاحب وزیر الممالک بہادر سپہ سالار بارادۂ تنبیہ غنیم لئیم از کنار دریا بسمت ہوڈل بطریق ایلغار (۸۵ ب) انتشار اشقیاے دکھنی در سواد دارالخلافت شاہ جہان آباد...و یک پارۂ گوشمالی یافتن بحسن سعی بندھاے بادشاہی و دیگر حالات (۹۰ ب) ۔

آب و رنگ یافتن شمشیر بہادران فوج نواب صاحب نصرت جنگ بہادر سپہ سالار بخون اعداے دولت یعنی غنیم وخیم العاقبت و بحال تباہ رخ برتافتنش از عرصۂ کار زار و بآبیاری ابر شمشیر ابں برگزیدۂ دولت گل فتح شگفتن در چمن کدۂ روزگار (۹۲ ب) ۔

تعریف نواب صاحب وزیر الممالک بہادر (۹۶ ا)

...تحریر سوانح لشکر نواب صاحب بہادر.... (۹۸ا)

۱۰۳ ا : ضیافت کردن میرزا محمد قلی صاحب براقم السطور (۱۱۵۱ھ)

۱۰۶ ب : تدبیر ترتیب انجمن رنگین‌تر از چمن (شرف‌الدین علی پیام ، سراج‌الدین علی خان آرزو ، محمد جان دیوانہ وغیرہ کے ساتھ ہم مجلسی)

۱۱۰ ب : شوخیہاے طبیعت بر سر ہنگامہ آرائی...(ایک ناچ کی مجلس کا حال)

۱۱۳ ب : واقعہ ایست نادر و سانحہ ایست غریب کہ در سال ۱۱۵۱ ہجری از بوقلمونیہاے قضا در ہندوستان بوقوع رسیدہ و بر سبیل یادگار دریں اوراق پریشان رقم زدۂ قلم بدائع نگار گردیدہ ۔ اس فصل کی ضمنی سرخیاں :

نزول[1] صاحب دیہیم و افسر مملکت ایران ہندوستان ...
(۱۱۷ ب)

ورود موکب شاہی در نواح لاہور....(۱۲۰ ب)

نقل نامۂ عبدالباقی خان وزیر والیِ ایران (۱۲۱ الف) ،

تتمۂ احوال پنجاب - (۱۲۲ ب)

حسب التماس عمده ہادی بادشاہی از مرکز خلافت بحرکت آمدن[2] الویہ ظفر طراز محمد شاہی - (۱۲۳ الف)

با ہمدگر زد و خورد افواج بادشاہی و قشون شاہی در قصبۂ کرنال و بر گردیدن ورق کار برنگی دیگر - (۱۲۵ الف)

دفعہ دوم تشریف بردن محمد شاہ بادشاہ غازی بہ اردوے شاہ جم جاہ و باتفاق داخل جہان آباد گردیدن و اقسام امور غریبہ بروے کار آمدن باراداتاللہ - (۱۳۱ الف)

احوال میر شرف‌الدین علی پیام (۱۳۳ الف) رجوع قلم بدایع انشا باصل ماجرا - (۱۳۳ ب)

سرگزشت راقم سطور (۱۳۷ الف)

دفعہ سوم تشریف بردن محمد شاہ بادشاہ غازی بتقریب ضیافت در [بمقام بودن؟] شاہ عالی جناب و شاد و خورم مراجعت فرمودن بدولت خانہ و کوچ از شاہ جہان آباد سمت پنجاب - (۱۴۸ الف)

---

۱ - اس عنوان کے نیچے ایک جگہ مصنف نے لکھا ہے : ''تا ساعت تحریر کہ چہاردہم ربیع الثانی یک ہزار و یک صد و پنجاہ و دو ہجری است -'' (ورق ۱۱۶ ب) ، ایلیٹ کی تاریخ ہند (History of India By Its own Historians) ، جلد ۸ ، صفحہ ۷۶ تا ۹۸ پر اس بیان کا ترجمہ دیا ہے (بحذف بعض عبارات و فصول) نیز دیکھو صفحہ ۸۹ سطر ۱۳ -

۲ - اصل : برآمدن

سعی کلک بدایع نگار بتحریر وقایع دربار - (۱۴۹ ب)

نقل عهد نامه ایست که حسب الاستدعاے امناے شاهی کارپردازان سلطنت محمد شاهی بتحریرش پرداخته و چون آراستگی یافت حوالت کارگزاران صاحب مملکت ایران ساختند - (۱۴۹ ب) نقل رقم شاه جم شاه (۱۵۱ ب) نقل رقم شاه ذی جاه - (۱۵۲ الف) گزشتن الویهٔ ظفر طراز شاهی از آب اٹک بر سبیل استعجال و انتظام یافتن مهام قلمرو سنده بحسن تدبیر شاه ذی اقبال (۱۵۲ ب) نقل رقم اشرف شاهی (۱۵۳ ب) نقل فرمان فلک شان محمد شاهی - (ایضاً)

نزول رایت ظفر آیت شاهی بالکهٔ زمینداری خدا یار خان آن مصدر حرکت لغو - و آخر رسیدنش بملازمت همایون و شسته گردیدن نامهٔ جرمش بزلال عفو - (۱۵۵ الف)

مرتبهٔ ثانی رسیدن نواب اعزالدوله بهادر هزبر جنگ در اردوے ظفر قرین و بعد تحصیل سعادت ملازمت مشمول مراحم گردیدن از جانب فرمان رواے ایران زمین - (۱۵۶ الف) تتمهٔ احوال خدا یار خان عباسی - (۱۵۷ الف)

حرکت[1] الویهٔ جهان پیماے شاهی از الکهٔ زمینداری خدا یار خان جانب قندهار بارادهٔ خراسان و دستوری یافتن نواب اعزالدوله بهادر بجانب ملتان - (۱۵۷ ب)

مامور گردیدن محمد صالح بیگ بیات[2] پان صد باشی و کریم بیگ افشار پان صد باشی از جناب شاهی بتقریب پیدا کردن گم شدگان لشکر ظفر اثر و در ضمن این از قوت بفعل رسیدن مقدمات دیگر (۱۵۸ الف) نقل رقم همایون - (۱۵۸ ب)

---

۱ - ایلیٹ کی تاریخ میں اس فصل کی چند سطور کے بعد ترجمہ ختم ہو جاتا ہے -

۲ - اصل : لیات -

از پیشگاه فضل و کرم خلافت و جهان بانی مرحمت شدن اضافه هزاری ذات و خطاب سیف الدوله بهادر دلیر جنگ به نواب اعزالدوله بهادر از روے تفضل و مهربانی (۱۶۰ ب)
نقل فرمان مکرمت عنوان فلک شان مجد شاهی متضمن عطاے اضافهٔ هزاری ذات بنام اعزالدوله بهادر آن منظور نظر خلیفهٔ الٰهی - (۱۶۱ ب)

ارسال گردیدن زری بر سبیل نقد مصحوب پان صد باشیان بجناب شاهی (و) از حضور مامور گردیدن میر نجم الدین ادر جهت رسانیدن خزانه تا به لاهور (۱۶۲ ب)

نقل یرلیغ قضا تبلیغ مجد شاهی که در مقدمهٔ پان صد باشیان بنام سیف الدوله بهادر دلیر جنگ صدور یافته - (۱۶۳ الف)

نقل عرض داشت نواب سیف الدوله بهادر دلیر جنگ ، آن منظورنظر خلیفهٔ الٰهی، بجناب اقدس اعلیٰ مجد شاهی - (۱۶۳ ب)

بتحریک یاد آوریهاے آن رونق افزای چمنستان شفقت پردازی فرستادن شاه جم جاه ڈالی میوه براے مجد شاه بادشاه غازی - (۱۶۴ ب)

نقل منشور کرامت گنجور مجد شاهی بنام سیف الدوله بهادر دلیر جنگ متضمن عطای الوش (۱۶۵ ب) تتمهٔ احوال پان صد باشیان (ایضاً)

رسیدن میر نجم الدین خان بهادر به لاهور بعد چندے بخدمت نواب صاحب سیف الدوله بهادر معاودت کردن بحضور - (۱۶۶ الف)

بقدرت کاملهٔ آفرینندهٔ راحت و رنج تسلط افواج شاهی بر بخارا و اورگنج - (۱۶۸ ب)

[یہاں سے چند اوراق غایب ھیں - اس نسخے کی آخری سطر علی گڑھ کے نسخے میں ورق ۲۰۳ الف کی سطر آخر ہے - وھاں به

بیان ورق ۹۴ الف پر ختم ہوتا ہے ۔ اس نسخے میں اس بیان کے بعد عنوان ذیل ہے :

''نسخۂ سوانح احوال'' (صفحہ ۹۴ ب تا ۱۰۶ الف) یہ بیان ہمارے نسخے میں آگے آئے گا ۔ دیکھو ۲۲۹ ب تا ۲۳۳ الف)

۱۷۰ الف [سیر چھڑی] اس عنوان سے مصنف نے جو فصل لکھی ہے اس کے ابتدائی اوراق اس نسخے میں موجود نہیں ۔

۱۸۰ الف ۔ احوال[1] سیزدہ روز سفر مکتیسر (اس فصل کے آخر میں ہے : نقل از نسخۂ انند رام مخلص)

۱۹۳ الف ۔ [احوال سفر بن گڑھ[2]] یہ عنوان اس فصل کے آخر میں مذکور ہے ، شروع میں نہیں ۔ وہاں مصنف نے لکھا ہے کہ آج ۱۲ رمضان‌المبارک ۱۱۵۸ھ کو یہ چند اجزا متضمن احوال سفر بن‌گڑھ چار گھڑی رات گزرنے پر سرما کی آمد آمد کے دنوں میں ''بخط فقیر انند رام مخلص'' ختم ہوئے ۔ ۹ رمضان‌المبارک کو دسہرے سے ایک دن بعد ''نور چشم کامگار رائے فتح سنگھ'' کے ہاں لڑکا ہوا وغیرہ وغیرہ ۔

۲۲۹ ب [نسخہ سوانح احوال] یعنی تاریخ پنجاب کے واقعات (از جمادی‌الثانی ۱۱۵۸ھ تا جمادی‌الثانی ۱۱۶۱ھ)

---

۱ ۔ اس کا انگریزی ترجمہ ولیم اروِن نے ''The Indian Magazine And Review'' بابت ۱۹۰۳ع میں دیا ہے (دیکھو سٹوری ، صفحہ ۶۱۳) ۔

۲ ۔ محاصرۂ بن گڑھ کا حال اروِن نے اپنی کتاب ''The Army of the Indian Moghuls'' میں صفحہ ۲۹۱ و مابعد پر دیا ہے جو خوش حال چند کے بیانات پر مبنی ہے ۔

خاتمے میں مصنف نے لکھا ہے کہ گرمیوں کی رات ایک پہر گزری تھی اورگرمی ہوا اور افراط باد سموم سے دم خفا ہوتا تھا کہ ابر آیا اور زور کی بارش ہوئی ، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ۔ اس وقت یہ کتاب تمام ہوئی - ''مدتے است کہ دماغ تصنیف و تالیف ندارم لیکن ازاں جا کہ دریں چند ماہ از بوقلمونیہاے چرخ طرفہ انقلابہا بر روے کار رسیدہ براے عبرت و آگاہی بعض غافلان پست فطرت کہ در اندک تغیر احوال از جا می روند ایں ورق چند کہ محتویست بشرح آں بقلم آوردم ۔''

ضبطی اموال اُمراے متوفی

ذیل کا اقتباس جو بدایع وقایع سے لیا گیا ہے ، وہ موضوع بالا پر روشنی ڈالتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغول میں امرا کی موت کے بعد ان کے اموال بحق بادشاہ ضبط ہوتے تھے - اس کا مجمل ذکر تاریخوں میں جابجا ملتا ہے - چند مثالیں درج ذیل ہیں :

عہد اکبری میں مخدوم الملک ۹۹۰ھ میں فوت ہوئے تو قاضی علی ''بجہت تحقیق اموال'' نامزد ہوکر فتح پور سے لاہور پہنچے - بہت سے خزاین و دفاین نکلے - ان میں ''چند صندوق خشت طلا'' بھی تھے جو ''گورخانۂ مخدوم الملک'' سے برآمد ہوئے۔ یہ سونے کی اینٹیں مع کتاب خانے کے ''داخل خزانۂ عامرہ'' ہوئیں - (منتخب التواریخ بدایونی ، طبع کلکتہ ۱۸۶۵ع ، ج ۲ ، ص ۳۱۱ - دربار اکبری طبع لاہور ۱۸۹۸ع صفحہ ۳۱۸) ان کتابوں میں سے شرح ہدایہ (دفتر ثانی) راقم سطور نے دیکھی ہے - اس کتاب کے آخر میں لکھا ہے : ''بابت اموال مخدوم الملک بتاریخ ۱۷ جمادی الاولی ۹۹۰ھ واقع شد'' (کذا)- اس کے نیچے ایک دوسرا نوٹ ہے جو بعد میں لکھا گیا - اس کی عبارت یہ ہے : ''بتاریخ ۲۳ ماہ شہریور الٰہی ۱۳ھ از وجوہ تحویل شیخ فیضی تحویل مقصود شد -'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدوم الملک کی ضبط شدہ کتابیں (کل یا بعض)

شیخ فیضی کی تحویل میں رہیں اور شیخ کے فوت ہونے کے بعد کسی اور شاہی تحویل دار کے حوالے ہوئیں۔ شیخ فیضی ۱۰ صفر ۱۰۰۳ھ (سن ۴۰ جلوسی) میں فوت ہوا۔ خود شیخ فیضی کے اموال بھی ضبط ہوئے۔ مآثرالامرا جلد ۲ صفحہ ۵۸۹ پر ہے: ''گویند از متروکۂ شیخ چہار ہزار و سہ صد کتاب صحیح نفیس بسرکار بادشاہی ضبط شد[1]۔''

ملا بدایونی (۲ : ۳۰۶) نے ۱۰۰۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حکیم ہمام اور کمالائے صدر علی الترتیب ۶ اور ۷ ربیع الاول کو فوت ہوئے ''ومالہاے این ہر دو در ساعت در حجرہا قفل گردید و بپارچۂ کفن محتاج بودند''......یہ واقعات عہد اکبری کے تھے۔ عہد جہانگیری کی اسی قسم کی ضبطیوں کا ذکر بہارستان غیبی (ترجمۂ انگریزی طبع ۱۹۳۶ع) میں بھی بعض بعض جگہ ملتا ہے[2]۔ عہد شاہ جہانی میں ضبطیٔ اموال آصف خاں ابوالحسن اعتادالدولہ برادر کلاں نور جہاں بیگم کا واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ نامہ جلد ۲، حصہ دوم، صفحہ ۲۵۹ پر اس کی تفصیل یوں دی ہے کہ آصف خاں کی علالت میں شاہ جہاں عیادت کے لیے گیا تو اس نے عرض کیا کہ ''سب نقود و اجناس جو اس درگاہ کی عبودیت سے حاصل ہوئے، سرکار والا کا مال ہیں اس لیے کہ جمع اموال سے غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ اولاد اور متعلقین کو رفاہیت اور جمعیت

---

۱ - بلوخمن نے ترجمۂ آئین (۱ : ۴۹۰) میں اسی کو دہرایا ہے۔ دربار اکبری (صفحہ ۳۶۸) کے بیان کا ماخذ بھی غالباً یہی ہے نہ کہ ''ملا'' (عبدالقادر بدایونی) مگر دربار میں تعداد کتب چار ہزار چھ سو دی ہے جو غلط معلوم ہوتی ہے۔

۲ - نیز دیکھو ہاکنس کا سفر نامہ انگریزی، مرتبہ فاسٹر (۱۹۲۱ع) صفحہ ۱۰۳ اور اکبر مغل اعظم (از ونسنٹ سمتھ) صفحہ ۳۶۳۔

حاصل رہے اور وہ صورت مراحم پادشاہی سے کما ینبغی حاصل ہے ۔'' آصف خاں کے مرنے کے بعد حویلی لاہور کے علاوہ جو بیس لاکھ کے خرچ سے تیار ہوئی تھی اور اب دارا شکوہ کو عنایت ہوئی ، دو کروڑ پچاس لاکھ کی مالیت کا نقد و جنس باقی رہا (جواہرات تیس لاکھ روپے کے ، اشرفیاں بیالیس لاکھ کی ، روپیہ ایک کروڑ پچیس لاکھ ، طلا آلات و نقرہ آلات تیس لاکھ روپے کے ، دیگر اجناس تیئیس لاکھ کے) گو اعتمادالدولہ کی وصیت یہ تھی کہ اس کا نقد و جنس تمام داخل خزانۂ پادشاہی ہو ، بادشاہ نے بیس لاکھ روپیہ (نقد و جنس) متوفی کے تین بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کو عنایت کیا اور متعلقین کو حسب لیاقت منصب دیے اور مشاہرے مقرر کیے ، باقی سب کچھ ضبط فرمایا ۔ عہد محمد شاہی میں زکریا خاں کے اموال ضبط ہوئے ۔ اس واقعے کے متعلق جتنی تفصیل آنند رام مخلص نے بدائع وقایع میں دی ہے ، راقم سطور نے اورکسی مصنف کے ہاں نہیں دیکھی ۔ تفصیل اس واقعے کی یہ ہے کہ زکریا خاں صوبہ دار لاہور ۱۱۵۸ھ میں فوت ہوا تو شاہی کارندے دهلی سے ضبطی جائداد کے لیے لاہور بھیجے گئے ۔ وہ تمام سامان نقد و جنس و فیل و اسپ و شتر وغیرہ وغیرہ لے کر دهلی پہنچے ۔ زر نقد ، طلا آلات ، نقرہ آلات اور جواہرات داخل خزانۂ پادشاہی ہوئے [۱]۔ اسپ و شتر و استر کو نیلام کر کے تھوڑی سی قیمت جو وصول ہوئی وہ بھی داخل خزانۂ سرکار بادشاہی ہوئی [۲]۔ بعض جواہرات کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ ان کی اصل قیمت ۳۱۳۵۰ روپے

---

۱ - دیکھو صفحہ ۱۱۰ سطر ۳ و ۸ و ۱۲ ۔

۲ - صفحہ ۱۱۶ سطر آخر ، اس سے پہلی سطر میں مصنف کے الفاظ ''در ضمن این گونہ قیمت کردن غرضی ہر آئنہ مد نظر دارند'' سے بھی یہ گمان گزرتا ہے کہ ''غرض'' شاید یہ تھی کہ قیمت وصول شدہ گویا متوفی کے ورثا کو کسی صورت میں مجرا دینا ہے ۔

تھی ۔ مقومان سرکار نے ان کی قیمت ۲۶۳ے روپے لگائی اور یہ جواهرات بادشاہ نے رکھ لیے ۔گویا ان کی قیمت واجب الادا تھی اور باقی مال کا معاوضہ مالکوں کو بظاھر نہ دیا گیا ۔ جو مال ناقابل قبول قرار دیا گیا وہ لاھور واپس بھیج دیا گیا ۔

اب اصل اقتباس نسخۂ کلیۂ پنجاب سے درج کیا جاتا ہے جس کا مقابلہ نسخۂ علی گڑھ سے کیا گیا ۔ (محمد شفیع)

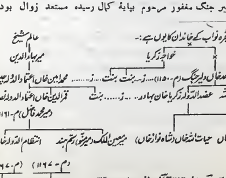
بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب یسر و تمم بالخیر

(۲۲۹ ب)

چون آبادی و معموری ٔ الکۂ پنجاب و آرام و آسودگی ٔ سکنۂ آں گلزمین در ایام نظامت نواب سیف‌الدولہ[۱] زکریا خان بہادر دلیر جنگ مغفور مرحوم بپایۂ کمال رسیدہ مستعد زوال بود از

۱ شجرہ نواب کے خاندان کا یوں ہے :-



(دیکھیں مآثر الامرا مواضع متفرقہ تاریخ پنجاب از سید عبداللطیف ص ۲۱۲)

نیرنگ سازی قضا و قدر در سال[1] یک هزار [و یک صد] و پنجاه و هشتم [و سنه[2] بیست و هشتم] جلوس خلیفهٔ دین و دولت محمد شاه بادشاه غازی خلد الله ملکه و سلطانه [د] و از دهم جمادی‌الثانی سه شنبه یک پهر و سه گهڑی روز بلند شده آفتاب عمرسیف الدوله‌بهادر مبرور در مغرب فنا فرو رفت، یعنی بلبل روح پرفتوحش از قفس جسم عنصری به پرواز آمده بشاخ سدرة‌المنتهی[3] آشیان بست، قیامتی سر تا سر پنجاب بتخصیص در شهر لاهور گزشت که تا سه شب در هیچ خانه چراغی روشن نگشت، هر گاه جنازهٔ آن مغفور از حویلی برآمد سوای نوع مغل که همگی گریبانها تا دامان چاک‌زده خاک بر فرق ریزان و بتابش[4] بودند هزاران هزار مردم (۲۳۰ ا) شهر لباس سیاه پوشیده درکمال شور و شغب نالهٔ وامصیبتاه واحسرتا [ه] برلب همراه جنازه راه می پیمودند و از هر جانب بارش گل بر جنازه بآن افراط گردید که دست[5] آخر گلی بمشت زری بهم نمی رسید، اگرچه مانند گل شیرازهٔ اوراق عمرش زود از هم گسیخت لیکن تا در قید حیات بود بنا بر جود و سخا و خلق خوشی که داشت رنگ تسخیر دل جهانے ریخت، در واقع ـــه

چون صبح زندگانی روشن دلان دمے است
اما دمے که باعث احیاے عالمے است

جنازه را بمکان حضرت ایشان که بنا گزاشتهٔ معاو همت آن مغفور ست و در سواد شهر واقع برده پهلوی مزار فایزالانوار سیف الدوله

---

۱ - ایضاً ۲، جولائی ۱۹۳۵ع -
۲ - از روے نسخهٔ کلیه علی گڑھ که علامتش در حواشی ع است -
۳ - اصل : المنتهای
۴ - اصل : نیابش، ع : بتابش، تصحیح قیاسی است
۵ - یعنی نوبت آخر -

عبدالصمد خان بهادر مرحوم والد بزرگوارش بسان گنج بخاک سپردند و جمعی کثیر جهت خدمت مرقد مطهر سوای آن مردمی که بمقتضای حق نمک و وفا رخت فقر و فنا پوشیده مجاورگردیده بودند مقرر نمودند ـ

راقم حروف دو تاریخ متضمن این سانح غم افزا که یکی موزون ست و دوم[1] درنثر یافته چنانچه مرقوم می شود ؎

حضرت خان بهادر نواب   آن که او داد عدالت میداد
آن که او ساخته از بس همت   اکثر آئین سخاوت ایجاد
ناگهان کرد ز عالم رحلت   بجهان شور و قیامت افتاد
شد بلند از دل خلق پنجاب   ناله و شیون و داد و بیداد
رونق الکهٔ لاهور افسوس   رفت چون باد خزان دیده بباد
سال(۲۳۰ب)این ماتم جانکاه قلم   زد رقم ''خان[2] بهادر فریاد''

۱۱۵۸ھ

این چنین بود مقدر اکنون   گلشن خلد مقام او باد

تاریخ دوم که در نثر یافته شده این ست : مادهٔ[3] تاریخ های ''زکریا خان کوچ کرد ـ''

۱۱۵۸ھ

عزیمت اعزالدوله بهادر و حیات الله خان بهادر جانب پنجاب از حضور پر نور و متوقف شدن حیات‌الله خان بهادر در دوآبه و رسیدن اعزالدوله بهادر به لاهور

از اتفاقات اعزالدوله یحیٰی خان بهادر و حیات‌الله خان بهادر هزبر جنگ که از دولت نادریه بخطاب شاه نواز خان مخاطب و

۱ - ع : دیگری ـ
۲ - ع میں اس کے نیچے لکھا ہے : الاص یعنی ۱۱۵۸ -
۳ - در ع ندارد ـ

اولین گل۱ اول حدیقهٔ آرزو و دومی غنچهٔ دوم گلبن امید۲ آن عالی جاه مرحوم ست در حضور پر نور و میر مومن خان و میر منعم خان۳ بمهم کوهستان جموں مامور بودند ـ میر مومن خان روز سوم از رحلت بشهر رسیده بمراسم تعزیت پرداخت و آن هر دو گل گلشن اقبال که باطلاع مرض آن مغفور در عین موسم برشکال هژدهم جمادی الثانی سنه صدر از حضور فیض گنجور دستوری حاصل کرده جریده و یلغر احرام دریافت سعادت ملازمت پدر عالی قدر بسته بودند در اثنای راه خبر رحلت شنیده هزبر جنگ بهادر در دوآبهٔ تعلقهٔ فوج داری خود متوقف گردیدند و اعزالدوله بهادر بعد کشیدن اقسام شداید سفر ببلدهٔ لاهور رسیدند ـ

احوال کشتی

هنگام عبور از آب بیاه برکشتی که اعزالدوله بهادر سوار بودند طرفه حادثه گزشت ، چه آزاں جا که بنا بر اضطراب خاطر [۲۳۱ ل] سررشتهٔ احتیاط بکلی از دست رفته بود درکمال شتاب زدگی و سراسیمگی بے اسباب و لوازم امارت سپاهیانه و [ترکانه]۴ قطع [راه۳] مے شد ، هرگاه پنجم رجب سنه مرقوم بزاه غیر متعارف بر دریاے بیاه که در نهایت طغیان بود رسیدند ، کشتی ناکاره با یک دو ملاح بیچاره بدست افتاد ، باوجود ممانعت خیر خواهان با بعض مصاحب بر آں سوار شدند و بمقتضاے آں که [ع]

هر چه بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

ارادهٔ عبور از دریا نمودند ـ هرگاه کشتی در وسط دریا رسید از

---

۱ - یعنی یحیٰی خان زکریا خان کا بڑا بیٹا اور حیات الله خان چھوٹا بیٹا تھا ـ

۲ - در ع ندارد ـ

۳ - ع : نعمت ـ

۴ - از روی ع

نا تجربه کاری ملاحان و آشوب باد و باران که آب را بتلاطم داشت ، اجزایش متزلزل گردید - اعزالدوله بهادر که پیش ازیں رخت از بدن برکنده و لنگی درکمر پیچیده نشسته حقه می‌کشیدند ، احوال کشتی را دیگر گون یافته خود را بر آب زدند و چوں از طفلی مشق شنا رسانیده اند شروع بدست و پا زدن در آب‌کردند - از آں جا که او تعالی شانه در همه حال معین و یاور اهل اقبال ست ، در آں حالت پیرے نورانی جبه دوکدو بایشاں داده گفت که ایں ها را زیر سینه گذاشته شنا نمایند ، حق تعالی بسلامت بساحل خواهد رسانید - ایشاں هر دو کدو از دستش گرفته موجب اشارت پر بشارتش بعمل آوردند و در اندک سعی بفضل بیکران او تعالی شانه بخیریت بساحل رسیدند - بیایم بر سر احوال (۲۳۱ ب) کشتی بمجرد آں که ایشاں خود را بر آب زدند ، کشتی در آب فرو نشست و قریب چهل و پنجاه کس از مقربان و نزدیکان که در آں جا گزیں بودند ، غریق بحر فنا گشتند[1] آرے —

دریں ورطه‌کشتی فرو شد هزار که پیدا نشد تختهٔ برکنار

سخن مختصر ایشاں یک دو مقام در پرگنهٔ بٹالا نموده بعد ازاں‌که فوج و کارخانجات رسیدند ازآں جا کوچیدند ، و بعد رسیدن بنواح لاهور ازگرداه بزیارت مرقد منور مطهر پدر عالی‌قدر و جد بزرگوار پرداخته نهم رجب المرجب سنه صدر داخل شهر گردیدند ، لمصنفه —

می رسد فخر قوم مجنوں را وارث شهر سبز ها مونند[2]

بعد فراغ از رسمیات تعزیت بانتظام مهام آں ضلع پرداختند و موجب[3] رسم دودماں خود دام جود و سخا گسترده طرح صید دلها

---

۱ - اصل : کشیدند -

۲ - اصل : ها موبند - ع : ها مونند - شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا -

۳ - اصل : موحم -

انداختند - حالاخامۀ بدایع نگار این ماجرا را همین جا مےگزارد و احوال حضور پرنور می نگارد -

سعیِ خامۀ بدائع نگار در تحریر ماجراے دربار جهان مدار

چون از روے نوشته جات ارباب تحریر لاهور خبر رحلت سیف‌الدوله بهادر مغفور بشاه جهان آباد رسید نواب صاحب وزیر الممالک اعتمادالدوله بهادر دام اقباله در تعزیت نشستند و تا سه روز جمیع ارکان سلطنت و برگزید هاے خلافت بتقریب فاتحه آمد شد می داشتند - من بعد بموجب حکم والا عمدة الملک[1] امیر خان بهادر نواب صاحب را از ماتم برداشته بحضور بردند و از جناب اقدس (۲۳۲ ؟) بعد ارشاد کلمات متضمن به فضل[2] دل جوئی چیرۀ پیچیده بدست مبارک مرحمت شد و نیز دو دست خلعت تعزیه باد و منشور لامع‌النور مشعر تفضلات بادشاهانه حواله گرز داران شد که باعزالدوله بهادر و هزبر جنگ برسانند ، بیست و ششم جمادی الثانی سنه مذکور از پیشگاه خلافت و جهان بانی محی‌الدین علی خان بهادر دیوان بیوتات براے ضبط اموال سیف الدوله بهادر مرحوم به لاهور دستوری یافت -

اگرچه فدویت و بندگیِ سیف الدوله مبرور مقتضی این معنی بود که لاهور و ملتان از انتقال آن مغفور باعزالدوله بهادر و حیات الله خان بهادر مرحمت می گردید لیکن ازآن جا که ع

رموز مصلحت ملک خسروان دانند

بخاطر اقدس گزشت که صوبه جات را به بندهاے دگر مرحمت باید فرمود - نواب صاحب وزیر الممالک بهادر نظر باین معنی که

---

۱ - دیکھیں مآثرالامرا - ج ۲ : ۸۳۹ - اروِن (فوج مغولان هند) ص ۲۹۱ -

۲ - ع : تفضل -

چوں از مدتے ممتد صوبۂ لاہور بسیف الدولہ عبدالصمد خان بہادر مرحوم و سیف الدولہ زکریا خان بہادر مغفور تعلق داشتہ ازیں ممر مانند بلخ و بخارا وطن مغلیہ گردیدہ و ایں ہا عمارات و باغات و مقابر در آں جا دارند و در صورت متقرر شدن بدیگرے ویرانی و خرابی آں ہاست لہٰذا دریں باب استادگی تمام کردہ جہت تقرر صوبجات بنام اعزالدولہ بہادر و ہزبر جنگ بہادر بعرض اشرف سانیدند ، و اکتفا بریں معنی نکردہ مبالغہ را کہ منافیِ عالم بندگی است از حد گزرانیدند لیکن (۲۳۲ ب) بنا بر بعض جہات کہ قابل تحریر نیست اصلا مزاج اشرف بریں پلہ نیامد ، از بوالعجبی ہاے تقدیر است کہ راجا ایسر سنگھ[1] پسر راجا دھراج بعد فوت پدر خود بعطاے زمینداری آنیسر[2] و نظامت اکبر آباد و جاگیرات[3] کہ پدرش داشت سربلند شود و اعزالدولہ بہادر و ہزبر جنگ بہادر با وصف سررشتۂ بندگیِ درگاہ آسمان جاہ و نسبت ہمشیرہ زادگی نواب صاحب جمدۃ الملک[4] مدارالمہام یک قلم از ارث محروم باشد ، بارے جاے دم زدن نیست ۔ رباعی ؎

هرگز درِ مدح و ذم نمی باید زد از حد بیرون قدم نمی باید زد
دنیا همه مرآت جمال ازلی ست می باید دید و دم نمی باید زد

بیایم برسر حرف مطلب ؛ ہرگاہ نواب صاحب وزیرالممالک بہادر دریں امر مبالغہ را بسرحد نہایت رسانیدند تجویز دیگراں موقوف مانده مرضیٔ اقدس بریں معنی آمد کہ ہر دو صوبۂ مسطور بہ نواب صاحب وزیرالممالک بہادر مرحمت فرمایند ، ناچار[5] نظر براینکہ

۱- ع : ایسر سنگھ ، بجاے ایشور سنگھ پسر دھیراج جے سنگھ : رک بہ مآثرالامراء ۲ : ۸۳ -

۲- اصل : انیسر -

۳- اصل : کہ چاکرانی ، تصحیح از روے ع -

۴- جمدہ بمعنی بزرگ و بلند -

۵- ع : نواب صاحب ناچاہ (بجاے ناچار) -

تا رگ و ریشهٔ تصرف مغلیه ازآں سرزمین پراگنده نشود[۱] و بایں جانب که مقرر شد حقیقتاً برائے اعزالدوله بهادر و هزبر جنگ بهادر ست قبول نمودند و از پیشگاه خلافت نهم شعبان المعظم سنه مذکور روز سه شنبه خلعت خاصه و چیرهٔ پیچیده بدست خاص با طره و اسپ[۲] و فیل با طلا[۳] بابت تقرر نظامت لاهور و ملتان بایشاں مرحمت شد برسالهٔ بخشی[۴] سوم عمدة الملک بهادر آداب بجا آورند ، و هماں روز با وصف شدت بارش پیش خیمه (۲۳۳ الف) را جانب لاهور بر آورده مقرر کردند که عنقریب بآں سمت متوجه شوند تا یک چند درآں ضلع بوده و از نظم و نسق آں جا خاطر جمع نموده باز مراجعت بحضور نمایند۔ سه تاریخ متضمن ایں معنی راقم حروف یافته مرقوم قلم بدایع رقم می شود لمصنفه ـــه

[(۱)] اعتماد الدوله[۵] نواب وزیر
آں محیط فضل و دریاے کرم
از جناب اقدس گیتی خدیو
سایهٔ حق مظهر فیض اتم
یافت از راه تفضل در تیول
صوبهٔ لاهور و ملتان نیز هم
زیں جهت تشریف خاصی شد عطا
از پے آں صاحب سیف و قلم
خامه ام سال مبارک فال آں
''خلعت پنجاب'' کرد امشب رقم
۱۱۵۸

۱- اصل : تا پنجاب ، تصحیح از روے ع ۔
۲- ع : مقیش ۔ ۳ - ع : طلایر (طلائی ؟)
۴- بخشی سوم کے فرایض کے متعلق دیکھو ارون کی کتاب ''دی آرمی آف دی انڈین مغلز'' ص ۳۹ ۔
۵- اصل و ع : خان بهادر اعتمادالدوله (بجاے اعتماد الدوله) ۔

[(۲)] وزیـر الممالک مدار المهام
که اقبال او باد دایم فزون

بحکم[۱] شهنشاه گیتی خدیو
که یک بندهٔ اوست گردون دون

که لاهور و ملتان بجاگیر یافت
بصد میمنت هم بچندیں شگون

پے سال فرخنده فالش سحر
نمودم سوال از دل ذوفنون

بفرمود ناگاه هاتف بگـو
که ''لاهور و ملتان مبارک کنون''

۱۱۵۸

[(۳)] و در نثر چنیں یافته شد :
''بنده نوازا ! لاهور و ملتان مبارک !''

۱۱۵۸

ایجاز سخن ، نیابت نظامت لاهور بمیر مومن خان و دیوانی به لکهپت رائے مقرر شد و نیابت نظامت ملتان بخواجه اسحاق خان بدستور سابق بحال ماند ، با آن که حرکت نواب سمت پنجاب مقرر و پیش خیمه هم برآمده بود لیکن تقدیر که برتدبیر غالب ست ورق اراده را برگرداند ـــه

(۲۳۳ ب) اگر محول حال جهانیان نه قضاست
چرا مجاری احوال بر خلاف رضاست

بلے قضاست بهرنیک و بد عنانکش خلق
بدان دلیل که تدبیر هائے جمله خطاست

---

۱ - اصل میں اس سے پہلے ایک مصرع دیا ہے : ''گدازد ز بیمش بخود چوخ پیر'' مگر دوسرا مصرع نہیں دیا ـ

از لیرگیهاے ایں قصر ممنا فام پاے[1] لغزیدن نواب صاحب وزیرالمالک بهادر از سر زینهٔ پشت بام

بیست و هشتم[2] شعبان سنه مذکور نواب صاحب وزیرالمالک بهادر بقاعدهٔ قدیم سر شام از حویلی اجمیری دروازه سوار شده در حویلی نوکه آن نیز قریب بدروازهٔ مذکور و محاذیٔ حویلی مسطوروست تشریف فرمودند و چون ذوق مفرطے بتماشاے تعمیر[3] تازه دارند بروشنی مشعل سیر عارت می نمودند ، از آن جا که با میرعارت متوجه بحرف بودند پا از سر زینهٔ اول پشت بام لغزید ، و چون هیچ جا نتوانست قایم شد آسیبی سخت و صدمهٔ قوی در سر بند سرین[4] چپ رسید ، در آن حالت غش اشاره بقصد کردند چنانچه همان وقت بعمل آمد ، آخر شدت وجع و الم باعث حرارت شد ـ فردایش معتبرالملوک[5] علوی خان و علی نقی خان و معالج خان[6] وغیره حکماے پادشاهی حسب‌الحکم والا حاضر شده باقسام تدبیر و معالجه پرداختند تا بعد مدتے طاقت حرکت پیدا کردند ، لیکن هنوز اثرے ازآن باقیست زیرا که هنگام راه رفتن محتاج بعصا اند ، امید که از فضل الٰهی آن نیز رفع شود و شفاے کلی حاصل گردد ــ

دلا معاش چنان کن که گر بلغزد پاے
فرشته[7] ات بدو دست دعا نگه دارد

---

۱ - ع : لغزیدن پاے - ۲ - ع : هفتم -
۳ - اصل : سیر ، تصحیح از روے ع -
۴ - ع : سران -
۵ - اصل : المملوک -
۶ - ع : معالجان-
۷ - اصل : فرشته ، تصحیح از روے ع -

در واقع که اثر دعاهاے سحری و نیم شبی خلق الله بود که حق تعالیٰ (از) این گونه بلاے ناگہانی حفظ (۳۲ ؟) ذات حمیدہ صفاتش نمود - تاریخ که متضمن این معنی یافته شد به قلم می آید لمصنفه ~

جمدةالملک ، وزیر اعظم — که خدایش بسلامت داراد!
شب که گلگشت عمارت می کرد — بادل خورم و از غم آزاد
گل بدانسان که فتد از گلبن — از سر بام بناگاه افتاد
سال این سانحه دل جست از من — گفتمش حق همه جا حافظ باد!

۱۱۵۸

بارے بنا بر رحلت سیف الدوله بهادر مغفور و عدم تقرر نیابت نظامت بنام اعزالدوله[1] بهادر و هم ناخوشی هر دو والا گهر باهم دگر و تاخیر کوچ نواب صاحب و همچنین بسبب بعض مهات دیگر سر تا سر پنجاب دار آشوب و فساد شد و هر طرف فتنه پیرایان غارت پیشه و هنگامه آرایان کوتاه اندیشه که از روزگار دراز در کنج خمول و گمنامی خزیده بودند سر از رخنهٔ فساد برآورده در خرابی و ویرانی آن مملکت بمقدور قصور ننمودند ، شهرها بغارت[2] رفت و قصبه‌ها تاراج[3] کردند تا خاندان‌ها پامال حوادث گشت و بدولتها آفت رسید - غرضکه زمانه از مردم آن جا که بنابر عدالت و کرم نواب ناظم مرحوم در کمال آرام و آسودگی زندگانی می کردند طرفه انتقامی کشید - چنانچه تا ساعت تحریر که پنجم[4] رجب و سنه بیست و نهم جلوسی است و یک سال و یک ماه و بیست و سه روز از رحلت نواب ناظم مغفور گزشته ، هنوز آن مملکت محل فتنه و فسادست ~

۱ - یعنی یحییٰ خان -
۲ - ع : بتاراج -
۳ - ع : غارت -
۴ - یعنی ۵ رجب ۱۱۵۹ھ = ۲۴ جولائی ۱۷۴۶ع -

جهان دارد جهان را خراب   بهانه است کاؤس و افراسیاب

بعد یک چند از رسیدن اعزالدوله بهادر بلاهور هزبر جنگ (۲۳۳ ب) بهادر از دوآبه جانب لاهور بحرکت آمده در مکان حضرت ایشان اقامت گرفتند و باعزالدوله بهادر در باب تقسیم ملک و مال پیغام کردند ، آخر کار حرف بطول کشید و عاید بنا خوشی ها شده ، در افواج طرفینگونه زد و خوردی واقع گردید ـ من بعد پاے مصالحه درمیان آمد و باهمدگر بسواری کشتی درمیان دریاے راوی ملاقاتی نیز دست بهم داد و یک پارهٔ نقد و جنس از جملهٔ ترکه بطریق علی‌الحساب بشرط کوچیدن سمت دوآبه از پنجاب حوالهٔ متصدیان سرکار هزبر جنگ بهادر شد و ایشان بدوآبه کوچیدند ـ

رسیدن محی الدین علی خان بهادر با اموال از لاهور بحضور و حواله گردیدن بمسود اوراق به علاقهٔ وکالت نواب سیف الدوله بهادر مغفور

محی‌الدین علی خان بهادر دیوان بیوتات که براے ضبط اموال از حضور مامور شده بود ، "نه لک روپیه نقد و یک پارهٔ جواهر و طلا آلات و نقره آلات و پنج زنجیر فیل و یک صد و چهل و شش‌اسپ و دو صد و سی و یک شتر و بیست استر و توشک خانه و فراش خانه وغیره کارخانه جات که تفصیل آن طول می خواهد ، بضبط در آورده هژدهم ربیع الاول سنه مذکور روانهٔ حضور شده ، و هفدهم ربیع الثانی بشاه جهان آباد رسیده برسالت عمدة الملک[1] بهادر شرف اندوز سعادت ملازمت اقدس گشت ، و بعطاے خلعت شش پارچه و علم و نقاره نوازش یافت و در باب اموال بسعدالدین خان[2] بهادر*

---

۱ - دیکهیں صفحه ۱۰۳ ، حاشیه ۴ -

۲ - در اصل بعدش : خان بهادر خان -

(۲۳۵ ا) خانسامان حکم شد که تحویل تحویلداران کارخانه جات سرکار والا نماید ، چنانچه بر طبق حکم قضا شیم بظهور رسید ، یعنی زر نقد داخل خزانهٔ عامره و جنس سپرد کارخانه‌داران گردید ، بعد سه روز ازین[1] بسعادیت بعض* اعزه بیست و سوم شهر و سنه مسطور اول ازین روز که بندگان حضرت قدر قدرت در دیوان خاص تشریف آوردند بسعدالدین خان بهادر خانسامان ارشاد قدسی شد که چون اموالے که محی‌الدین علی خان بهادر آورده قابل سرکار والا نیست سوائے زر نقد ، طلاآلات ، نقره آلات و جواهرے که پسند شده ، دیگر هرچه هست حوالهٔ وکیل نمایند و همین امروز رسید [بمهرش[2]] گرفته از نظر انور بگزرانند ، در واقع که چه لازم کرده که مشتی اسپ و فیل و شتر دانه خور زیادتی در سرکار والا باشد ، آنچه حیثیت[3] پسند طبع اقدس اشرف داشت و آن عبارت ست از زر نقد و طلا آلات و نقره آلات و جواهر خود بمقتضاے تفضلات پادشاهانه در وهلهٔ اول داخل خزانه شد ـ

بارے خانسامان در کچهری آمد نشست و بکارخانه داران تاکید بلیغ کرد که توشک خانه و فراش خانه و فیلخانه و اصطبل و آهو خانه وقوش خانه وغیره کارخانه جات اموال را از تحویل کارخانه‌داران بادشاهی طلبیده همین وقت بخانهٔ وکیل که عبارتست از راقم سطور برسانند و رسید هر کارخانه بمهرش بیارند ـ و خود تا دو پهر شب از کچهری برخاست (۲۳۵ ب) تا آن که کارخانه‌جات مرقوم را بخانهٔ فقیر نه فرستاد ، از رنگ آمیزیهاے نقشبندان قضا و قدر ست که محی‌الدین علی خان [دیوان] بیوتات [که] بنابر ضبط اموال از جناب خلافت مامور گردیده و اموال بحضور آورده بود بعطاے اضافه و نقاره سرافراز شود و در حق

---

۱ ـ اصل : ازین صحبت بسعانت بعرض ، ع : از سعایت بعض ـ
۲ ـ از روے ع ـ
۳ ـ اصل : حیثیت ، ع : حیشت ، تصحیح قیاسی ہے ـ

بے چارہ وکیل کہ بعد رحلت سیف‌الدولہ بہادر مرحوم باحوال خود گرفتہ و معطل و بیکار است حکم شود کہ اموال را بخانہ اش رسانند و دواب پانصد روپیہ روزی[۱] خرج* وابگردنش بہ بندند و دم نقد خود جا می باید کہ گنجایش این ہمہ کارخانہ‌جات داشتہ باشد ۔ بارے قریب بشام آمدن[۲] اموال محشر* تمثال شد ۔

بسم‌اللہ اول فیل‌خانہ کہ ازآن جملہ یک فیل سیہ مست خون خوارہ و بر پشتش فیل‌بان شور پشتے[۳] سوارہ بود و دہ دوازدہ کس با چرخی و بھالہ ہمراہ داشت بر دروازۂ حویلی رسید و راہ آمد و شد مردم بکلی مسدود گردید ۔ سر حلقۂ فیل بانان بادشاہی کہ چیرۂ کھڑکی دار بر سر پیچیدہ خود را آدم تراشیدہ بود آمدہ[۴] نشست و مستدعی رسید گشت ۔ بگفتم کہ منشی را بطلبید کہ رسید نوشتہ بدہد ، منشی از خانۂ خود پیش فقیر می آمد[۵] فیل مست اندکی اشارت خرطوم طرف مخدوم کرد ، آں بیچارہ برہمن ناتوان کہ مشت استخوانی بیش نیست : ''ہاے پرمیسر کیسی [ک[۶]]'' گفت و بر زمین غلطید و در آں مرتبہ حس و حرکتش مفقود شد کہ گوئی بدیولوک رسید بارے (۳۶ الف) کسان فقیر بسر وقتش رسیدہ از آں مہلکہ بر آوردند ، و لرزاں و ترسانش براے دیگر پیش فقیر رسانیدند ، رسید افیال نوشتہ حوالۂ آں عزیز چیرۂ کھڑکی بند کردہ رخصت‌نمودہ شد و بہ مہاعظم کہ اہتمام دواسپ خانۂ فقیر بعہدۂ اوست گفتم اے یار عزیز ! ہر چند بلاے نازل شدہ است

---

۱ - اصل : روزی خور ، تصحیح از روے ع ۔

۲ - اصل : آمد بے اموال بمحشر تمثال ۔ ع : آمدنی اموال محشر تمثال ۔

۳ - شور پشت بمعنی شورہ پشت ہے ۔

۴ - اصل : و آمدہ ، ع مثل متن ۔

۵ - اصل : آید ۔

۶ - از روے ع ،

لیکن استقلال[1] از دست نباید داد و کمر سعی بمیان همت بربند ، بالفعل احاطۂ زمینی که بر پشت اصطبل ست فیل و اسپ و شتر را و دیگر هرچه بباید در آن جاده او تعالی شانه آسان خواهد کرد ۔

پهر شب گزشته اصطبل و شترخانه و استرخانه رسید و از شور و شر سائیسان آب بےلجامی خورده و از شیهۂ اسپان از گرسنگی نیم مرده طرفه زلزله در محله برپا کردند ، مردم دروازه هاے حویلی و اهل حرفه دوکان ها ــ واسته بازار بند کرده دم در نمی کشیدند و کلمۂ "فسهل یا الٰهی کل صعب" بر زبان مثل بید بر خود می لرزیدند ، بلکه دو سه دکان شیرینی فروشان بسبب شیطنت و شلتاق[2] مردم بادشاهی بتاراج هم رفت ، شب تا روز آمد آمد کارخانه جات محشر آثار و هجوم مردم سرکار والا و تنگئی جا عجب صحبتے و طرفه حالتے بوده است ۔ شب همه شب و فردایش تا آن‌که آفتاب غروب نمود ، این هنگامه بلند بود ۔ طرفے افیال و اسپ و شتر استاده و سمتے بوز و شیربچه‌ها[3] و پارهه [پاڑهه[4]] و آهو داد هنگامه آرائی داده ، جائے قفس طوطی و بلبل و کوکلا و مرغ کوهی چیده ، و بگوشۂ باز و جره و شاهین صید (۲۳۶ ب) عقاب بےطعمگی گردیده ، غرض‌که خانه از هجوم مردم وکثرت از هر نوع جانور حکم احاطۂ شکار قمرغه پیدا کرده بود ، و صحن خانه بعینه صفحۂ تصویر فیل جادو می‌نمود ۔

مردم خود را چون مضطرب و سراسیمه یافتم ، گفتم چه واقع شده است که حواس را برباد داده اید؟ جاے شکایت نیست بلکه مقام شکرست زیرا که حرف دیروز ست که چون تقریب سیر چهڑی مدار درمیان بود فکر کرایه "نه ده شتر داشتم امروز

---

۱ - اصل : احتیاط ، تصحیح از روے ع ۔
۲ - دست برد عیارانه و رندانه (مرآةالاصطلاح) ۔
۳ - اصل : شتربچه ها ، ع مثل متن ۔
۴ - در ع ۔

بفضل الٰہی دو صد و سی و یک شتر یکے از دیگر بہتر دارم - پری شب شخصے کہ با قفس بلبلے از سر کوچہ می‌گزشت جہت فروختنش بود بودم امروز نام خدا صاحب ہزاران بلبل وغیرہ مرغان رنگین گفتارم - با آں کہ عاجز ترم از مور ، مخاطب بادشاہ سلیمان جاہ ہندوستانم - و با وصفے کہ گوشہ گزیں و خانہ نشیں کلہ بکلہ باامراے عالیشانم - از بوالعجبیہاے تقدیرست کہ در حالت احتیاج مالک سر و سامان امیرانہ ام و در صورت قلندر پیشگی خداوند سی و شش کارخانہ - اگر خروج کنم بجاست کہ سواءی فیل و اسپ و شتر و خیمہ چندیں چھکرہ زرہ[۱] و بکتر و نیزہ و شمشیر و سرب و باروت مہیا ست - اگر بسیر و شکار پردازم رواست کہ ہمگی لوازم آں آمادہ بر وفق تمناست - آمدم بر فکر خوراک دواب و محافظانش ؛ ظاہر ست کہ کفیل روزیؒ ہر ذی حیات رازق حقیقی است ، او تعالیٰ شانہ بہر وضع خواہد (۲۳۷ (؟) رساند - اگر ایں معنی زیادہ بر مقدورم خواہد بود دیگرے[۲] را بر احوال ایں مشتی بے زبان [مہربان[۳]] خواہد گردانید - بیت

رزق را روزی رساں مقدار ہر پیمانہ داد
خوشہ را چندیں شکم داد و بہر یک دانہ داد

بارے چوں دفعتاً بہم رسیدن قریب سی صد چہار صد کس سائیس و ساربان و بکسریہ[۴] وغیرہ براےنوکری امر محال بود و عملہ و فعلۂ بے رحم پادشاہی خود از سر واکردہ بدر زدند ، نوبتے ہماں فیل مست مسمی بجہاں شکوہ از بے مہابتی زنجیرہا ازہم گسلاندہ

---

۱ - دیکھو ارون (دی آرمی آف دی انڈین مغلز ، صفحہ ۷۶)-
۲ - اصل : او -
۳ - از روے ع -
- بکسر پرگنۂ بھوج پور ، سرکار رھتاس - صوبۂ بہار کا ایک قصبہ (چہار گلشن) - 'بکسریہ' کے متعلق دیکھو ارون کی کتاب مذکور صفحہ ۱۶۸ -

بمرتبۂ بر سر شورش آمد کہ در تمام محلہ قیامت برپا گشت ۔ اسپ و شتر رم کردہ هر مکیں آوارۂ دشت یلہ گردی شد ، بلکہ بعضے اسپ خود مانند اسپ اسمید[۱] جگ راجہ هاے هندوستان سر تا سر شہر گردیدند ، و بعد از سہ روز بجسن سعی مردم کوتوالی بہم رسیدند ۔ دیوان حافظ شیراز قدس اللہ سرہ العزیز بہ نیت ایں کہ مآل ایں مقدمہ چیست؟ بفال کشادم ، ایں غزل برآمد : غزل

هاتفی از گوشۂ می خانہ دوش گفت ببخشند گنہ ، می بنوش
لطف الٰہی بکند کار خویش مژدۂ رحمت برساند سروش
فضل خدا بیشتر از جرم ماست نکتۂ سربستہ چہ دانی، خموش
گوش من و حلقۂ گیسوے یار روے من و خاک در می فروش
داور دیں شاہ شجاع آنکہ کرد روح قدس حلقۂ امرش بگوش
ای ملک العرش مرادش بدہ وز خطر چشم بدش دار گوش
گرچہ وصالش نہ بکوشش دھند آں قدر ای دل کہ توانی بکوش
رندی حافظ نہ گناہی است صعب با کرم بادشہی (۳۲۷ب) عیب پوش

مذکور فیل مردہ

بعد از یک هفتہ ازیں صحبت در حویلی قدیم در بنگلۂ انگوری[۲] کہ بر پشت بام است ، فقیر و مرزا صلاح بیگ متخلص بہ آگاہ کہ مدار مہمات خانہ ٔ محی الدین علی خاں دیوان بیوتات بر اوست ، نشستہ بودیم ، دریں ضمن چوبدار سعد الدین خان بہادر خانساماں یا چارپائی کہ برسر مزدوران بود رسیدہ اداے پیغام کرد کہ دو فیل نر و سہ مادہ فیل بابت سرکار سیف الدولہ بہادر مرحوم بضبط آمدہ بود ، ازآں جملہ چہار ما خود پیش ازیں رسانیدہ و رسید

۱ ۔ یعنی اشومیدھ یگ = جشن قربانی اسپ ۔ اس کے متعلق دیکھو هیسٹنگز کا دائرہ معارف مذھب و اخلاق، جلد ۲، صفحہ ۱۶۰۔

۲ ۔ مصنف کو انگور کی بیلوں سے بہت دل بستگی تھی ۔ دیکھو مرآۃالاصطلاح ، بذیل داربست ۔

حاصل کرده شد - یک فیل که بسبب بیماری در شهر بند مانده بود سقط گردیده - چنانچه هر دو دندان[1] ورخوت*(؟) آن برین چارپائی است ملاحظه کرده باید گرفت و رسد باید داد - گفتم اے خانه خرابان ! شاید از گرفتن رسید زنده ها تسلی نشده آید که حالا رسید جنازه ها می خواهید ، بروید و ببرید ، من چه دانم که دندان ورخوت[2]* که آورده اید از همان فیل ست یا از فیل دیگر ازآن قبیل -

کیفیت دیوان مرزا صایب علیه‌الرحمة

شاید که یک ماه پیش ازین هنگامه از شخصے خبر یافتم که رائے نونده رائے پیشکار خالصه دیوان مرزا صایب علیه الرحمة دارد که قریب یک لک بیت ست - چون از مدتے تلاش این قسم دیوان داشتم از پیش رائے مذکور طلبیده شیرازهٔ اجزایش وا کردم و مسطر چهار مصرعی موافق صفحهٔ اصل ترتیب داده بنا بر برداشتن نقل به "نه کاتب حواله نمودم ، در عرصه سه ماه و پنج روز هشتاد و دو جزکه شصت و نه هزار و پنجاه و هشت (۲۳۸ ؟) بیت دارد باتمام رسید و مبلغ یک صد و هفده روپیه و پنج آنه صرف کاغذ و کتابت و جدول و جلدش کردند - حاصل این گفتگو روزے که هنگامهٔ اموال بمیان آمد فردایش کاتبی از جملهٔ کاتبانش جزوے تمام کرده پیش فقیر آورد - برسر ورق جزوکه نظر کردم این بیت مرقوم بود : بیت

در خطره گاهی که سر باید گرفتن با دو دست
می کنند این عاقلان اسباب را گرد آوری

غریب رقتی حاصل شد - در سال یک هزار و یک صد و پنجاه و یک هجری که شاه آسمان جاه نادر شاه فرمان روائے قلم رو ایران به هندوستان مسلط شد برای العین دیده شد که هرکه مال و منال

---

۱ - اصل : ورحوت ، ع : وزخوت -
۲ - اصل : ورحوت ، ع : وزخوت -

بیشه[۱] داشت او را آفت بیشتر رسید ـــــ

اسباب جہاں کہ اکثرش ناچاریست
در صورت افراط سراسر[۲] خواریست
بر قصر ہوسہا ست بنائے آرام
تشویش دلے بقدر دنیاداریست

بیایم بر مطلب

چار ہزار روپیہ معرفت راجا قابل رام متصدی سرکار نواب صاحب وزیرالمالک بہادر از برکت[۳] بہان ساہو بحساب دو[۴] روپیہ سود سر صد* بموجب تمسک قرض گرفتم و مبلغ مرقوم را برائے اخراجات کارخانہ جات تحویل سیام صراف[۵] نمودم ، حالا منم کہ ملک التجار ہندوستانم چنانچہ[۶] [آن چہ ا] در جہاں خلق شدہ گو بالقوہ نباشد بالفعل خود مالک آنم ـ روزہا خانہ ام را ہر کہ می‌دید کاروان سرا می پنداشت و شبہا ہر کہ تماشا می‌کردش خیمۂ شب باز می انگاشت ـ چون مامور بودم بفروختن کہ کہ‌ٔ اسپان رفتہ از کار (۲۳۸ ب) و قطار قطار شتران بے مہار ، و رسانیدن وجہ قیمتش بخزانۂ سرکار دو سہ تا خیمہ بشکوہی درمیان چار باغ زدم و حسب الارشاد خداوندان دولت در باب فروخت اسپ و شتر و استر اجازت دادم ، مقومان مقیم سرکوچہ‌ٔ غرض آمدہ نشستند و مال یک روپیہ را بچہار آنہ قیمت کردند ، کیست کہ معترض احوال آن ہا شود زیرا کہ مقومان سرکار اند و در[۷] ضمن* این

۱- اصل : بسیار ـ ۲- اصل : دلیل ـ
۳- اصل : برکیہان ، ع : برکتیہان ـ
۴- ع : سود سر صد دو روپیہ ـ
۵- اصل : طرف ـ
۶- کذا ـ
۷- اصل : دربی ضمن ـ

گونه قیمت کردن غرضی هر آینه* مد نظر داوند ، بارے اسپ و شتر و استر وغیره بچهارده هزار و یک صد و پنجاه و شش روپیه و دوازده آنه فروخت۱ گردید* و آن چه بعد اخراجات و ادائے قرض ساهو باقی مانده جاے که مامور شد رسانید، چنانچه مفصل در جمع خرج مرقوم ست۔

قریب هفتاد و هشتاد چهکڑۂ توشک خانه و قورخانه۲ و فراش خانه وغیره کارخانه جات از عدم دادن رسید هنوز باهتام مردم بیوتاتی بود ، چه آن ها رسید بقید می خواستند و حال آن که بدون عرض گرفتن جنس این معنی نمی توانست ، صورت بست ، لهذا قرار یافت که نویسنده هاے راست قلم هر دو طرف بنشینند و بار چهکڑها کشوده صندوقهاے توشک خانه که سر بمهر ست بر شار عددے آن اکتفا نمایند و جنسی که زیر مهر نیست تفصیلش بر نگارند ۔ ششم جادیالاول سنه صدر مرزا صلاح بیگ که در اوراق گزشته احوالش مرقوم ست با نویسندۂ چند از جانب محی الدین علی خاں دیوان بیوتات و گڑه پت راے پیشکار مشرفی ابتیاع خانه۴ زده بود (۲۳۹ الف) سرکار والا (با) بعض ارباب تحریر از طرف فقیر در خیمه هاے که به گلزمین۳ نواح چهار باغ زده شده بود بعرض گرفتن جنس کارخانه جات پرداختند ، و چهاردهم شهر صدر ذاغ حاصل ساختند ، پانزدهم ، شانزدهم و هفدهم سه روز و دیگر در مقابله۴ کاغذ گزاشت ، من بعد مردم بیوتات پادشاهی رسید بمهر فقیر گرفته چهکڑهاے اموال یعنی امانتے را که زمین و زمان و دشت و جبال نیاست۳ متحمل آن شد بتحویل راقم سطور نمودند ،

۱- اصل : فروخته کردند ، ع مثل متن ۔
۲- اصل : تور خانه ، تصحیح از روے ع ۔
۳- در ع افزاده : بو که ۔
۴- اصل : نداشت ، تصحیح قیاسی است ۔

شور ظلوماً و جهولا از شش جهت بلند تا سما ، فقیر تماشائی نقش پردازیهاے قضا - شعر :

آسمان بار امانت نتوانست کشید   قرعهٔ فال بنام من دیوانه زدند

بهر تقدیر چون آمد آمد ایام برسات بود اراده مصمم شد که زود کارخانه جات روانهٔ لاهور گردد - تدبیر این معنی درمیان بود که درین ضمن از ڈیوڑھی خدمهٔ عالیهٔ بیگم صاحب محل نواب سیف الدوله مغفور پیغام رسید که بعضے جنس از توشک خانه و فراش خانه درکار است ، تعجیل در روانه ساختن کارخانه جات بوقوع نیاید - هرچند نظر ببعضے جهات مصلحت در روانه شدنش[1] بود لیکن چون خداوندان دولت چنین فرمایند غیر از قبول [علاج[2]] نداشت ، صورت اینست : جواهرے که از لاهور ارسال حضور شده بود بندگان حضرت خلیفهٔ دین و دولت رو برو وا فرموده و همگی ملاحظه نموده بعضے رقم که سی و یک هزار و سی صد و پنجاه روپیه اصل قیمتش بود پسند ساخته به (۲۳۹ ب) قیمت هفت هزار و دو صد و شصت و سه روپیه که مقومان حضور مقرر کرده بودند ، نگه داشتند و بقیه[3] سر بمهر سعد الدین خان بهادر خانسامان و جواهر خان داروغهٔ جواهر خانه حوالهٔ راقم حروف شد - فقیر بجناب نواب صاحب وزیرالممالک بهادر (و) خدمهٔ عالیه التماس کردم : ''کارخانه جاتے که در محله گنجایش نداشت تحویل بنده شدن مضایقه ندارد لیکن متحمل بار سنگین جواهر هرچند بیش از یک صندوق و یک صندوقچه نیست عاجز نمی تواند شد ، در سرکار خود نگاه باید داشت -'' حق تعالیٰ در عمر و دولت خدمهٔ عالیه بیفزاید که درسرکار خود نگاه داشتند و رسید بمهر و دستخط خود عنایت نمودند ، و همچنین توشک خانه و چینی خانه و پهنڈه[4] خانه

۱- ساختنش -   ۲- از روے ع -

۳- اصل : نیمه ، تصحیح قیاسی است -

۴- یعنی حقه نوشی کے متعلقات -

و ظروف باورچی خانه و آبدار خانه وغیره کارخانه جات را در سرکار خود نگه داشته رسید[1] مکرمت ساختند، و از جنس فراشخانه آنچه درکار بود بابا بختاور را که پرستار مزاجدان و جواب و سوال ڈیوڑھی باهتمام آنست در چار باغ فرستاده طلبیدند و رسید آن نیز لطف نموده در روانه ساختن کارخانه جات مختاز نمودند ـ

روانه شدن اموال از شاهجهان آباد به لاهور بموجب حکم والا به اهتمام راقم سطور

چون از جناب خداوندان دولت ارشاد شده بود که چهکڑۂ اموال و افیال را همراه بیگ[2] نظر خان عرف حاجی نذیر احمد و خواجه بدیع ملازمان اعزالدوله بهادر که یک چند پیش ازیں بتقریب مهمان داری بیگ علی وغیره جاوه دار سرکار عظمت مدار (۲۰۳ أ) شاه فلک بارگاه نادر شاه فرمان روای ایران بشاه جهان آباد رسیده بودند روانه کرده شود و از سرکار عالی تعین بسبب بعض جهات قرین مصلحت وقت[3] نبود، لهٰذا یک صد و یک کس را نوکر کرده و لچھی رام خدمتگار قدیم الخدمت و حکومت رام محرر را نیز همراه داده بیست و دوم جمادی الاول سنه صد روانۀ لاهور کرده شد و روز اول متصل بکٹرۂ محل دار خان منزل گردید ـ

و بعد دو روز بیگ[4] نظر خان و خواجه بدیع نیز از ڈیوڑھی عالیه خلعت و دو صد روپیه یافته رخصت گردیدند، و از شهر کوچیده در کارخانه رسیدند و حاجی که خالی از بلاهتی نیست یکی بنابر رو بتافتن[5]

---

۱ - اصل : نرسید ـ

۲ - نیکخیر، ع : تکجر از روی تصحیح مرآة الاصطلاح (بذیل تنخواه) ـ

۳ - اصل : و وقت، ع مثل متن ـ

۴ - اصل : خواهان ـ

۵ - اصل : در ساختن، ع مثل متن ـ

در حضور که این معنی سببے داشت و دوم جهت گـریختن ایاز نام غلام محمود خود که ظاهرا مال قریب به پنج هزار روپیه برده از فلک و ملک بے مزه و نا خوش بود شروع بفرمایشها نمود گاهے پیغام می‌کند که این هاں اموال ست که (دیوان ـ ظ) بوتات با پانصد سوار و پیاده آورده بود حالا نمی توانم با این مردم قلیل برد ، لازم که فوجی از سرکار نواب صاحب مقرر شود ، و گاه گفته می فرستد که اگر تعین فوج از سرکار دشوار باشد خود دو صد سوار و پانصد پیاده نوکر کرده همراه باید داد و مبلغی براے خرچ من نیز باید فرستاد ، هر چند گفته شد که حالا در اموال چه مانده است غیر از چند چهکڑۂ فراش خانه نیست و معهذا از تعین مردم از سرکار عالی می توانست صورت بست چرا این دمه مردم نوکر (۲۳۰ ب) گرفته می شد ؟ و نیز غلام شما را من نگریزانده ام که از من بے دماغ باید بود ـ و باعث کم توجهئی خداوندان دولت فقیر نشده ام که چشم از خدمت گزاریهاے سابق پوشیده هزار تکلیف مالایطاق باید نمود ، با آن که[1]* می دانند که روزے دو صد روپیه کم و زیاده خرچ کارخانه است از آیین دولت خواهی خداوند بعید ست که مقام باید کرد ، روزی که جهت خرچ راه کارخانه بتکلیف سر انجام یافته در مقامات[2] کثره محل دار خان تمام باید کرد ، قطع نظر ازیں‌ها همگی پانزده روز در شروع برسات که آن عبارت ست از ماه ساون هندی باقیست ، و در راه از دو دریا می باید گزشت ، نظر باین مراقب بهتر این ست که دست ازیں هرزه خیالیها باید کشید ، و بسرعت هرچه تمام‌تر باید کوچید ، اصلا این حرفها بخاطر حاجی جا نکرد و بدار و مدار شبی بروز می آورد و چون دریافته شد که تاکید و تهدیدش فایده نمی‌کند احوال بجناب عالیه گزارش کرده شد و از جناب عالیه

۱ ـ اصل : حالانکه ، ع مثل متن ـ
۲ ـ اصل : مقدمات ، ع مثل متن ـ

سزاولان مامور شدند که حاجی را بکوچانند و بگویند که اگر زیاده بریں توقف کردی بعزل جاگیر معاتب خواهی شد - چنانچه سلخ جادی‌الاول سنه مذکور نور چشم کامگار رائے کرپا رام و فرزند ستوده اطوار رائے فتح سنگه و برادر مهربان لاله لچهی[1] رام و عزیزالقدر کشمیری مل وغیره یاران را فرستادم که شما نیز رفته به حاجی در باب کوچ تقید بلیغ نمایند ، و اگر با وصف این در کوچ استادگی کند دیگر معترض احوالش (۲۸۱ ؟) نبوده کارخانه را روانه[2] کنند - یاران مذکور در کٹره محل دار خان رسیده و به‌حاجی موکد گردیده سه پهر هان روز بیشتر کوچانیدند و خود در باغ مشفق مهربان رائے مجلس رائے پیشکار خالصه که متصل بکٹرهٔ محل دار خان و بنا بر آب نهر در کمال طراوت و لطافت ست، رسیده حاضری خوردند ؛ می گفتند بادنجان باغ که دست پخته شده بود خیلے لذت داد - چون خبر روانه شدن کارخانه جات یافتم ، شکر بجناب اقدس الٰهی بجا آوردم ، چه از روزے که اموال تحویل راقم سطور شده تا روانه شدنش تصدیعے کشیده شد که نصیب هیچ آفریده مباد! و این هرج و درد سر هر روزه منجر بضعف دماغ گردید و مدتے خون از دماغ می آمد ، تدبیرها بکار رفت تا مزاج باصلاح آمد : ع

دانهٔ اشکیم ما را گردش چشم آسیاست

آنچه دریافته شد حاجی که از چاشنی خواران لذت تجارتست بعضے جنس سوداگری با خود داشت ، چون تقریب کوچ جلو دار باشیان درمیان فوج سنگینی همراه شان بود لهذا در کوچ توقف می نمود - چنانچه از دو سه منزلے دارالخلافه بیشتر نکوچید تا آن که قافله جلودار باشیان نرسیده و کیفیت جلودار باشیان بدین موجب ست -

۱ - اصل : بحرام ، ع : پچی رام -
۲ - اصل : روا ، تصحیح از روے ع -

احوال جلودار باشیان سرکار عظمت مدار شهنشاه فلک بارگاه

شاه جم جاه نادر شاه فرمان‌روائے قلمرو ایران هشتاد و یک راس اسپ با نامهٔ نامی برائے بندگان حضرت قدر قدرت ظل‌الله (۲۴۲ ب) محمد شاه بادشاه غازی و "نه راس اسپ جهت نواب صاحب وزیرالممالک بهادر و همچنین حصه رسد برائے بعضے امرائے اعزازالدوله بهادر و همیں قدر هزبر جنگ بهادر و همچنیں حصه رسد برائے بعض امرائے دیگر مصحوب بیگ ، علی بیگ و کتاب الله بیگ جلودارا باشیان به هندوستان فرستاده بودند ، چون به لاهور رسیدند و اسپان حصه اعزازالدوله بهادر و هزبر جنگ بهادر بایشان رسانیدند ـ ایشان چند روز جلودار باشیان[۱] را در آن جا متوقف ساختند و بسلوک و مدارا پرداخته حاجی بیگ نظر خان[۲] و خواجه بدیع را بعلاقهٔ مهمان داری با سی صد سوار برفاقت آن ها مقرر کرده روانهٔ حضور ساختند ، و آنها بشاه جهان آباد رسیده بیست و یکم ربیع الثانی سنه [۲۹][۳] ملازمت اقدس حاصل نمودند ، نامه و اسپان از نظر انور گزرانیدند ـ خلیفهٔ دین و دولت نامه را بدست خاص از آنها گرفته حوالهٔ یحیٰی خان میر منشی نمودند ، و بعد استفسار احوال شاه جم جاه خیلے تعریف اسپان فرمودند ، بجلودار باشیان خلعت مرحمت شد و باغ محل دار خان برائے بودن شان معین گشته ، اخراجات هر روزه از سرکار والا قرار یافت ـ بیست و دویم جادی الاول سنه مذکور آنها از پیشگاه خلافت بعطائے خلاع و بیست هزار روپیه نقد کامیاب گردیده دستوری انصراف یافتند و یک هزار و دو صد تولچه عطریات از هر قسم علیحده شده (۲۴۳ الف) قرار یافت که پنجاه و یک زنجیر فیل جوان که بهندی زبان هاتھ گویند نیز بر سبیل

۱ ـ اصل : جلودار بادشاه ، ع مثل متن ـ

۲ ـ اصل : نیکخیر خان ، تصحیح از روے مرآةالاصطلاح ـ

۳ ـ از روے ع ـ

ارمغان جهت شاه جم جاه فلک بارگاه مصحوب جلودار باشیان مرسل شود ـ

کیفیت ارسال افیال جهت شهنشاه بلند اقبال

چون افیال جوان در فیل خانهٔ سرکار والا نبود به عمده‌هاے خلافت ارشاد قدسی شد که هر قدر افیال جوان داشته باشند از نظر انور بگزرانند ، و هم با هادی علی خاں داروغهٔ فیل خانه حکم شد که در شهر پیش هر کس از نوع مذکور فیل باشد طلبیده از نظر جهان پرور بگزراند ـ هر یکے از عمدهاے سلطنت سه فیل پیشکش کرد ، دیگر هم می گزرانیدند و سعادت می‌پنداشتند لیکن چه کنند که بدانستند[۱] ......چون داروغه مردم براے تفحص افیال تعین نمود ، هر طرف در شهر فتنه سرکشید ، و کهن هنگامهٔ فیل و ابابیل که آیهٔ بلند پایهٔ "الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل" دلیل آن است ، تازه گردید ، هر چند از جناب عالمیان مآب در باب تلاش افیال جوان حکم بود این مشتے شرارت پیشه در خانهٔ که سراغ تصویر فیل هم یافتند بے تحاشا سویش چون فیل مست بشور و شدت تمام شتافتند بعضے زرکی داده خود را از دست شان رهائی دادند و بعضے افیال را در پردهٔ شب برون شهر فرستادند ، و از بعضے در سرکار والا ضبط شد ـ غرضیکه یک چند در شهر دور دور فیل بانان بود و هر فیل بان فیل[۲] هاے زر هاے خطیر از اهل افیال ربود ـ از اتفاقات راقم سطور نیز از نوع مذکور فیلے داشتم لیکن در شهر نبود ـ در هاں ایام دار و گیر (۲۴۲ ب) روزے چوبدار داروغه با چند فیل بانان بطلب آن آمده ابلاغ حکم والا نمود ، بخاطر گزشت که هرگاه مرضئی اشرف بادشاه

---

۱ ـ کذا ـ جملے میں اضطراب ہے ؛ غالباً کچھ عبارت اس کے بعد کی نسخهٔ اصل سے حذف ہوگئی ہے ـ

۲ ـ اصل : فیل بانی ، ع : فیل باے ـ

هندوستان بریں پلہ باشد چه به ازین است که پیشکش کرده شود باز بخاطر رسید که خوب تدبیرے خود باید کرد ۔ چون با داروغه از قدیم ربطی داشتم پیغام کردم ، فیلے که مردم سرکار برآن چشم سیاه کرده اند اگر مروت و فتوت همیں اقتضا می نماید حاضر است لیکن چون زمانه همواره بیک وتیره نمی باشد آخر رنگی خواهد گرداند و صورت این ماجرائے غریب مانند تصویر فیل نقش صفحۂ روزگار خواهد ماند ، و از ڈیوڑھی خدمۂ عالیه نیز در باب عدم مزاحمت زبانی محمد سعید خدمتگار پیغام شد ، حق تعالیٰ آں مرد بزرگ را جزاے خیر دهاد که بکلی دست از مزاحمت برداشت و من بعد احدے را بنا بر جواب و سوال ایں مقدمه نگذاشت ۔ بارے چون از سرکار بعض امراے عظام و از پیش بعضے اهل شهر مثل راجا جگل کشور وکیل ناظم بنگاله و دیبی دت[۱] پسر سیتا رام اقبال در سرکار والا ضبط گردید و تعدادش به پنجاه و یک رسید براے آنها ساز و یراق نقره و رخت سقرلاط زردوز ترتیب یافته مرسل گردید ۔

حاصل کلام چون جلودار باشیاں که جمعیت سوار و پیادۂ سرکو نواب صاحب وزیرالممالک بهادر و امارت مرتبت صفدر جنگ بهادر همراه آنها تعین بود با تحف و هدایاے صدر روانه گردیدند ، و جائے که حاجی بیگ نظر خان[۲] انتظار می‌کشید رسیدند ، حاجی برفاقت شان (۲۳۳ (؟) پیشتر روانه شد و بیست و دویم جمادی الثانی سنه مذکور حاجی با چهکڑهاے اموال و اقبال بخیریت به لاهور رسید ۔

خـــتـــم شد

---

۱ ۔ اصل : ودیتی دت ۔ اس شخص کا ذکر چمنستان طبع لکھنؤ ۱۲۹٦ھ صفحه ٦٦ پر دیکھیں ۔

۲ ۔ اصل : نیکخبر خاں ، تصحیح از روے مرآة الاصطلاح ۔

حواشی

صفحہ ۴ - سطر ۶ - محمود اور البیرونی : البیرونی ۴۰۸ھ میں خوارزم کے چند امرا کے ساتھ اسیر ہو کر غزنی پہنچا - ۴۰۸ھ اور ۴۲۰ھ کے درمیان اس نے ہندوستان کی سیاحت کی اور ۴۴۰ھ بمطابق ۱۰۴۸ع میں انتقال ہوا - (مگر بعض اقوال اور شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۵۰ع میں زندہ تھا)۔ محمود کے دربار سے اس کا کوئی تعلق تھا یا نہ تھا ؟ اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا - چہار مقالے کی ایک حکایت سے اس کی تائید ہوتی ہے لیکن البیرونی کی اپنی تصانیف سے اس کا کچھ پتا نہیں چلتا - اس کی کتاب تحقیق ماللہند ۴۲۱ھ اور ۴۲۳ھ کے درمیان لکھی جاتی ہے - ۴۲۰ھ تک وہ سیاحت ہندوستان سے واپس آ چکا تھا - سلطان محمود کا انتقال ۴۲۳ھ میں ہوتا ہے - اس تمام عرصے میں البیرونی بادشاہ وقت کے ساتھ اپنے تعلق کا کوئی ذکر نہیں کرتا - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ البیرونی نے محمودی فوجوں کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا - لیکن اس کے لیے کوئی قطعی شواہد موجود نہیں - خلاصہ یہ ہے کہ محمود کے دربار کے ساتھ البیرونی کے تعلق کے متعلق ہماری معلومات ناقص ہے - پس ان حالات کی روشنی میں اس کتاب کے صفحہ ۴ (سطر ۱) کی یہ عبارت ''لیکن محمود ان کی سر پرستی سے دریغ نہیں کرتا'' قابل ترمیم ہے - البتہ اس حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے کہ محمود کے زمانے میں ایک شخص غزنی میں بیٹھ کر ہندو علوم و فنون پر کتابیں لکھ رہا ہے - اگر عام خیال کے مطابق محمود کو ہندو علوم اور مذہب کے خلاف تعصب ہوتا تو وہ البیرونی کو ایسی

کتابیں لکھنے کی اجازت نہ دیتا ۔ محمود کے انتقال کے بعد مسعود اور مودود کے ساتھ البیرونی کا تعلق ثابت ہے ۔ چناں چہ قانون مسعودی اور کتاب الصیدنہ کے انتساب سے ظاہر ہے [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون ''قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ'' اورینٹل کالج میگزین ۔ مئی ۱۹۳۳ع] ۔

صفحہ ۱۲۳ ۔ سطر ۱۳ ۔ بدائع وقائع : یہ ایک طرح کی خود نوشت سوانح عمری ہے اور علاوہ دل چسپ ہونے کے اہم اور نادر بھی ہے ۔ ایلیٹ نے اپنی تاریخ میں اس کو 'تذکرہ' کے نام سے یاد کیا ہے ۔ اس پر مخدومی پرنسپل محمد شفیع صاحب نے جو مضمون لکھا ہے اس کو ان کی اجازت سے اس کتاب کے ساتھ بہ طور ضمیمہ شائع کیا جاتا ہے ۔

صفحہ ۱۵۵ ۔ سطر ۲ ۔ وارستہ اور خان آرزو : خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں چراغ ہدایت کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے حاشیے پر وارستہ کے حواشی اس کے اپنے قلم سے موجود ہیں ۔ [ملاحظہ ہو کتاب نمبر——] اس کے ایک صفحے کا عکس اس کتاب کے صفحہ ۱۵۴ اور صفحہ ۱۵۵ کے درمیان موجود ہے ۔ خان آرزو کی بعض اور کتابوں پر بھی وارستہ کے تحریر کردہ حاشیے میری نظر سے گزرے ہیں ۔

مآخذ کی فہرست

[مآخذ کی یہ فہرست مکمل نہیں - میں نے بہ غرض اختصار غیر اہم مآخذ کو نظر انداز کر دیا ہے - جس باب میں کوئی کتاب استعمال کی گئی ہے ، قوسین میں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے - جہاں کوئی حوالہ نہیں ، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتاب سے ہر باب میں فائدہ اٹھایا گیا ہے - انگریزی کتابوں کے نام بعض جگہ بہ اختصار دے گئے ہیں - یہ اگرچہ اصولاً جائز نہیں مگر اردو کتاب میں انگریزی ناموں کا کھپانا مشکل کام ہے - میری کتاب میں جن بے شمار مصنفوں کا ذکر ہے ، ان کی صدہا کتابیں میرے مستقل مآخذ ہیں - میں نے ان سب کو پڑھ کر ان سے فائدہ اٹھایا ہے مگر اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا - فہرست کی ترتیب تہجی ہے مگر فصول میں اس کی پابندی نہیں کی گئی]

آئین اکبری (۱ ، ۲ ، ۳)
اقوام کشمیر - محمد دین فوق (۱)
اکبر - ونسنٹ سمتھ (۲)
اکبر نامہ - ابوالفضل (۲)
ایشیا ٹک ریسرچز جلد ۱۵ (۳)
انیس الاحبا - موہن لال انیس (۴)
انیس العاشقین - راجہ رتن سنگھ زخمی (۴ ، ۵)
Annals - راجستھان - ٹڈ (۴)
ایرین رول - ہیول (۶)
امرائے ہنود (۱ ، ۲)
اردوئے معلی - غالب - مبارک علی ایڈیشن (۶)
اورینٹل کالج میگزین لاہور
انڈین انٹی کویری (۶)
اسلامک کلچر (۳ ، ۴)
اقبال نامۂ جہانگیری - معتمد خان (۱)
ابن بطوطہ - عجائب الاسفار (۱)

اصطخری ۔ مسالک الممالک (۱)
ابن حوقل ۔ المسالک و الممالک (۱)
ایلیٹ و ڈوسن (تاریخ ہند ۸ جلد)
ایجوکیشنل رپورٹس آف گورنمنٹ آف انڈیا ۔ شارپ و رچی ایضاً پنجاب از آرنلڈ (۵)
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۳)
انسائیکلوپیڈیا برطانیکا (۱)
ابن حسن ۔ سنٹرل سٹرکچر آف دی مغل ایمپائر (دیباچہ)
بلوخمن ۔ ترجمہ آئین اکبری (۱ ، ۲ ، ۶)
بلوخمن کنٹری بیوشنز (پرشین لغت) (۳ ، ۶)
بابر نامہ (تزک بابری) (۱)
بیہقی (تاریخ بیہقی) (۱)
البیرونی (تحقیق ماللہند) (۱)
برنی (ضیا برنی ۔ تاریخ فیروز شاہی) (۱)
بساتین السلاطین ۔ ابراہیم زبیری (۱)
بدایونی ۔ منتخب التواریخ (۲)
بیل ۔ اورینٹل بیاگرافیکل ڈکشنری (۳)
براؤن ۔ تاریخ ادبیات ایران (۶)
پنجاب میں آردو ۔ پروفیسر شیرانی (۱)
تاریخ شیر شاہی ۔ ارادت خان (از ایلیٹ ۔ ج ۷) (۲)
تذکرۂ خوش نویسان ۔ غلام محمد
تارا چند (ڈاکٹر) انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر (۶)
تفریح العمارات ۔ سیل چندر (قلمی شیرانی) (۲)
تزک جہان گیری (۲)
تذکرۂ حسینی (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (۳)
تذکرۂ میر حسن (۳ ، ۵)
تذکرۂ سرخوش (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (۳)
تذکرۂ کریم الدین (۵)
تذکرۂ عشقی (از سپرنگر صفحہ ۱۸۳) (۵)
تذکرۂ غلام حسین شورش (از سپرنگر صفحہ ۱۸۲) (۵)
تذکرۃ النسا ۔ درگا پرشاد نادر (۶)

جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۳ع (۱)
جہاں گیر از بینی پرشاد (۳)
جرنل آف انڈین ہسٹری (۶)
چہار چمن - چندر بہان برہمن (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (۲ ، ۳)
چمنستان شعرا - شفیق اورنگ آبادی (مطبوعہ) (۴ ، ۶)
خزانۂ عامرہ - آزاد بلگرامی (۱ ، ۴ ، ۵)
خلاصۃالتواریخ - سجان رائے (مطبوعہ ظفر حسن) (۳ ، ۴)
خانی خان - منتخب اللباب (۳)
خسم خانۂ جاوید - سری رام (۴)
خورشید جہاں نما (تاریخ بنگال) (۶)
خلاصۃ المکاتیب - سجان رائے (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (۶)
دربار اکبری - محمد حسین آزاد (۲)
دستورالعمل - یوسف میرک ،(قلمی پنجاب یونیورسٹی) شاہ جہاں کے زمانے میں ۱۰۴۴ھ میں لکھی گئی (۳ ، ۶)
ذکاء اللہ - تاریخ ہندوستان (۱)
رزلے - پیپل آف انڈیا (۶)
روز روشن - صبا (مطبوعہ)
ریاض الشعرا - والہ داغ ستانی (قلمی، پنجاب یونیورسٹی) (۴ ، ۶)
ریاض الوفاق - مست (از سپرنگر فہرست اودھ) (۴ ، ۵)
سفینۂ خوشگو - (قلمی، پنجاب یونیورسٹی و بانکی پور لائبریری)
سرکار (سر جادو ناتھ) شیوا جی (۴ ، ۶)
سرکار -مغل ایڈمنسٹریشن (۶)
سرکار- ہسٹری آف اورنگ زیب (۳)
سیرالمصنفین - تنہا (۵)
سخن دانِ پارس - آزاد (۶)

شبلی (مولانا) عالم گیر پر ایک نظر (۳)
شہرنگر - کاسٹز اینڈ ریسز آف انڈیا (٦)
شعرالہند - عبدالسلام ندوی (۳)
شمشیر تیز تر - مرزا غالب (٦)
طبقات اکبری - نظام الدین (۲)
ظفر نامہ رنجیت سنگھ امر ناتھ اکبری (کوہلی ایڈیشن) (۵)
عبدالحق (مولانا) مرحوم دہلی کالج (۵)
عبدالحق (مولانا) مرہٹی پر فارسی کا اثر (۳)
عبدالغنی (پروفیسر) پرشین لٹریچر (مغلوں سے پہلے)
عمل صالح - محمد صالح (قلمی، پنجاب یونیورسٹی) (۳)
عماد السعادت - آزاد بلگرامی (قلمی، پنجاب یونیورسٹی) (۳)

فرشتہ - گلنار ابراہیمی (۱)
فال آف دی مغل ایمپائر - کین (۳)
فتوحات فیروز شاہی - فیروز شاہ تغلق (٦)
فرینکلن - تاریخ شاہ عالم (۳)
فہرست قلمیات عجائب خانۂ لندن (مرتبہ ڈاکٹر ریو)
فہرست قلمیات انڈیا آفس لائبریری
فہرست بیکانیر سنسکرت لائبریری (۱۱)
فہرست قلمیات بانکی پور لائبریری
فہرست قلمیات باڈولین لائبریری
فہرست قلمیات - براؤن
فہرست قلمیات پیرس - بلوشے
فہرست قلمیات عجائب خانہ لندن - ریو
فہرست آصفیہ لائبریری حیدر آباد
فہرست کپور تھلہ سٹیٹ لائبریری
فہرست پنجاب پبلک لائبریری
فہرست اودھ لائبریریز - سپرنگر

قاموس المشاهیر (اردو) (۴ ، ۵)
کایستھ درپن (ہندی) (٦)
کلکتہ ریویو (۱)
گل رعنا ـ لچھمی نراین شفیق (۱۱۸۲ھ قلمی پنجاب یونیورسٹی ـ شیرانی)
گل زار ابراہیم (تذکرہ) نواب علی ابراہیم خان (۴)
گڈ اولڈ ڈیز آف جان کمپنی ـ کیری (۵)
گل زار حال ـ ولی (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (٦)
گربل ـ تاریخ دکن (۱)
گریرسن ـ لٹریچر آف ہندوستان (۲)
لی سترینج ـ لینڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ (۱)
لباب الالباب ـ عوف (۱)
لارنس ـ ویلی آف کشمیر (۱)
لا ـ نرندرا ناتھ ـ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا (عہد اسلامی) (۱ ، ۲ ، ۳ ، ٦)
لا ـ نرندرا ناتھ (برٹش) (٦)
لین پول ـ میڈیابول انڈیا (۱)
مجمع التواریخ ـ پنڈت کاچر (قلمی، یونیورسٹی لائبریری) (۱)
مہاتمی کشمیرہ منڈل ـ گوبند رام (قلمی شیرانی) (۱)
مآثر الامرا ـ شاہ نواز خان (۱ ، ۴)
مغل پینٹنگز ـ پرسی براؤن (۲)
مصر بندھو ونود ـ تاریخ ادب ہندی (۲)
مجمع البحرین ـ داراشکوہ (محفوظ الحق ایڈیشن) (۳)
مآثر عالم گیری (۳ ، ۴)
مرآۃ الخیال شیر خان (۳)
منشآت برہمن (۳)
ماڈرن ریویو جلد ۲۷ (۳)
مجمع النفائس ـ خان آرزو (قلمی پنجاب یونیورسٹی)
موید برہان ـ آغا احمد علی (۴)
مخزن الغرائب ـ احمد علی سندیلوی (قلمی شیرانی)
مقالات الشعرا قیام الدین حیرت (از سپرنگر ـ فہرست اودھ)، صفحہ ۱۵۲ (۴ ، ۵)

محمڈن ایجوکیشن ان انڈیا ـ سید محمود ، معارف اعظم گڑھ (۵)

مسلم ریویو ۱۹۲۹ع (۵)

مجموعۂ نغز ـ قدرت اللہ قاسم (شیرانی ایڈیشن) (۵)

معلومات الآفاق ـ امین الدین (۱۱۱۹ھ) (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (٦)

مثمر ـ خان آرزو (قلمی، پنجاب یونیورسٹی) (٦)

مخزن الفوائد و قواعد فارسی (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی) (٦)

مشهانی (جارج) ، ویلیج کورنمنٹ ان برٹش انڈیا (۱)

مرآة آفتاب نما ـ شاہ نواز خان (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی)

مرآة العالم ـ بختاور خان (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی)

نشتر عشق ، تذکرہ حسین قلی خان عشق (قلمی، پنجاب یونیورسٹی)

نہر الفصاحت ـ قتیل (٦)

نکات الشعرا ، میر تقی میر (۳ ، ۵)

نارنگ (سر گوکل چند) ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز (۵)

نگار نامہ منشی (قلمی ، پنجاب یونیورسٹی)

ہمیشہ بہار (قلمی)

ہنٹر ـ انڈین ایمپائر (٦)

ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن (رپورٹ) ۱۹۲۷ع (۵)

اشـــاریـــــہ

مرتبہ : ضیاء احمد رضوی
ایم - اے

اشخاص

(الف)

(ب)

(پ)

(ت)

(ٹ)

(ث)

(ج)

(د)

(ڈ)

(ذ)

(ر)

(م)

(ن)

(ے)

کتب

(الف)

(ب)

(پ)

(ڈ)

(ر)

(ز)

(س)

(ش)

(ق)

(ک)

(ہ)

(ے)

مقامات